مامِ اُمّت
یتُ اللہ
خمینی نمبر
کائنات
ربیع الثانی تا جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ
مکتبہ کائنات دلی

اللہ کے

سہارے جس کا فیض عام اور عنایتیں خاص ہیں

علمی، فکری، دینی اور تہذیبی ماہنامہ

امامِ اُمّت آیۃ اللہ خمینیؒ نمبر

مُدیر

عقیل الغروی
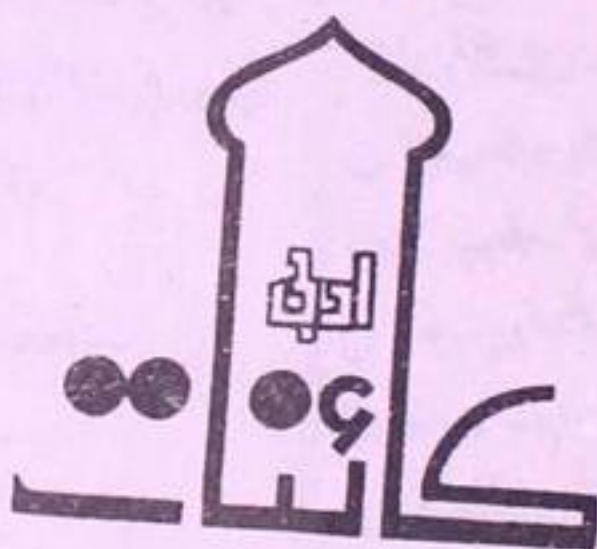
مکتبہ کائنات، شعبہ صحافت، سفینۃ الہدایۃ ٹرسٹ

۳۰ - ۱۴۱، امام باڑہ لین، رشید مارکیٹ، دہلی - ہندوستان ۱۱۰۰۵۱

(پرنٹر پبلشر اور پروپرائٹر ذیشان مجتبیٰ ہدایتی نے یونیورسل آفسٹ پرنٹرز دریا گنج نئی دہلی سے چھپوا کر مکتبہ کائنات ۳۰-۱۴۱ امام باڑہ لین دہلی ۵۱ سے شائع کیا

جاری شدہ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ مطابق جنوری ۱۹۸۱ء (از ھدایت گڑھ مرزا پور)

ادارہ ادبی کائنات اپنے قلمی معاونین کی خدمت میں نذرانہ پیش کرتا ہے ——

"ادبی کائنات" کے صفحات پر مقالہ نگار کو اظہار رائے کی آزادی ہے، اس کا اپنی ہر رائے میں ادارے کا پابند یا ادارے کا اس کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں۔ قلمی معاونین سے ضروری گذارش یہ ہے کہ وہ زبان کی صحت اور مواد کے استناد کا لحاظ ضرور فرمائیں!

ترتیب

اِس شمارے کے اہلِ قلم

بانیِ جمہوری اسلامی ایران
آیت اللہ العظمیٰ خمینیؒ :

روح اللہ نام تھا، ابن مریم نہ ہوتے ہوئے بھی زمانے بھر کے دُکھ کی دَوا کر گئے اور مسیحِ انام کہلائے !

وہ نسلاً سید موسوی تھے اور بذاتِ خود اپنے وقت کے تمام فرعونوں کے لئے "موسیٰ" !

بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ وہ "عمران" "ابن عمرانؑ" تھے !

وطن کے لحاظ سے ان کا جدی رشتہ مہبطِ آدم ہندوستان سے تھا لیکن ان کے والد اور وہ خود ایران کے شہر "خمین" میں پیدا ہوئے اس لئے خمینی ٹھہرے۔ جوارِ رحمت میں تو وہ مقامِ محمود کے مستحق ہوں گے لیکن تہران کے "بہشت زہرا" میں دفن ہو کر مدفن کے لحاظ سے "بہشتی" قرار پائے۔

یہ نسبتیں، یہ حوالے اُس انسان کے لئے ضروری ہیں جو اللہ کے بارے میں صرف اس لئے حیران و سرگردان ہے کہ اُس کے لئے مکانی، زمانی، ظاہری یا باطنی کوئی نسبت معتبر نہیں !

ورنہ حقیقت یہ ہے کہ "روح اللہ موسوی خمینی" اللہ کی ایک آفاقی علامت کا نام یا استعارہ تھا !

وہ مومنِ فقیہ، فقیہِ مومن، حاکمِ عادل، معلمِ اخلاق فلسفی، مفسرِ قرآن، عارف، سخن آفریں شاعر و ادیب، مجاہدِ کبیر، مجددِ تاریخ،

محیِ شریعت، مبینِ طریقت نائب امام تھے، ان کی ذات سے "حجۃ الاسلام والمسلمین" کے لقب نے معنویت پائی اور وہ صحیح معنی میں اللہ کی ایک بزرگ نشانی تھے، جس کے پرتوِ ذات و صفات سے افرادِ بشر اللہ سے اپنی نسبت کو پہچان سکے !
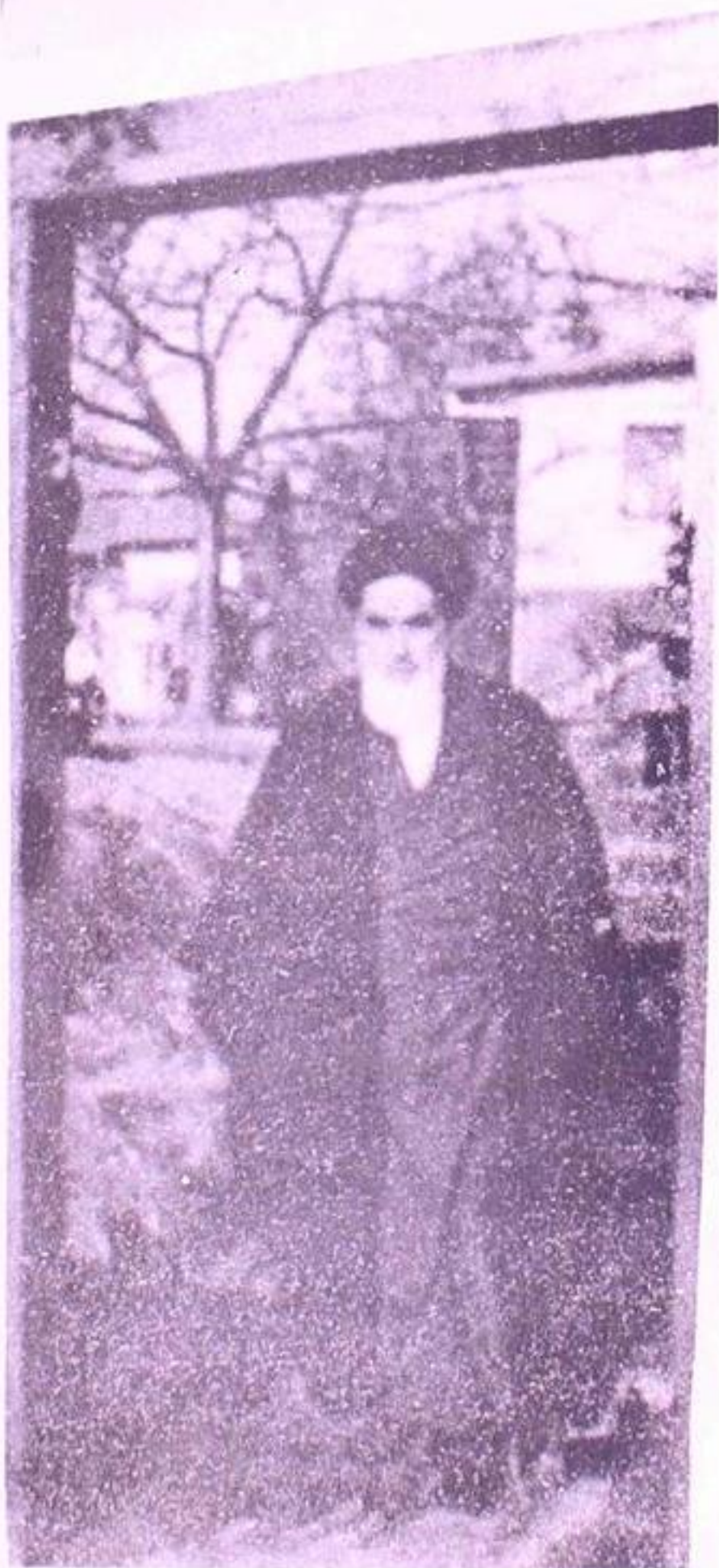
آفاق

ربیع الآخر، حرکت وقیام کا مہینہ ہے کہ اسی مہینہ میں "قیامِ صلوٰۃ" کا حکم دیا گیا تھا، پھر تاریخ بتاتی ہے کہ اسی مہینے میں سلیمان بن صرد خزاعی کی قیادت میں توابین نے اور ان کے بعد مختار بن ابی عبیدہ ثقفی نے قیام کیا۔

جمادی الاولیٰ ــــ خاتونِ حرکت وانقلاب حضرت ثانیِ زہرا زینب صلوٰۃ اللہ علیہا کی ولادت کا مہینہ ہے۔

اور

جمادی الثانیہ ــــ ستم رسیدۂ تاریخ، سیدہ طاہرہ، بتولِ عذرا، حضرت فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کی ولادت کے ساتھ ساتھ ــــ سیدِ علوی و فاطمی، پیکرِ جلال وجمال ہاشمی، مردِ تاریخ سیدِ روح اللہ موسوی خمینیؒ کی ولادت کا مہینہ بھی ہے۔

ان تمام مناسبتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے "ادبی کائنات" کا ماہِ ربیع الآخر تا جمادی الثانیہ سنہ ۱۴۱۰ھ کا مشترکہ شمارہ "امامِ اُمّت آیت اللہ خمینی نمبر" کی حیثیت سے پیش کیا جا رہا ہے۔

حق یہ ہے کہ نور السمٰوات والارض اللہ نے انفس وآفاق کو پُرنور بنانے کیلئے مٹی کا ایک پُتلا بنا کر اس میں اپنی روح پھونک دی تھی اور روحِ خدا نے اس ایک پُتلے میں ایسی تابناکی پیدا کر دی تھی کہ پوری کائنات روشن ہو گئی تھی، تب سے نور السمٰوات والارض اللہ کا یہ دستور ہے کہ جب بھی انفس وآفاق بے نور ہونے لگتے ہیں تو وہ کسی پُتلے میں رُوحِ خاص ودیعت فرما کر کائنات میں نور پاشی کا اہتمام وانتظام کر دیتا ہے۔

ہم کتنے خوش قسمت ہیں کہ اپنے عہد کو پُرنور بنانے والے تابناک پُتلے کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس روح اللہ کی معاصرت کا شرف

پایا جس نے اپنی چودہ پندرہ برس کی جلاوطنی کی ریاضت سے چودہ سو برس کے "غریب اسلام" کو "ارضِ عجم" میں وطن بنانے کے لئے میدان فراہم کردیا اور پوری دُنیا کو "نورِ اسلام" سے کسب ضیا کرنے کا عملی درس دے کر روپوش بھی ہوگیا۔

لیکن روح اللہ خمینیؒ کی روپوشی، نگارِ معنی کی پنہانی کی مماثل ہے جو لفظ لفظ دفن ہوکر حرف حرف نمود کرتی ہے — ہمیں اس سے بچھڑ جانے یا بچھڑے ہوئے ہونے کا غم ہے، مگر کوئی ہراسانی نہیں ہے کہ وہ ندائے آفتاب ہے، جو ذرّہ ذرّہ کے گوش گذار ہوتی ہے اور — گردشِ زمین کے ساتھ باقی رہنے والی ہے بلکہ — وہ ندائے آفتاب سے بھی زیادہ پُرحرارت و پُرنور — ایک قوی و روشن مینارہ صدا ہے۔ — ایک ایسا مینارہ جو کبھی بھی منہدم نہیں ہوسکتا، چاہے کتنی ہی اور کیسی ہی طوفان خیزیاں ہوں، بلکہ وہ ہر تند موجِ ہوا کے ساتھ ایک نیزہ اور بلند ہوجاتا ہے!

ہاں البتہ اس پس ماندگی، رجعت پرستی، فکری جمود، بے ادبی اور نادانی سے ضرور ہراسانی ہے کہ اب تک ہمارے ہاں کے ادبا، شعرا، ناقدین محققین علما اور افاضل اس مینارۂ صدا کی بازگشت سے بیگانے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ انقلابِ اسلامی کو کامیاب ہوئے ایک دہائی بیت گئی اور رہبرِ انقلاب ہم سے روٹھ کر روپوش بھی ہوگیا۔ لیکن اب تک ہم اپنے ادب میں، اپنے نظام علم و خبر میں اور اپنے اسلوبِ فکر و نظر میں کوئی تازہ کاری اور انقلاب نہ لا سکے! بلکہ ہمارے قلم سے اس عظیم انقلاب کی اچھی اور سچّی ترجمانی بھی نہ ہوسکی۔

کہنا چاہیے کہ برِصغیر کے اُردو لکھنے، بولنے والوں کی تاریخ اس وقت ان کی بیگانگی کی شکایت نہیں بلکہ ان کی بے بصری کا مرثیہ لکھ رہی ہے۔ جسے

آنے والی نسلیں پڑھ پڑھ کر خون کے آنسو روئیں گی کہ دنیا کے اس عظیم اور عجیب انقلاب کے حوالے سے اُردو دنیا کوئی ایک بھی قابل حوالہ تخلیقی شہ پارا پیش نہیں کر سکی؟!

اور یاد رکھنا چاہیے کہ دنیا کا کوئی بڑا انقلاب چاہے وہ کسی بھی نظریہ پر استوار ہو، اس کے معاصر اہل قلم، اہل ہنر، اگر اس کا انعکاس نہیں کرتے تو وہ خود اپنی موت مر جاتے ہیں۔

"ادبی کائنات" کا یہ نمبر بطور خاص ادبا، شعرا، اور علما و محققین کی خدمت میں ایک دعوتِ فکر و نظر ہے۔

اس نمبر میں، خصوصی نمبروں کی عام روش اور دیرینہ روایت سے ہٹ کر، آیت اللہ خمینیؒ کی سوانح عمری، ان کی تحریک کے پس منظر، مختلف مراحل سے گزر کر اس کی کامیابی کے بعد کے حالات و واقعات پر کچھ بھی مواد شامل نہیں کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس نمبر کی اشاعت کا مقصد اپنے قارئین کو آیت اللہ خمینی کی شخصیت کے عرفانی اور وجدانی و ادبی پہلو سے متعارف کرانا ہے اور اس لئے بھی کہ سرسری طور پر بلکہ کسی قدر تفصیل سے بھی، آیت اللہ خمینیؒ کے حالاتِ زندگی، ان کی برپا کردہ تحریکِ انقلاب اسلامی اور جمہوری اسلامی ایران سے متعلق بہت سی باتیں، دنیا بھر کے مختلف سیاسی مذہبی اور نیم سیاسی، نیم مذہبی پرچوں میں برابر شائع ہوتی رہی ہیں۔ جس کی طرف تخلیقی ذہن و زبان رکھنے والے اگر توجہ کرتے تو اسی میں ان کے لئے بہت کچھ سامانِ فکر و عمل مہیا ہو سکتا تھا! لیکن ان میں سے اکثر نے غالباً صرف اس لئے توجہ نہیں کی کہ وہ اپنا ذہن اور اپنی زبان پہلے ہی کہیں ہار یا وار چکے تھے۔ اور کچھ نے اپنی واقعی بے بصری یا محض عاقبت نا اندیشی کی بنا پر بے توجہی یا کم التفاتی برتی —— (خیال رہے کہ یہاں "عاقبت نا اندیشی" کی بات کسی مذہبی نہیں بلکہ ادبی تاریخی تناظر میں کہی جا رہی ہے۔)

ہاں ایک بات ضرور معقول عذر کی حیثیت رکھتی ہے اور وہ یہ کہ آیت اللہ روح اللہ خمینیؒ کی شخصیت، ان کی فکر، ان کی زبان، ان کی سعی و عمل کی راہیں اور منزلیں اور ان کی تحریک واستقلال اور حرکت و استقرار کی تمام تر بنیادیں جس جہان معنوی سے تعلق رکھتی ہیں وہ اس دور کے عوام ہی نہیں عام دانشور طبقے کے لئے بھی ایک "اجنبی جزیرہ" کی حیثیت رکھتا ہے صرف اسی ایک عذر کے دفعیہ کے لئے "ادبی کائنات" کے اس خصوصی شمارے میں صرف آیت اللہ خمینیؒ ہی کی تحریروں کا ایک انتخاب شائع کیا جا رہا ہے۔

واقعاً حیرت انگیز ہے اس "مرد تاریخ" کی شخصیت! کہ جس کی زندگی دنیا کی ایک عظیم بلکہ عظیم ترین تحریک کی سربراہی اور ایک مذہبی سیاسی ہمہ گیر انقلاب کی جد و جہد میں بسر ہوئی ـــــ وہ اس سب کے باوجود لفظ و معنی کے گوناگوں و بوقلموں پیکر بھی تراشتا رہا ـــــ

ان کے ذاتی دفتر کے ایک ذمہ دار جناب انصاری نے ان کے ارتحال کے بعد یہ انکشاف کیا ہے کہ آیت اللہ خمینیؒ کی تالیفات و تصنیفات کی تعداد کم و بیش تین سو کے قریب ہے۔ جو ابھی منظر عام پر نہیں آئی ہیں۔ اب نہیں کہا جا سکتا کہ انصاری نے آیت اللہ خمینی کی تالیفات و تصنیفات کی اس تعداد میں ان کے ان پیغامات کو بھی شمار کیا ہے یا نہیں جو انھوں نے مختلف حادثات یا مناسبات پر جاری کئے جن میں سے بیشتر کافی طویل اور بجائے خود مستقل رسالوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب آیت اللہ خمینیؒ کے تمام مصنفات ابھی منظر عام پر آئے ہی نہیں ہیں تو ان کی تحریروں کے کسی بھی انتخاب کی کوئی مستقل علمی یا ادبی اہمیت اس کے سوا نہیں ہو سکتی کہ وہ آیت اللہ خمینی کی تحریروں کا انتخاب ہے! پھر بھی ان کی شائع شدہ تصنیفات میں سے جن تحریروں کا انتخاب کیا گیا ہے شاید ان کی امتیازی حیثیت ہمیشہ برقرار رہے ـــ

بلکہ ہمارا خیال ہے کہ اس انتخاب میں ان کی بہترین ادبی نثر کا ترجمہ اور ان کی شاعری کا بھی بہترین نمونہ غالباً سمٹ آیا ہے ۔

یہ نمبر ادبی کائنات کا پہلا خمینی نمبر ہے۔ انشاءاللہ یہ سلسلہ کئی جلدوں میں تمام ہوگا اور ان میں یقیناً آیت اللہ خمینیؒ کی زندگی، ان کے برپا کردہ انقلابِ اسلامی اور ان کی بنا کردہ "جمہوری اسلامی" سے متعلق اکثر وہ مشتبہ یا متنازع فیہ پہلو زیرِ بحث آئیں گے جن کے متعلق بہت سے ذہنوں میں سوالات ہیں۔ اور جن پر، قارئین —— آیت اللہ خمینیؒ سے متعلق کسی خصوصی نمبر میں بحث و تحقیق کی توقع رکھتے ہیں ۔

عقیل الغروی
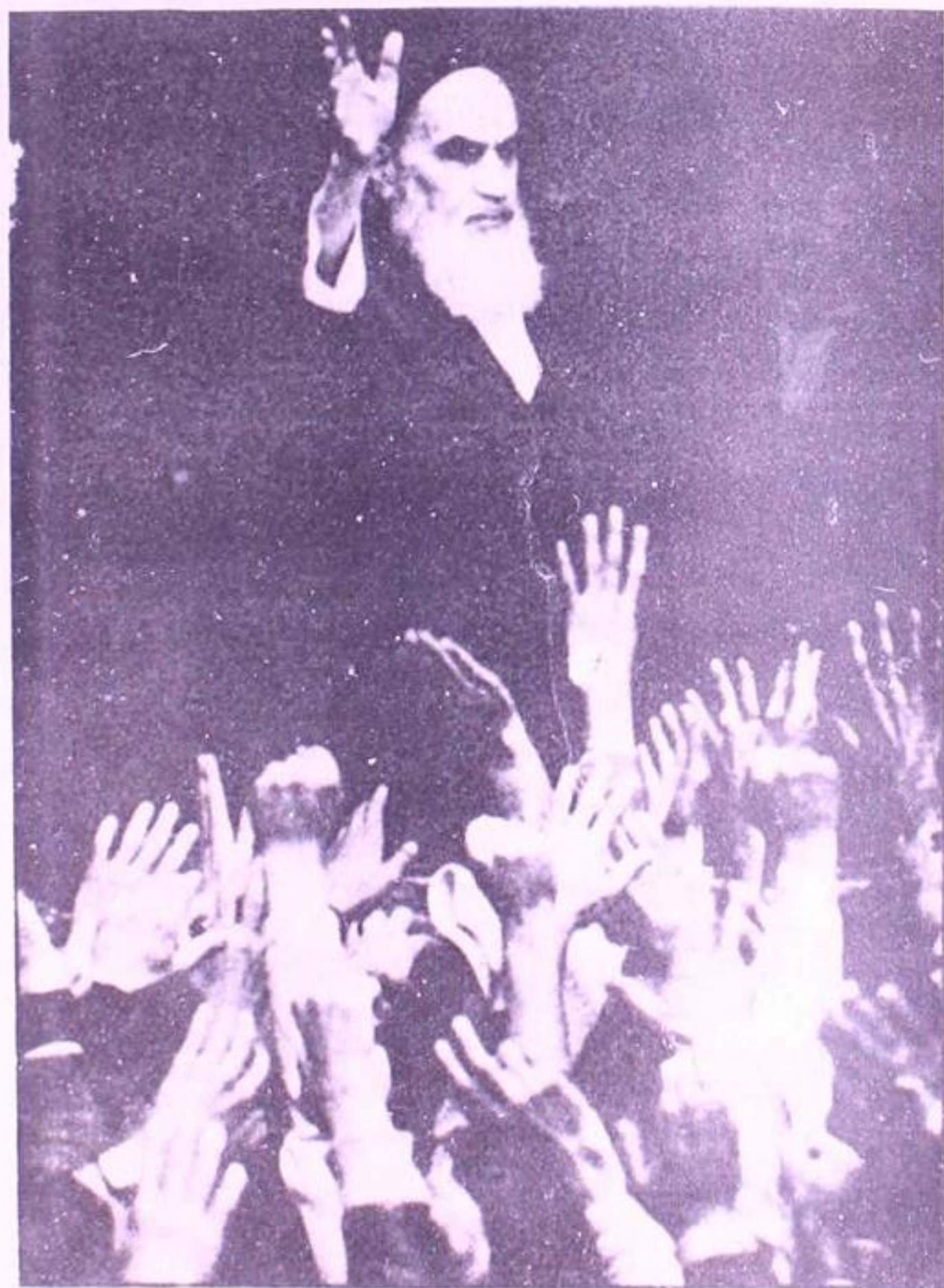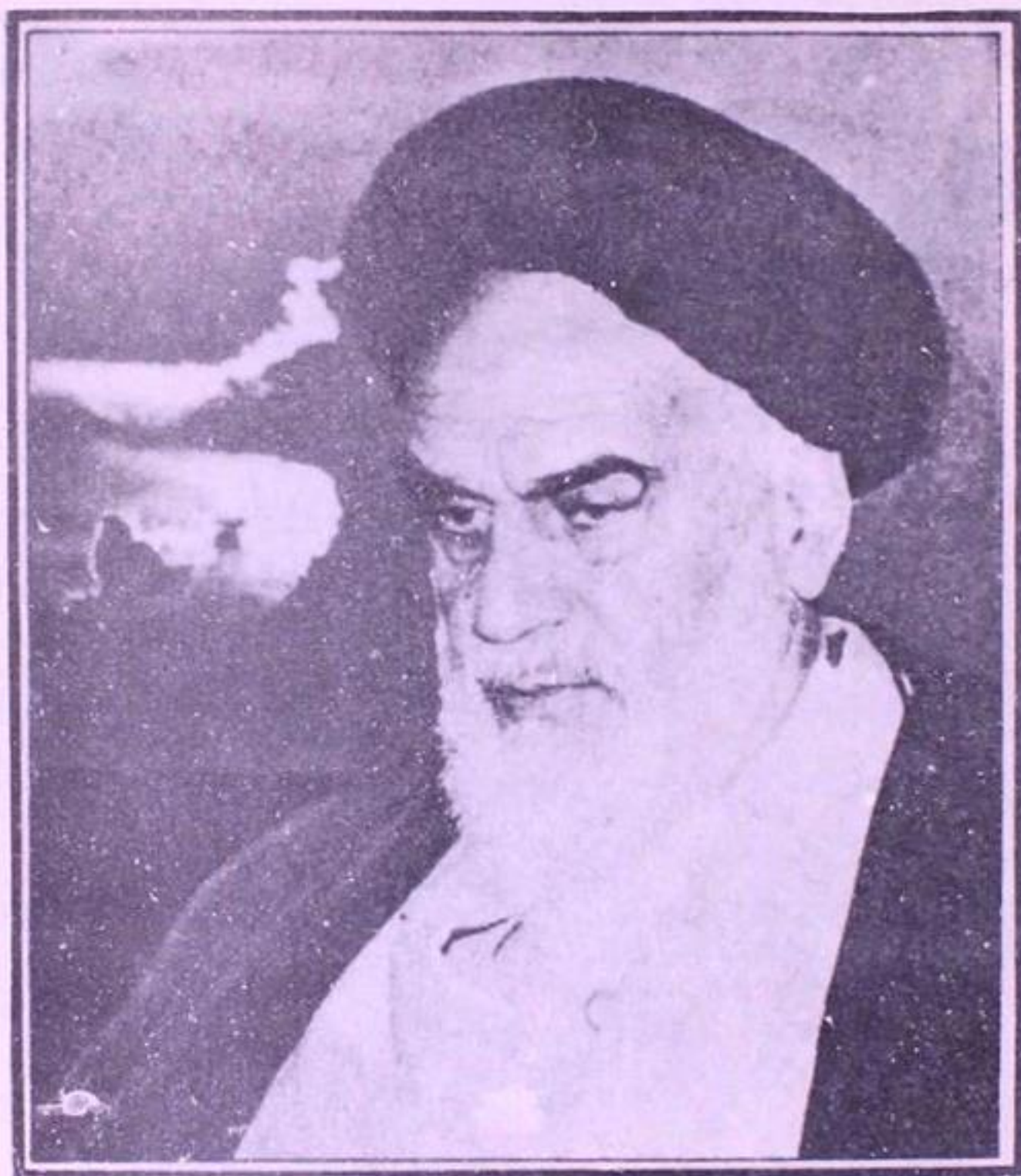
امامِ امت آیت اللہ خمینیؒ

چند اہم مشخصات و مصنفات

چند اہم مشخصات

۱۔ نام (سیّد) روح اللہ (موسوی، خمینی)

۲۔ والد: (سیّد) مصطفےٰ (موسوی، متولد ۱۲۷۸ھ)

۳۔ ولادت: ۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳۲۰ ہجری قمری

۴۔ سانحہ یتیمی (والد کی شہادت) ذی قعدہ ۱۳۲۰ ہجری قمری

۵۔ سفرِ اراک بغرض تحصیلات۔ ۱۳۳۹ھ

۶۔ تکمیل تحصیلاتِ علمیہ کے لئے شہرِ مقدس "قم" میں ورود ۱۳۴۰ھ

۷۔ آغاز تدریس فلسفہ در حوزۂ علمیہ قم۔ ۱۳۴۷ھ

۸۔ تالیف کتابِ فلسفی "مصباح الہدایہ الی الخلافۃ والولایۃ"۔ ۱۳۴۷ھ

۹۔ تصنیف کتابِ عرفانی "اسرار الصلوٰۃ یا معراج السالکین"۔ ۱۳۵۸ھ

۱۰۔ اشاعت کتابِ انقلابی "کشف الاسرار" ۱۳۶۲ھ

۱۱۔ پہلی انقلابی تقریر (مدرسۂ فیضیہ قم میں) عاشورۂ محرم ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹۶۳ء

۱۲۔ پہلی گرفتاری ــــ ۳ر جون ۱۹۶۳ء (مطابق ۱۳ خرداد ۱۳۴۲ھ ش)

۱۳۔ رہائی ــــ ۲ر اگست ۱۹۶۳ء (مطابق ۱۳ مرداد ۱۳۴۲ھ ش)

۱۴۔ آغاز تدریس فقہ و اصول ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۴ء

۱۵۔ کیپچولیشن کی مخالفت ــــ ۱۹۶۴ء

۱۶۔ دوبارہ گرفتاری اور جلاوطنی بسوئے ترکیہ ۴ر نومبر ۱۹۶۴ء (مطابق ۱۳ آبان ۱۳۴۳ھ ش)

۱۷۔ ہجرت از ترکیہ بسوئے عراق ۱۹۶۵ء

۱۸۔ ورود نجف اشرف۔ ۱۹۶۵ء

۱۹۔ "ولایت فقیہ" کے موضوع پر یادگار لکچرز (جو جمہوری اسلامی ایران کی فکری اساس بنے۔ حوزہ علمیہ نجف میں بضمن دروسِ فقہیہ۔ ۱۳ر ذی قعدہ ۱۳۸۹ھ سے یکم ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء

۲۰۔ رستاخیز پارٹی کی مخالفت ۱۹۷۵ء

۲۱۔ فرانسیسی جریدہ "لموند" کو تاریخی انٹرویو ۱۹۷۸ء

۲۲۔ بڑے بیٹے آیت اللہ سید مصطفیٰ خمینی کی شہادت ۲۳؍اکتوبر ۱۹۷۷ء
مطابق ۱۔آبان ۱۳۵۶ھ ش

۲۳۔ عراق کی بری فوج کے ذریعہ نجف کے مکان کا محاصرہ
۲۴؍ستمبر ۱۹۷۸ء مطابق ۲ مہر ۱۳۵۷ھ ش

۲۴ عراق سے کویت کی طرف روانگی ۔ ۳؍اکتوبر ۱۹۷۸ء مطابق ۱۱ مہر ۱۳۵۷ھ ش

۲۵۔ پیرس میں ورود ۔ ۵؍اکتوبر ۱۹۷۸ء مطابق ۱۳ مہر ۱۳۵۷ھ ش

۲۶۔ ایران میں فاتحانہ ورود ۱؍فروری ۱۹۷۹ء مطابق ۱۲ بہمن ۱۳۵۷ھ ش

۲۷۔ تحریکِ انقلاب اسلامی کی مکمل کامیابی ۱۱؍فروری ۱۹۷۹ء مطابق ۲۲ بہمن ۱۳۵۷ھ ش

۲۸۔ ایران میں جمہوری اسلامی کا قیام ۔ ۱؍اپریل ۱۹۷۹ء مطابق ۱۲ فروردین ۱۳۵۷ھ ش

۲۹۔ طویل جلاوطنی کے بعد اپنے محبوب مقدس شہر "قم" واپسی ۔ ۱؍مارچ ۱۹۷۹ء
مطابق ۱۰۔اسفند ۱۳۵۷ھ ش

۳۰۔ بیماری اور بیمارستانِ قلب میں داخلہ ۔ ۲۳؍جنوری ۱۹۸۰ء مطابق ۳ بہمن ۱۳۵۸ھ ش

۳۱۔ وفات: شب یکشنبہ ۳؍جون ۱۹۸۹ء مطابق ۲۸؍شوال ۱۴۰۹ھ بوقت ۱۰ بجکر ۲ منٹ

۳۲۔ تدفین ۶؍جون ۱۹۸۹ء مطابق ۲ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ

چند اہم مُصنّفات جو شائع شدہ اور دستیاب ہیں

[۱] مصباح الھدایہ ۔ یہ کتاب عرفانی و عقلی مسائل سے تعلق رکھتی ہے ۔ حضرت امامؒ نے یہ کتاب ۲۷ سال کی عمر میں تحریر فرمائی ہے۔

[۲] مختصر فی شرح دعاء المتعلق بالسحر۔

[۳] اربعین حدیث ۔ سات حدیثیں عقلی مسائل سے مربوط ہیں اور بقیہ ۳۳ حدیثیں اخلاقیات کے بارے میں ہیں۔ امام نے یہ کتاب "معراج السالکین" سے پہلے لکھی ہے۔

[۴] تحریر الوسیلہ ۔ یہ فقہی کتاب امام خمینی نے ترکیہ میں جلاوطنی کے دوران لکھی ہے۔

[۵] البیع ۔ نجف اشرف میں امام خمینی کے تحقیقی دروس کا مجموعہ ہے جس کی پانچ جلدیں چھپ چکی ہیں۔ ان ہی دروس کے ضمن میں امام نے ولایت فقیہ کی بحث بھی چھیڑی تھی جسے جداگانہ طور پر

ولایت فقیہ" کے عنوان سے مختلف زبانوں میں شائع کیا جا چکا ہے۔

۶ کتاب الطہارۃ"۔ اس کی تین جلدیں چھپ چکی ہیں۔

۷ الرسائل۔ دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

۸ اسرار الصلوٰۃ یا معراج السالکین۔ یہ کتاب ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ کو مکمل ہوئی ہے

۹ رسالۃ فی الطلب و الارادہ

۱۰ آداب الصلوٰۃ

۱۱ شرح حدیث رأس الجالوت

۱۲ شرح حدیث جنود عقل و جہل

۱۳ کشف اسرار۔ ۱۳۶۳ھ میں تہران سے شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب، حکمی زادہ کی "اسرار ہزار سالہ" کے جواب میں ہے۔

۱۴ نیل الاوطار فی بیان قاعدۃ لاضرر و لاضرار

۱۵ حکومت اسلامی یا ولایت فقیہ

۱۶ جہاد اکبر

۱۷ تعلیقۃ علی شرح فصوص الحکم و مصباح الانس

۱۸ حاشیہ بر مفاتیح الغیب

۱۹ تہذیب الاصول

۲۰ رسالۃ فی الاجتہاد و التقریر

۲۱ تفسیر سورہ حمد

۲۲ حاشیہ بر اسفار
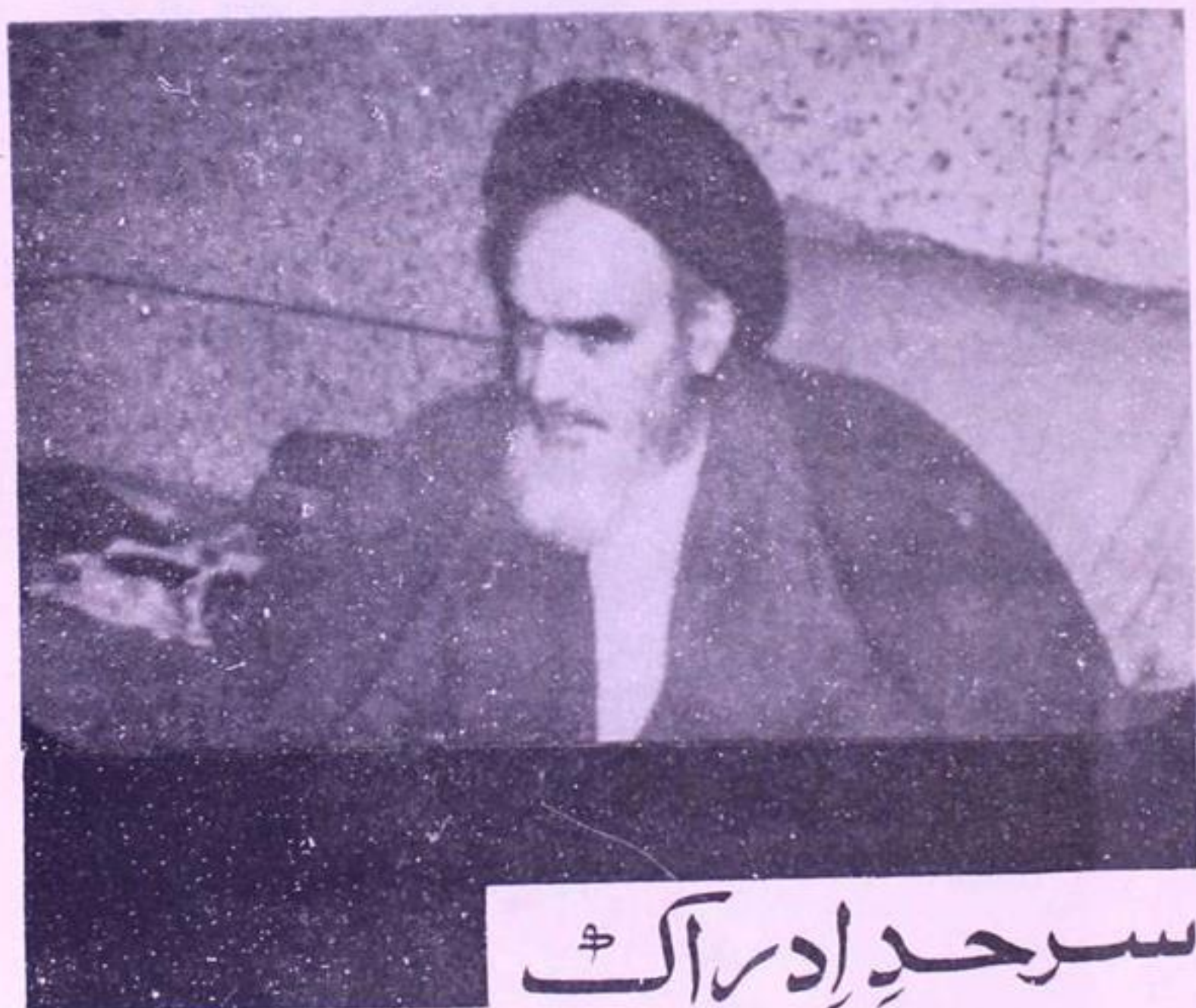
سرحدِ ادراک

(تفسیر سورۂ حمد)

تفسیر سورۂ حمد، امام امت آیت اللہ العظمیٰ خمینی طاب ثراہ کی غالباً آخری علمی تصنیف ہے جو اسلامی انقلاب کی کامیابی اور جمہوری اسلامی کی بنیاد گزاری کے بعد آپنے اپنے بعض احباب کے اصرار پر تحریر نہیں بلکہ تقریر فرمائی۔

اصل تفسیر فارسی زبان میں ہے۔ اُردو میں سب سے پہلے اس کا ترجمہ" جامعۃ المنتظر" لاہور سے شائع ہونے والے ایک ماہوار رسالے" الحوزہ" میں چھپنا شروع ہوا۔ لیکن چند شماروں کے بعد اس رسالے کی اشاعت رُک گئی اور اس کے ساتھ اس تفسیر کے ترجمے کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا

اس کے بعد اس کا ترجمہ پاکستان کے مشہور مذہبی اشاعتی ادارے" جامعہ تعلیمات اسلامی" نے ایک کتاب" سیر و سلوک" کے آخر میں ضم کر کے اُسی کتاب کے ایک حصہ کے طور پر شائع کیا۔ ہم یہاں اسی کتاب سے اخذ کر کے شائع کر رہے ہیں۔

(ادارہ)

آیت اللہ العظمیٰ امام خمینی

تفسیر کے معنی ہیں قرآن پر سے پردہ اٹھانا

مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں سورۂ حمد کی تفسیر کے بارے میں کچھ عرض کروں۔ بات یہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے ہم جیسے لوگ عہدہ برآ ہو سکیں۔ اسلامی تاریخ کے ہر دور میں درجۂ اول کے علماء نے جن میں اہل سنت بھی ہیں اور اہل تشیع بھی، اس موضوع پر بکثرت کتابیں لکھی ہیں لیکن ہر شخص نے اس علم کے لحاظ سے جس میں اسے مہارت تھی قرآن کریم کے صرف ایک پہلو کی تفسیر کی ہے اور معلوم نہیں کہ وہ پہلو بھی مکمل ہے یا نہیں مثلاً گزشتہ چودہ صدیوں میں عرفاء نے جو تفاسیر لکھی ہیں ـــــ جیسے محی الدین ابن عربی، عبدالرزاق کاشانی یا ملا سلطان علی ـــ ان سب نے عارفانہ انداز اختیار کیا ہے۔ انھوں نے بہت عمدہ تفاسیر لکھی ہیں اور جس فن میں انھیں تخصص حاصل تھا اس پر بھی خوب لکھا ہے مگر انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ قرآن نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے قرآن کے ایک حصہ پر سے پردہ اٹھایا ہے یا اس کے کچھ پہلو بیان کیے ہیں۔ ایسے ہی طنطاوی جوہری اور سید قطب وغیرہ ہیں۔ انھوں نے ایک جداگانہ طرز پر تفسیر کی ہے لیکن وہ بھی ہر معنی میں قرآن کی تفسیر نہیں ہے۔ بہت سے دوسرے مفسرین ہیں جن کا تعلق ان دونوں گروہوں سے نہیں ہے جیسے شیخ طبرسی جنکی مجمع البیان بہت عمدہ اور بلند پایہ تفسیر ہے۔ یہ تفسیر اہل سنت اور اہل تشیع کے اقوال کی جامع ہے۔ بہت سی دوسری تفسیریں بھی لکھی گئی ہیں مگر ان سب کا یہی حال ہے۔ قرآن مجید کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس کی ہم یا کوئی اور ایسی جامع تفسیر کر سکے جو تمام قرآنی علوم پر واقعی حاوی ہو کیونکہ کچھ ایسے علوم بھی ہیں جو ہماری سمجھ سے ماوراء ہیں۔ ہم تو کتاب اللہ کی صرف ایک شکل یا اس کا ایک پہلو سمجھ سکتے ہیں۔ باقی کے لیے ائمۂ اہلبیت علیہم السلام کی تفسیر کی ضرورت ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات کے اصل معلم تھے۔

کچھ دن سے ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے ہیں جو قطعاً تفسیر کے اہل نہیں ہیں۔ یہ لوگ اپنے مخصوص مقاصد کو قرآن وسنت سے منسوب کرنا چاہتے ہیں تعجب تو یہ ہے کہ بائیں بازو کا ایک گروہ اور کچھ کمیونسٹ بھی یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ قرآن سے علاقہ رکھتے ہیں لیکن وہ اپنے خاص مقاصد کے تحت ایسا ظاہر کرتے ہیں۔ تفسیر سے کیا، ان کا تو قرآن سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ لوگ اپنی بات جوانوں کے گلے سے یہ کہکر اتارنا چاہتے ہیں کہ یہی اسلام ہے۔

اسی بنا پر میں عرض کرونگا کہ جن لوگوں کو کافی علمی دستگاہ نہیں ہے اور جن نوجوانوں کو نہ اسلامی مسائل کا ادراک ہے اور نہ اسلام سے واقفیت ہے انھیں کوئی حق نہیں کہ وہ قرآن کی تفسیر میں دخل دیں اور اگر وہ اپنی کسی غرض کی بنا پر ایسا کرتے ہیں تو ہمارے نوجوانوں کو چاہیے کہ ان کی تفسیر کی طرف کوئی توجہ نہ کریں۔ اسلام میں تفسیر بالرائے ممنوع ہے۔ جو شخص اپنی رائے کو قرآن کے سر منڈھنا چاہتا ہے، وہ یا تو مادہ پرست ہے جو اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر اور تاویل کرتا ہے یا پھر ان لوگوں میں سے ہے جو قرآن کے کچھ روحانی معنی بیان کرتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ بھی اپنی رائے کے مطابق قرآن کی تاویل کرتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ ہم ہر لحاظ سے ان دونوں قسم کے لوگوں سے دوری اختیار کریں۔ قرآن کے بارے میں ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ کسی کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ اس کی جو بھی رائے ہو اُسے قرآن سے منسوب کر دے اور کہہ دے کہ یہی قرآن ہے یا قرآن یہی کہتا ہے۔

میں جو تفسیر بیان کر رہا ہوں وہ محض احتمالی ہے۔ چنانچہ اگر میں قرآن کریم کی بعض آیات کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں تو میں یہ نہیں کہونگا کہ ان آیات کا یہی مطلب ہے جو میں نے مراد لیا ہے یعنی میں احتمال کے طور پہ بات کروں گا نہ کہ جزم ویقین کے طور پہ لہٰذا میں یہ نہیں کہونگا کہ ان آیات کا مطلب یہی ہے اور کوئی مطلب نہیں ہے۔

چونکہ بعض حضرات نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ تفسیر سے متعلق کچھ گفتگو ہو جائے اس لیے میں نے یہ طے کیا ہے کہ ہفتہ میں ایک دن سورۂ مبارک حمد کے متعلق کچھ مختصر سی گفتگو کروں۔ میں ایک بار پھر اس بات کو دہراتا ہوں کہ یہ تفسیر قطعی نہیں ہے اور نہ اس کا مقصد تفسیر بالرائے ہے۔ جو کچھ ہم سمجھتے ہیں وہ بطور ایک احتمال کے ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ -

یہ ممکن ہے کہ قرآن کریم کی تمام سورتوں کے شروع میں جو بسم اللہ ہے اس کا تعلق ان آیات سے ہو جو اس کے بعد آتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس بسم اللہ کا تعلق مثلاً ایک معنی مقدّر (فعل محذوف) سے ہے لیکن غالب خیال یہ ہے کہ ان بسم اللہوں کا تعلق ان کے بعد آنے والی سورتوں سے مثلاً سورۃ الحمد میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا تعلق اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے ہے یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کے نام کے ساتھ کہ سب تعریف اسی کے لیے ہے۔ نام کیا چیز ہے؟ یہ کسی کو پہچاننے کے لیے ایک علامت ہے۔ جب انسان کسی شخص یا چیز کا کوئی نام رکھتا ہے تو وہ اس کی پہچان کے لیے علامت کے طور پہ کام آتا ہے۔ اگر کسی کا نام زید ہے تو وہ اس لیے ہے کہ لوگ سمجھ جائیں کہ زید کون ہے۔

اللہ کے نام اسکی ذات کی علامت ہیں

اللہ تعالیٰ کے نام بھی اس کی ذاتِ مقدس کی علامت ہیں۔ انسان جو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کا کچھ ناقص علم حاصل کر سکتا ہے وہ اس کے اسمائے حسنیٰ ہی کے ذریعے سے حاصل کر سکتا ہے ورنہ اس کی ذاتِ مقدس تک تو انسان کی رسائی ممکن ہی نہیں یہاں تک کہ خود خاتم النبیینؐ کی بھی وہاں تک رسائی نہیں ہے حالانکہ آپ اعلم البشر اور اشرف البشر ہیں۔ اس کی ذات کا مرتبہ سوائے اس کی ذاتِ پاک کے کوئی نہیں پہچانتا۔ انسان صرف اسمائے الٰہی تک ہی رسائی حاصل کر سکتا ہے۔
اسمائے الٰہی کے بھی مراتب ہیں بعض مراتب ہم سمجھ سکتے ہیں۔ بعض مراتب کا ادراک صرف اولیاء اللہ، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ان حضرات سے مخصوص ہے جو آپکی دی ہوئی تعلیم سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔

سارا عالم اللہ کا نام ہے

سارا جہان اللہ کا نام ہے کیونکہ نام علامت اور نشانی ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ سب موجوداتِ عالم حق تعالیٰ کی ذاتِ مقدس کی نشانی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کچھ لوگ اس بات کی گہرائی تک پہنچ جاتے ہیں کہ موجودات کس طرح نشانی ہیں جبکہ دوسرے لوگ اس بات کو صرف مجمل طور پہ سمجھ سکتے ہیں یعنی وہ اتنا جانتے ہیں کہ کوئی موجود خود بخود وجود میں نہیں آ سکتا۔

کوئی ممکن خود بخود وجود میں نہیں آتا

یہ ایک واضح عقلی مسئلہ ہے۔ ہر انسان کی عقل فطری طور پہ یہ جانتی ہے کہ جو موجود ایسا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ نہ ہو تو بھی ممکن ہے کہ اس کا وجود ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا وجود نہ ہو، لہٰذا ایسا ممکن الوجود یونہی خود بخود وجود میں نہیں آتا۔ ممکن کے لیے ضروری ہے کہ اس کے وجود کا سلسلہ ایک ایسے موجود تک پہنچے جو موجود بالذات ہو یعنی اس کا وجود اس سے سلب نہ ہو سکے۔ یہ موجود ازلی ہوگا اور اس کا وجود قابلِ سلب نہیں ہوگا۔ دوسری موجودات جو ایسی ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ موجود ہوں اور ہو سکتا ہے کہ موجود نہ ہوں اس بات کی محتاج ہیں کہ باہر سے کوئی ان کو وجود میں لائے۔ اگر ہم فرض کریں کہ یہ بالائی خلا — جو محض خیالی ہے اور جب کچھ نہیں ہے تو خیالی ہی ہے اور واقع میں اس کا کوئی وجود نہیں — ہمیشہ سے ہے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ خلا، جو محض خلا ہے، خود بخود کسی موجود شے میں بدل جائے یا کوئی شے ایسے ہی اس میں پیدا ہو جائے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ابتدا میں دنیا ایک لامتناہی خلا تھا (لامتناہی ہونے میں جو اشکال ہے وہ اپنی جگہ ہے) اور بعد میں اس کے اندر ایک طرح کی ہوا یا بھاپ پیدا ہوئی اور اسی بھاپ سے دنیا کی ہر چیز پیدا ہو گئی تو یہ بات بالکل خلافِ عقل ہے کہ کوئی چیز بغیر کسی خارجی سبب یا علت کے از خود کسی دوسری چیز میں بدل جائے۔ جو چیز کسی دوسری چیز میں بدلتی ہے اس کے لیے کوئی خارجی علت ضرور موجود ہوتی ہے ورنہ کوئی شے خود بخود کچھ اور نہیں بن جاتی مثلاً برف جمتی ہے تو اس کے لیے کوئی خارجی

علت ضروری ہے جس کی وجہ سے پانی برف بن کر جم جائے یا پانی اُبلتا ہے تو اسکے لیے بھی کوئی خارجی علت ضروری ہے۔ اگر پانی کا درجہ حرارت نہ صفر سے نیچے ہو اور نہ صفر سے اوپر تو ابد تک پانی ہی رہے گا۔ اس میں تبدیلی کے لیے کوئی خارجی علت ضروری ہے۔ یہ اجمالی بیان ہوا اس کا کہ ہر معلول کے لیے ایک علت ضروری ہے اور ہر ممکن کسی علت کا محتاج ہے۔

جو شخص ذرا غور و فکر سے کام لے گا وہ یہ مان لے گا کہ جو چیز ایسی ہے کہ وہ ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی ہو سکتی وہ (چیز) نہ خود بخود ہوتی ہے اور نہ خود بخود نہیں ہوتی۔ "نہ ہونا" کوئی چیز نہیں ہے کہ اس کے لیے بھی کسی علت کی ضرورت ہو۔ نہ یہ ممکن ہے کہ کوئی چیز علت کے بغیر کسی دوسری چیز میں بدل جائے اور نہ کوئی چیز بغیر علت کے وجود میں آسکتی ہے۔ یہ سب باتیں بدیہیات میں سے ہیں۔

موجودات' اللہ کی نشانی ہیں

اتنی بات تو اجمالی طور پر سب کی عقل میں آسکتی ہے کہ سب موجوداتِ عالم' اللہ کا نام اور اللہ کی نشانی ہیں اور پورا جہان ہی اسمائے الٰہی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ یہاں کچھ نام رکھنے کا سوال نہیں ہے۔ یہ ایسی بات نہیں کہ جیسے فرض کیجیے کہ ہم کسی کو چراغ سمجھانا چاہتے ہیں تو اس کا نام لے دیتے ہیں چراغ یا ایسے ہی موٹر یا انسان یا زید۔ یہ بات ایک ایسی ذات کے متعلق نہیں کہی جاسکتی جو اپنے تمام اوصافِ کمال میں لامتناہی اور غیر محدود ہے۔

جو موجود محدود ہو وہ ممکن الوجود ہوتا ہے

اگر موجود محدود ہو تو وہ ممکن ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی موجودیت کی کوئی حد نہیں اس لیے اسے عقلاً تمام کمالات سے متصف ہونا چاہیے کیونکہ اگر ایک بھی کمال کم ہو تو وہ محدود ہو جائیگا اور محدود ہوا تو ممکن ہوگیا۔ ممکن اور واجب میں یہی فرق ہے کہ واجب ہر لحاظ سے لامتناہی اور موجودِ مطلق ہوتا ہے۔ باقی چیزیں متناہی اور محدود ہیں۔ اگر واجب میں تمام اوصاف لامتناہی اور غیر محدود نہ ہوں تو واجب پھر واجب نہیں رہے گا ممکن ہو جائیگا۔ واجب ایسا موجود ہے جو ایجاد اور وجود کا سرچشمہ ہے۔ وہ سب موجودات جو اس سرچشمہ سے وجود میں آئینگی' وہ بھی ان تمام صفات کی جامع ہونگی جو واجب میں پائی جاتی ہیں لیکن کچھ کمی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ یہ کہ ان موجودات کے بھی مختلف درجے ہیں۔ اعلیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ موجود میں جہاں تک ممکن ہے حق تعالیٰ کی سب صفات پائی جائیں اس حد تک کہ گویا وہ موجود بھی واجب ہے۔ ایسے ہی موجود کو اسمِ اعظم کہتے ہیں۔

اسمِ اعظم کیا ہے

اسمِ اعظم وہ نام اور وہ علامت ہے جس میں ایک طرح سے حق تعالےٰ کے سب کمالات پائے جائیں گو ناقص طور پر یعنی اس حد تک جس حد تک ایسا ہونا ممکن ہے۔ دوسری موجودات کے مقابلے میں اس میں سب کمالاتِ الٰہی کامل طور پر ہوتے ہیں۔ دوسری موجودات میں بھی جو اسمِ اعظم کے بعد آتی ہیں کمالات پائے جاتے ہیں لیکن صرف ان کی حیثیت اور ظرف کے مطابق یہاں تک کہ وہ مادی موجودات آجاتی ہیں جن کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ وہ ہر کمال سے خالی ہیں۔ ان میں نہ علم ہے اور نہ قدرت لیکن ایسا نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی علم و ادراک سے خالی نہیں ہیں۔

سب موجودات تسبیح کرتی ہیں

چونکہ ہم حجاب میں ہیں اس لیے ہم اس کا ادراک نہیں کر سکتے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان موجودات میں بھی جو انسان اور حیوان سے کمتر اور ناقص ہیں سارے کمالات کا عکس پایا جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ ان میں یہ کمالات ان کے وجود کے ظرف کے مطابق ہوتے ہیں یہاں تک کہ ادنیٰ ترین مخلوقات میں بھی انسان کی طرح ادراک کی صفت موجود ہے۔ قرآن پاک میں ہے: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ کوئی چیز ایسی نہیں جو خدا کی تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم انکی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ (سورۂ بنی اسرائیل۔ آیت ۴۴)

چونکہ ہم حجاب میں ہیں اور موجودات کی تسبیح کو نہیں سمجھتے اس لیے قدیم علماء کو یہ معلوم نہیں تھا کہ موجودِ ناقص میں بھی ادراک ہو سکتا ہے' چنانچہ انھوں نے اس تسبیح کو تکوینی تسبیح پر محمول کیا حالانکہ اس آیت کا تکوینی تسبیح سے کوئی تعلق نہیں۔ تکوینی تسبیح کے متعلق ہمیں معلوم ہے مگر یہاں تکوینی تسبیح کا ذکر نہیں ہے۔ بہرحال بات یہ ہے کہ سب موجودات تسبیح کرتی ہیں مثلاً اس سنگریزی کی تسبیح کے قصہ میں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک میں تھی لوگوں نے اس کی تسبیح سنی تھی اور انھیں معلوم بھی ہوا

تھا کہ وہ تسبیح کیا تھی۔ وہ ایسی تسبیح تھی جس سے ہمارے تمہارے کان ناآشنا ہیں۔ یہ تسبیح ایک بولی ہے لیکن ہماری بولی نہیں بلکہ ان کی اپنی بولی ہے۔ ان میں بھی ادراک ہے البتہ یہ کہ ان کا ادراک ان کے اپنے ظرفِ وجودی کے مطابق ہے۔ اونچے درجے کی مخلوق جو اپنے آپ کو ہر قسم کے ادراک کا سرچشمہ سمجھتی ہے اس کا خیال ہے کہ دوسری موجودات ادراک سے عاری ہیں۔ یہ بات نہیں ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ ادراک کا یہ درجہ جو اسے حاصل ہے دوسری موجودات کو حاصل نہیں ہے۔ چونکہ ہم حجاب میں ہیں اس لیے ہمیں ان کے ادراک اور تسبیح کا علم نہیں اور چونکہ ہمیں علم نہیں اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ بات ہی کچھ نہیں۔

ایسی بہت سی چیزیں ہیں جن کا ہمیں علم نہیں

بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے متعلق انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ان کا وجود نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا وجود ہے اگرچہ ہم ان سے ناواقف ہیں۔ آج بھی نئے نئے انکشافات ہو رہے ہیں مثلاً سب کا خیال تھا کہ نباتات بے جان ہیں لیکن اب کہا جا رہا ہے کہ ان میں سماعت کا نظام ہے اور اگر گرم پانی میں درخت کے ریشوں کو رکھ کر آواز گزاری جائے تو ردِعمل ہوتا ہے اور جوابی آوازیں آتی ہیں۔

مجھے معلوم نہیں کہ یہ سچ ہے یا جھوٹ لیکن یہ تو صحیح ہے کہ یہ دنیا طرح طرح کی آوازوں سے بھری ہوئی ہے۔ سارا عالم زندہ ہے اور اللہ کا نام ہے۔ سب اللہ کا نام ہیں۔ ہر چیز اللہ کا نام ہے۔ آپ خود اسمائے الٰہی ہیں۔ آپ کی زبان بھی اسمائے الٰہی میں سے ہے۔ آپ کے ہاتھ بھی اسمائے الٰہی ہیں۔

تمام حرکات اسمائے الٰہی ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، آپ خدا کی جو حمد کرتے ہیں وہ بھی اسم الٰہی ہے۔ آپ جو بھی حرکت کرتے ہیں وہ بھی اسم الٰہی ہے۔ گھر سے پاؤں دھو کر آپ مسجد جاتے ہیں تو اللہ کے نام کے ساتھ جاتے ہیں۔ آپ اللہ کے نام کو اپنے سے جدا نہیں کر سکتے کیونکہ آپ خود اسم اللہ ہیں۔ آپ کے دل کی دھڑکن بھی اسم اللہ ہے۔ آپ کی نبض کی جنبش بھی اسم اللہ ہے۔ یہ ہوائیں جو چلتی ہیں سب اللہ کا نام ہیں۔ اس آیتِ مبارکہ میں شاید یہی معنی مراد ہوں۔ اس کے علاوہ بھی متعدد آیات میں آیا ہے کہ اللہ کے نام کے ساتھ فلاں بات ــــ بات اللہ کے نام کی ہے اور ہر چیز اللہ کا نام ہے یعنی حق ہے اور اسم الٰہی ہے۔ سب کچھ وہی ہے۔ اسم فنائی المسمّٰی ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا بھی کوئی مستقل وجود ہے، ہم بھی کوئی چیز ہیں لیکن حقیقت یہ نہیں ہے۔ اگر وہ ذات جس نے اپنے ارادے اور اپنی تجلّی کی شعاعوں سے سب موجودات کو وجود بخشا ہے ایک آن، ایک پل کے لیے بھی اپنی تجلّی اٹھا لے تو سب موجودات نیست و نابود ہو جائیں اپنی حالتِ وجودی سے خارج ہو کر اپنی سابقہ حالت پر لوٹ جائیں کیونکہ ان کے وجود کی بقا کا دارومدار بھی اسی تجلّی پر ہے۔ حق تعالٰی نے اپنی تجلّی سے سارے عالم کو پیدا کیا ہے اور یہی تجلّی اور نور وجود کی اصلی حقیقت ہے، اسم اللہ ہے۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ یعنی اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ ہر چیز میں اس کا نور ہے۔ ہر چیز کا ظہور اس کے نور سے ہے۔ یہ ظہور خود نور ہے۔ انسان کا ظہور بھی نور ہے اس لیے انسان بھی نور ہے۔ اسی طرح حیوانات بھی نور ہیں۔ سب مخلوقات نور ہیں۔ سب اللہ کا نور ہیں۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمانوں اور زمین کا وجود جو ایک نور ہے، اللہ کی طرف سے ہے

یہ نور اس طرح فنائی اللہ ہے کہ یہ کہا ہے کہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ یہ نہیں کہا کہ بِاللّٰهِ یَتَنَوَّرُ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ آسمان اور زمین اللہ کے نور سے منور ہیں۔ بات یہ ہے کہ آسمان و زمین سب ہیچ ہیں۔ ہماری دنیا میں کوئی ایسا موجود نہیں جس کا کسی طرح سے مستقل وجود ہو۔ مستقل وجود کے معنی یہ ہیں کہ وہ حدِ امکان سے خارج ہو کر وجوب کے درجے تک پہنچ جائے حالانکہ اصل میں حق تعالیٰ کے سوا کسی موجود کا وجود نہیں اس لیے فرمایا ہے بِسْمِ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، بِسْمِ اللّٰهِ، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ شاید یہاں مراد یہ نہیں ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہو بلکہ ایک واقعہ کا بیان ہے اور وہ واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے نام سے کہو سے مراد یہ ہے کہ تمہارا یہ کہنا بھی اللہ کا نام ہے۔ ارشاد ہوا ہے یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ نہیں کہا جس کا مطلب ہوتا کہ ہر شخص تسبیح کرتا ہے۔

آسمان و زمین میں جو کچھ ہے، وہ سب اللہ کے نام سے تسبیح کرتی ہیں کیونکہ سب اسی کا جلوہ ہیں۔ سب موجودات کا وجود اسی کے جلوے

سے ہے۔ جو حرکت بھی ہوتی ہے اسی جلوے سے ہوتی ہے۔

دنیا کی تمام چیزیں اسی کا جلوہ ہیں

دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اسی کے جلوے سے ہوتا ہے۔ سب کام اور سب چیزیں اسی کی طرف سے ہیں اور اسی کی طرف لوٹتی ہیں۔ کسی مخلوق کے پاس اپنی خود کی کوئی چیز نہیں۔ خود کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ اگر کوئی کھڑا ہو کر یہ کہتا ہے کہ: میرے خود کے پاس کوئی چیز ہے تو اس کے معنی سرچشمۂ نور کے ساتھ مقابلے کے ہیں۔ میرے اپنے پاس بھی کچھ ہے" اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ میری ہستی میری اپنی ہے حالانکہ جب تمہارا وجود تمہارے اپنے پاس ہے جب بھی تمہارا نہیں۔ یہ آنکھ جو تمہارے پاس ہے یہ بھی تمہاری نہیں۔ یہ آنکھ اسی کے جلوے سے وجود میں آئی ہے۔ یہ حمد و ثنا و جو ہم کرتے ہیں یا اور لوگ کرتے ہیں' یہ سب اسم الٰہی ہے یا اسم الٰہی کی وجہ سے ہے۔ اسی لیے فرمایا: بِسْمِ اللّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

اللہ جامع جلوہ ہے

لفظ اللہ حق تعالیٰ کا ایسا جامع جلوہ ہے جس میں سب جلوے شامل ہیں۔ رحمان و رحیم اسی جلوے کے جلوے ہیں۔

رحمان نے اپنی رحمت و رحمانیت سے تمام موجودات کو وجود بخشا ہے۔ یہ رحمت ہے۔ وجود خود رحمت ہے حتیٰ کہ وہ وجود بھی سراپا رحمت ہے جو موذی موجودات کو عطا کیا گیا ہے۔ اسی کی وسیع رحمت تمام موجودات پر سایہ فگن ہے یعنی سب مخلوقات عین رحمت ہیں۔ اللہ کے نام سے ہی وہ جلوہ ہے جو ہر معنی میں جلوہ ہے۔

اللہ ایک مقام ہے جس سے پورے معنی میں جلوے کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ ایک جامع نام ہے۔ ایک ایسا نام ہے جو خود جلوہ ہے ورنہ حق تعالیٰ کی ذات ہی اس کا نام ہے۔ لَا اِسْمَ لَہٗ وَلَا رِسْمَ۔ اس کی ذات سے الگ اس کا نہ کوئی نام ہے نہ نشان۔ اس کے نام اللہ، رحمان، رحیم سب اس کے جلوے ہیں۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو ایسا نام ہے کہ اس سے سب کمالات کا ظہور ہوتا ہے رحمان اور رحیم کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یہ رحمت، رحمانیت اور رحیمیت پر دلالت کرتے ہیں۔ غضب اور انتقام کی صفات بالذات نہیں ہیں بلکہ ان صفات کی تابع ہیں جبکہ رحمت، رحمانیت اور رحیمیت بالذات ہیں۔ دوسری صفات ان کے تابع ہیں۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اللہ، رحمان اور رحیم کے نام کے ساتھ سب تعریف اللہ کے لیے ہے۔ دنیا میں جس کمال کی بھی تعریف و ستائش ہوتی ہے وہ اسی کی حمد

بن جاتی ہے۔ آدمی کوئی کھانا کھاتا ہے تو اس کی تعریف کرتا ہے کہ کیا مزیدار کھانا تھا۔ اگرچہ آدمی خود نہیں سمجھتا لیکن یہ دراصل خدا کی تعریف ہے۔ آدمی کسی دوسرے کے متعلق کہتا ہے کہ وہ کتنا اچھا آدمی ہے، کتنا بڑا فلسفی اور عالم ہے۔ یہ بھی خدا ہی کی حمد و ثنا ہے کیونکہ فلسفی اور عالم کا اپنا کچھ نہیں ہے، جو کچھ بھی ہے خدا کا جلوہ ہی ہے۔ جس نے اس بات کو سمجھا اور عقل سے سمجھا" وہ بھی اور اس کی عقل بھی دونوں خدا کا جلوہ ہیں۔

کوئی تعریف کسی اور کی تعریف نہیں ہے

کوئی تعریف غیر اللہ کی نہیں ہوتی کیونکہ ہم جب بھی کسی کی تعریف کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس میں یہ خوبی ہے۔ یہ اچھائی ہے۔ نہ ہونے کی تو تعریف نہیں کی جاتی اور جو کچھ بھی ہے اسی کا ہے۔ جس بات کی بھی تعریف کی جائے اسی کی تعریف ہے۔ جو حمد و ثنا کی جائے گی وہ اسی کی ہوگی۔ اَلْحَمْدُ کے معنی ہیں سب تعریفیں۔ جو کچھ بھی تعریف ہے درحقیقت خدا کی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ زید کی تعریف کر رہے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ عمرو کی تعریف کر رہے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ سورج کی روشنی یا چاند کی چاندنی کی تعریف کر رہے ہیں لیکن ہم حجاب میں ہیں' ہم نہیں جانتے کیونکہ حقیقت ہم سے پوشیدہ ہے۔

جب پردہ اٹھے گا تو ہم دیکھیں گے کہ سب تعریفیں اسی کے لیے ہیں۔ یہ اسی کا جلوہ ہے کہ ہم اس کی تعریف کر رہے ہیں۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی ہر خوبی اسی کی ہے۔ سب کمالات اسی کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ سب اسی کا جلوہ ہے یا یوں کہیے کہ سارے عالم کا جلوہ اسی سے ہے اور سارا عالم اسی کا جلوہ ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم کچھ کر رہے ہیں۔ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی "جب آپ نے (کنکریاں) پھینکیں تو آپ نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکیں" آپ نے پھینکیں اور آپ نے نہیں پھینکیں کیونکہ پھینکنا بھی ایک اور پھینکنے کا جلوہ ہے اور پھینکنا خود بھی ایک جلوہ ہے لٰکِنْ مَا رَمَیْتَ جلوہ ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ رَمٰی کا۔

ایک اور آیت ہے : جن لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی انہوں نے اللہ سے بیعت کی۔ یہ ہاتھ بھی خدا کا جلوہ ہے۔ ہم چونکہ حجاب میں ہیں اس لیے اس حقیقت سے ناواقف ہیں۔ ہم سب حجاب میں ہیں سوائے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جن کو اللہ نے تعلیم دی اور ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعلیم سے مستفیض ہوئے۔

یہ ایک احتمال ہے کہ شاید 'باسم' کا تعلق 'الحمد' سے ہو یعنی خدا کے نام کے ساتھ سب تعریفیں اللہ کی ہیں۔ یہ خدا کا جلوہ ہے جو سب تعریفوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور کوئی تعریف کسی غیر کی تعریف نہیں ہونے پاتی۔ کوئی کتنی ہی غیر کی تعریفیں کرے ہر تعریف اسی کی ہوگی۔ کتنا ہی غور کیجیے، آپ غیر کا کہیں پتا نہیں پائیں گے اور کتنا ہی زور لگائیے کہ غیر کے متعلق کچھ بات کیجیے تو نہیں کر سکیں گے کیونکہ غیر از خدا تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔ جو کچھ آپ کہیں گے وہ اسی کے متعلق ہوگا۔ نقائص معدوم ہیں۔ جو چیز وجود میں آتی ہے اس کے دو پہلو ہوتے ہیں : ایک وجودی پہلو، دوسرا نقص یا 'لا' کا پہلو۔ وجودی پہلو نور ہے جس میں کوئی نقص نہیں ہوتا اور وہ نقائص سے پاک ہوتا ہے۔ نقص اس سے نہیں ہے لا اس سے نہیں ہے۔ تعریف ہمیشہ "ہے" کی ہوتی ہے "نہیں" کی نہیں ہوتی۔

تعریف ہمیشہ وجود، ہستی اور کمال کی ہوا کرتی ہے، کمال کا اس دنیا میں کہیں وجود نہیں ہے۔ صرف ایک ہی کمال ہے اور وہ اللہ کا کمال ہے۔ جمال بھی صرف اللہ کا جمال ہے۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اس حقیقت کو سمجھیں اور اپنے دل کو سمجھائیں۔ اگر ہم یہی ایک بات دل کو سمجھا سکیں تو پھر کوئی بات ہی نہ ہو۔ بات کرنا آسان ہے لیکن قابلِ فہم بات کا بھی دل کو اس طرح سمجھانا کہ اسے یقین آجائے مشکل ہے۔ کبھی آدمی محض زبان سے کہتا ہے کہ جہنمی ہے، جنتی ہے۔ کبھی اس کو اس کا یقین بھی ہوتا ہے۔

یقین کرنا اور ہے اور علمی اعتقاد اور ہے

دل سے یقین کرنا علمی اعتقاد سے مختلف چیز ہے۔ علمی دلائل سے کسی بات کا ثابت ہونا ایک الگ بات ہے اور اس کا واقعی دل میں جم جانا بالکل الگ بات۔ انبیاء علیہم السلام کی عصمت کا راز اسی مکمل یقین میں پوشیدہ ہے۔ جب کسی بات کا یقین آگیا تو پھر اس کے خلاف عمل ممکن ہی نہیں رہا۔ اگر آپ کو اس بات کا پختہ یقین ہو کہ ایک آدمی تلوار سونتے ہوئے آپ کے سر پہ کھڑا ہے کہ اگر آپ نے اس کے خلاف

کوئی لفظ کہا تو وہ آپ کی گردن مار دیگا تو چونکہ آپ کو اپنی جان عزیز ہے اس لیے اس کا امکان ہی نہیں کہ آپ اس کے خلاف زبان ہلائیں گے۔ گویا آپ اس معاملے کی حد تک معصوم ہو گئے۔ جس کو اس کا یقین آگیا کہ اگر اس نے چغلی کھائی تو یہ چغلی اسے ایک ایسے بھیانک جانور کی شکل بنکر کھلنے لگے گی جس کی زبان اتنی لمبی ہوگی کہ جہاں وہ ہے وہاں سے لیکر جہاں وہ شخص ہے جس کی غیبت کی گئی وہاں تک پہنچے گی تو وہ کبھی غیبت نہیں کریگا۔ اگر کسی کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ غیبت اِدَامُ کِلَابِ النَّارِ یعنی جہنم کے کتوں کی غذا ہے اور غیبت کرنے والے کو جہنم کے کتے نگلیں گے اور نگلتے ہی رہیں گے اور نگلنا کبھی ختم نہیں ہوگا تو وہ ہرگز غیبت نہیں کریگا۔ یہ جو ہم کبھی کبھی کسی کی غیبت کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم ان باتوں کو پوری طرح دل سے نہیں مانتے۔

اعمال و افعال ٹھوس شکل اختیار کرلیں گے

اگر آدمی کو اس کا یقین ہو جائے کہ جو کام بھی وہ اس دنیا میں کرتا ہے وہ سب اگلی دنیا میں مجسم صورت اختیار کرلیں گے ۔۔۔ اگر اچھے اعمال ہیں تو ان کی اچھی صورت ہوگی اور اگر برے اعمال ہیں تو ان کی بری صورت ہوگی اور ہر چیز کا حساب دینا ہوگا ۔۔۔ تو وہ برے کام بھول کر بھی نہ کرے۔ اس معاملے کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ بس اتنا کافی ہے کہ ہر کام کا محاسبہ ہوگا۔

چنانچہ اگر کوئی غیبت کریگا تو وہاں اس کا محاسبہ ہوگا اور سزا ملیگی۔ اگر مومنین کو ایذا دیگا تو جہنم میں جائیگا اور اگر خیرات و مبرات اسکے نامۂ اعمال میں ہونگی تو بہشت ملیگی۔ اس کا یقین آجانے کی بات ہے۔ صرف کتاب میں پڑھ لینا اور عقلی طور پر سمجھ لینا کافی نہیں کیونکہ عقلی ادراک اور قلبی یقین ایک دوسرے سے بہت دور اور مختلف ہیں۔ قلب سے میری مراد یہ قلب نہیں بلکہ قلبِ حقیقی ہے۔

مان لینے اور عقلی طور پر سمجھ لینے میں فرق ہے

بسا اوقات آدمی کسی بات کو سمجھتا اور جانتا ہے لیکن چونکہ اسے

اس بات پر پختہ یقین نہیں ہوتا اس لیے وہ اس کے مطابق عمل نہیں کرتا۔ جب بات دل میں پوری طرح بیٹھ جاتی ہے تو عمل کرنے لگتا ہے۔

ایمان اسی یقینِ محکم کا نام ہے۔ پیغمبر کے متعلق علم ہونے سے فائدہ نہیں ہوتا۔ پیغمبر پر ایمان لانے سے فائدہ ہوتا ہے۔ باری تعالیٰ کے وجود پر دلائل قائم کرنا کافی نہیں ہے بلکہ اس کی ذات پر ایمان ضروری ہے یعنی پختہ یقین رکھنا اور دل کو اس کے تابعِ فرمان کرنا۔ بخدا اگر ایمان ہو تو سب باتیں خود بخود ہو جاتی ہیں۔

اگر آدمی کو یقین ہو جائے کہ ایک ذات اس عالم کا سرچشمہ ہے، آدمی سے بازپرس ضرور ہوگی۔ مرنے کے بعد آدمی فنا نہیں ہو جائیگا کیونکہ مرنے کے معنی ہیں ایک ناقص درجے سے درجۂ کمال کی طرف منتقل ہونا۔ اگر آدمی کو اس کا یقین ہو جائے تو وہ تمام لغزشوں سے بچ جائے۔

سوال صرف یہ ہے کہ یہ یقین کس طرح آئے؟ اس آیت کریمہ میں جو فرمایا گیا ہے بِسْمِ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اللہ کے نام سے سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں تو اس کے ایک پہلو کے متعلق میں عرض کر چکا ہوں۔ پھر کہتا ہوں کہ میں یقین سے نہیں کہتا لیکن احتمال یہ ہے کہ اگر آدمی کو یقین آجائے کہ سب تعریفیں اسی کی ہیں تو اس کے دل میں شرک کا خیال ہی نہ آئے کیونکہ جو کوئی کسی کی تعریف کرتا ہے وہ خدا کے جلوے کی تعریف ہوتی ہے۔

اگر کوئی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا حضرت امیر علیہ السلام کی شان میں قصیدہ کہتا ہے یا کہنا چاہتا ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ قصیدہ خدا کے لیے ہے کیونکہ پیغمبر اسلامؐ اور حضرت امیرؑ خدا کا عظیم جلوہ ہیں اور چونکہ آپ خدا کا جلوہ ہیں اس لیے آپ کی مدح خدا کی مدح اور اس کے جلوے کی مدح ہے۔ اگر آدمی کو یقین ہو کہ سب تعریفیں اللہ ہی کی ہیں تو وہ خودنمائی چھوڑ دے۔ یہ جو آدمی اس قدر شیخی بگھارتا ہے اور غرور کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو نہیں پہچانتا۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا، اس نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا۔

آدمی نہیں جانتا کہ وہ خود کچھ نہیں۔ اگر وہ یہ سمجھ لے اور اسے یقین ہو جائے کہ جو کچھ ہے خدا کا ہے تو وہ اپنے پروردگار کو پہچانتا ہے۔

بات یہ ہے کہ ہم نہ خود کو پہچانتے ہیں نہ خدا کو، نہ ہمیں اپنے آپ پر ایمان ہے نہ خدا پر۔ نہ ہمیں یہ یقین ہے کہ ہم کچھ نہیں ہیں اور نہ ہمیں یہ یقین ہے کہ جو کچھ ہے سب خدا کا ہے۔ جب یہ یقین نہ ہو تو خدا کے وجود کے جتنے بھی دلائل دیے جائیں سب بیکار ہیں۔ انانیت ہر کام میں شامل ہے اور یہ کہ میں کیا ہوں اور تم کیا ہو۔ ریاست و

زعامت کے یہ دعوے انانیت ہی کی وجہ سے ہیں۔ یہ انانیت اسی وقت ہوتی ہے جب آدمی خود بین ہوتا ہے۔

انسان پر سب مصیبتیں حبِ نفس کی وجہ سے آتی ہیں

انسان پر جو مصیبتیں آتی ہیں حبِ نفس کی وجہ سے آتی ہیں کیونکہ آدمی اپنی ذات سے محبت کرتا ہے حالانکہ اگر وہ غور کرے اور سمجھے تو اس کی ذات کوئی چیز نہیں، یہ دوسرے کی چیز ہے، اس لیے حبِ نفس درحقیقت حبِ غیر ہے۔ غلطی سے اس کا نام حبِ نفس رکھ دیا گیا ہے یہی غلطی آدمی کو خراب کرتی ہے۔ جو تکلیفیں ہم سب پر آتی ہیں ان کی اصل وجہ یہی حبِ نفس اور حبِ جاہ ہے۔ حبِ جاہ ہی ہے جو انسان کو قتل کراتی ہے، اس کو فنا کے گھاٹ اتار دیتی ہے اور جہنم میں لیجاتی ہے۔

حبِ نفس اور حبِ جاہ رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ یعنی ہر لغزش اور برائی کی جڑ ہیں۔ جب انسان خود بین و خود پسند ہو جاتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ ہر چیز پر خود ہی قبضہ کرے اور غلط یا صحیح جس کو اپنے راستے میں رکاوٹ سمجھتا ہے اس کا دشمن ہو جاتا ہے۔ وہ ہر بات اپنے ہی لیے چاہتا ہے اور کسی طرح کی حدود و قیود کا قائل نہیں رہتا۔ یہی بات سب مصیبتوں اور تکلیفوں کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔

سب تعریفیں اسی کی ہیں

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کتاب الٰہی کی ابتداء ایک ایسے مضمون سے ہوئی ہے جو تمام مسائل پر حاوی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سب تعریفیں اللہ کی ہیں تو شاید سب ہی مسائل سامنے آجاتے ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ کچھ تعریفیں اللہ کی ہیں۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے لیکن میں تعریف تمہاری کر رہا ہوں خدا کی نہیں، جب بھی سب تعریفیں اللہ ہی کی ہیں۔

جب یہ فرمایا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تعریف کی سب

اقسام ہر لحاظ سے اللہ کی ہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ کسی اور کی تعریف کر رہے ہو۔ یہی ایک آیت تمام مسائل پر سے پردہ اٹھا دیتی ہے۔ اگر اسی ایک آیت پر آدمی کو پورا یقین ہو۔ واضح رہے کہ بات یقین کی ہے — تو یہی ایک کلمہ انسان کے قلب کو ہر طرح کے شرک سے پاک کرنے کے لیے کافی ہے۔ جس نے یہ کہا ہے کہ میں نے شروع سے آخر عمر تک کسی طرح کا شرک نہیں کیا تو اس کے ایسا کہنے کی وجہ یہی ہے کہ اس نے اپنے وجدان سے اس حقیقت کو معلوم کر لیا اور یہ حقیقت اس کے ضمیر میں جاگزیں ہو گئی ہے۔ دلیل اور برہان سے یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی۔ دلیل اپنی جگہ اچھی چیز ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ دلیل اچھی چیز نہیں۔ اس کی بھی ضرورت ہے لیکن دلیل محض ایک ذریعہ ہے کسی مسئلے کو اپنی عقل کے مطابق سمجھ لینے کا۔ پہلے سمجھیے اور پھر کوشش کر کے اس پر ایمان لے آیئے۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود

فلسفہ محض ذریعہ ہے، مقصد نہیں۔ یہ مسائل و معارف کو عقلی طور پر دلائل سے سمجھ لینے کا ایک ذریعہ ہے۔ دلائل کا کام صرف اتنا ہی ہے کہ بات عقل میں آجائے۔ "پائے استدلالیاں چوبیں بود" کا مطلب یہی ہے کہ دلائل لکڑی کے پاؤں ہیں۔ وہ پاؤں جن سے آدمی واقعی راستا طے تو کر سکتا ہے لیکن وہ پاؤں جن سے آدمی واقعاً راستا طے کر سکے اور جلوۂ الٰہی کو دیکھے وہ ایمان ہے۔ وہ ایمان جو انسان کے دل میں جاگزیں ہو جائے اور وہ وجدان اور ذوق ہے جو ایمان کا سبب بنے۔ یہ رتبہ بھی ایک ادنیٰ درجہ ہے۔ اس سے اونچے درجے بھی ہیں۔

امید ہے کہ انشاء اللہ ہم صرف قرآن کی تلاوت اور اس کی تفسیر پڑھنے پر اکتفا نہیں کریں گے بلکہ ہر مسئلے اور قرآن کے ہر لفظ پر مکمل یقین رکھیں گے۔ یہ وہ کتاب ہے جو آدمی کی اصلاح کرتی اور اسے ایسا موجود بنانا چاہتی ہے جسے خدا نے خود ایجاد کیا ہے اور اسم اعظم سے ایجاد کیا ہے۔ اللہ نے آدمی کو سب کچھ دیا ہے مگر اس کی صلاحیتیں پوشیدہ ہیں۔ قرآن چاہتا ہے کہ آدمی کو اس ناقص درجے سے اٹھا کر اس اعلیٰ درجے تک پہنچا دے جو اس کے لیے مناسب ہے۔ قرآن اسی لیے آیا ہے۔ سب انبیاء و رسل اسی لیے آئے ہیں کہ انسان کی دستگیری کریں، اسے نفسانیت کے عمیق ترین کنوئیں سے نکالیں جس میں وہ گرا ہوا ہے اور اسے جلوۂ حق دکھائیں تاکہ وہ حق کے سوا سب کچھ بھول جائے۔ خدا کرے کہ اس کے فضل سے یہ نعمت ہمیں بھی نصیب ہو۔

ایک سورت کی بسم اللہ دوسری سورت کی بسم اللہ سے مختلف ہے

بات یہ ہو رہی تھی کہ بسم اللہ میں جار و مجرور کا تعلق کس لفظ سے ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ ایک احتمال یہ ہے کہ ہر سورت کی بسم اللہ کا تعلق اسی سورت کے کسی مناسب لفظ سے ہو جیسے سورۂ الحمد میں حمد سے بِسْمِ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے معنی یہ ہوئے کہ: اللہ کے نام سے، سب تعریف اللہ کی ہے۔ اس احتمال کی بنا پر ہر سورت میں بسم اللہ کے معنی مختلف ہوں گے کیونکہ ہر سورت میں بسم اللہ کا تعلق اسی سورت کے کسی مناسب لفظ سے ہوگا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ سورۂ الحمد میں بسم اللہ کا تعلق حمد سے ہے تو پھر دیکھنا یہ ہوگا کہ وہ کونسا اسم ہے جو ذاتِ حق سے ذاتِ حق کے لیے ظاہر ہوتا ہے اور اس اسم سے حمد واقع ہوتی ہے۔ اسی طرح کسی دوسری سورت مثلاً سورۂ اخلاص میں دیکھنا ہوگا کہ اس سورت میں وہ کونسا اسم ہے جو بِسْمِ اللّٰهِ کے مناسب ہے۔ فقہ میں بھی یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی نے کسی سورت کے ساتھ بسم اللہ پڑھی اور پھر کوئی دوسری سورت پڑھنی چاہی تو پہلی بسم اللہ کافی نہیں ہوگی بلکہ دوبارہ بسم اللہ پڑھنی ضروری ہے۔ اس کے بھی یہی معنی ہوئے کہ ایک بسم اللہ دوسری بسم اللہ سے مختلف ہے۔ اگر ایسا ہوتا کہ سب جگہ بسم اللہ کے ایک ہی معنی ہوتے تو پھر ایک سورت کی بسم اللہ اور دوسری سورت کی بسم اللہ میں فرق نہ ہوتا چنانچہ بعض لوگ اس بات کے قائل بھی ہیں کہ اصولی طور پر بسم اللہ کسی سورت کا جزو نہیں اور یہ کہ سورۂ الحمد میں بسم اللہ محض برکت کے لیے آئی ہے لیکن یہ بات بھی صحیح نہیں ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ سورۂ الحمد میں بسم اللہ کے جار و مجرور کا تعلق حمد سے ہے تو ایک احتمال یہ ہے کہ الحمد میں ہر وہ حمد شامل ہو جس پر حمد کا لفظ صادق آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو حمد کرنے والا بھی حمد کرتا ہے وہ اللہ کے اسم سے ہوتی ہے کیونکہ حمد کرنے والا خود بھی ایک اسم ہے۔ اس کے اعضاء و جوارح بھی اسم ہیں۔ انسان جو حمد کرتا ہے وہ بھی ایک اسم ہے۔ اس لحاظ سے بھی ہر حمد اللہ کے اسم سے ہوتی ہے۔ آپ خود بھی ایک اسم ہیں۔

زید بھی ایک اسم ہے۔ سب اسمائے الٰہی ہیں یعنی اسماء کے مظاہر کیونکہ یہ سب اللہ کی نشانیاں ہیں۔ اللہ ان کا وجود میں لانے والا یا فاعل وجود ہے۔ فاعل وجود اور فاعل طبیعی میں کئی لحاظ سے فرق ہے۔ ایک فرق یہ ہے کہ جو شے مبداءِ الٰہی سے صادر ہوتی ہے جسے فاعل الٰہی بھی کہتے ہیں۔ وہ اسی مبداء و مصدر میں فنا ہوتی ہے۔ اس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ ایک مثال سے یہ بات کسی حد تک سمجھ میں آ سکتی ہے۔ اگرچہ یہ مثال موجودات اور فاعل الٰہی پر پوری طرح منطبق نہیں ہوتی کیونکہ ان کا تعلق اس مثال سے بہت بلند ہے۔ بہرحال سورج اور اس کی شعاعوں کی مثال لیجیے۔ شعاعوں کا سورج سے الگ کوئی وجود نہیں۔ یہی صورت فاعل الٰہی کی ہے۔ اس سرچشمۂ خیر سے جو بھی وجود میں آتا ہے اس کی کسی لحاظ سے کوئی آزاد حیثیت نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی پیدائش کے وقت بھی اس سرچشمہ کا محتاج ہے اور اسی طرح اپنی بقاء کے لیے بھی۔ کوئی بھی موجود ایسا نہیں ہے کہ اگر اللہ اس سے وجود کی وہ روشنی ایک لمحے کے لیے بھی ہٹا لے جس سے اس کا وجود قائم ہے تب بھی وہ موجود باقی رہ سکے۔ چونکہ کسی موجود کی اپنی کوئی مستقل حیثیت نہیں اس لیے وہ اپنے سرچشمہ میں گم اور فنا ہے۔

ہر ممکن اپنے تحقق اور بقاء دونوں میں محتاج ہے

ممکن اللہ کا نام، اللہ کا فعل، زمین و آسمان کا نور اور نورِ خدا کا ظہور ہے۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. خدا کے نور کا ظہور ہے لیکن عین خدا نہیں ہے۔ ممکن جو ظاہر ہے اس کا مبداءِ ظہور سے ایسا تعلق ہے کہ ظاہر مبداءِ ظہور میں اس طرح فنا ہے کہ اس کا اپنا کوئی مستقل وجود نہیں، اس لیے کہا گیا ہے کہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ الحمد میں الف لام استغراق کا ہے اور بسم اللہ اس سے متعلق ہے تو معنی یہ ہونگے کہ جو بھی حمد کرنے والا کوئی حمد کرتا ہے اس کا تحقق بسم اللہ سے ہوتا ہے۔ حمد کرنے والا چونکہ خود اسم اللہ ہے اس لیے ایک لحاظ سے حامد اور محمود (حمد کرنے والا اور جس کی حمد کی جاتی ہے) دونوں ایک ہی ہیں۔ ایک ظہور ہے، دوسرا مظہر۔ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ اَنَا اَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ (تو ایسا ہی ہے جیسے کہ تو نے خود اپنی تعریف کی ہے، میں تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں) چونکہ حامد، محمود میں فنا ہے اس لیے گویا محمود خود اپنی تعریف کرتا ہے اور چونکہ کسی دوسرے کی کوئی حیثیت ہی نہیں اس لیے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں اس کی تعریف کرتا ہوں۔ وہ خود ہی اپنی تعریف کرتا ہے کیونکہ حامد (تعریف کرنے والا) محمود (جس کی تعریف کی جاتی ہے) میں فنا ہے۔

ایک اور احتمال یہ ہے کہ الحمد میں الف لام استغراق کا نہ ہو جو کثرت پر دلالت کرتا ہے بلکہ بغیر کسی تعیین اور بغیر کسی خصوصیت کے مطلق حمد مراد ہو۔ اس صورت میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں حمد سے مراد ہوگی مطلق حمد بلا تعیین۔ اس احتمال کی صورت میں معنی پہلے احتمال کے برعکس ہونگے اور ہماری حمد فی الواقع اللہ کی حمد نہیں ہوگی۔ فقط اس کی اپنی ہی کی ہوئی حمد اس کی ہوگی کیونکہ اس کی ذات غیر محدود ہے اور دوسرا جو کوئی بھی حمد کرتا ہے اسکی حمد متعین اور محدود ہوتی ہے۔ محدود جو حمد کرتا ہے، وہ غیر محدود کی حمد نہیں ہوتی۔ پہلے احتمال کی صورت میں ہم نے کہا تھا کہ ہر حمد خدا ہی کی ہوتی ہے یہاں تک کہ جب آپ سمجھتے ہیں کہ کسی خوبصورت خط کی تعریف کر رہے ہیں تب بھی وہ درحقیقت خط کی نہیں بلکہ اللہ کی تعریف ہوتی ہے، جب آپ کا خیال ہوتا ہے کہ آپ دنیا کی تعریف کر رہے ہیں تب بھی وہ اللہ ہی کی تعریف ہوتی ہے۔ اسی بنا پر ہم نے کہا تھا کہ ہر حمد چاہے حمد کرنے والا کوئی بھی ہو اسی کی حمد ہوتی ہے اور اسی کو پہنچتی ہے کیونکہ دنیا میں نہ کوئی کمال ہے نہ جمال۔ کمال بھی فقط اسی کا ہے اور جمال بھی اسی کا۔ اللہ کے سوا کسی بھی چیز کا کوئی مستقل وجود نہیں۔ اگر اللہ اپنا جلوہ اٹھالے تو موجودات میں سے کوئی چیز بھی باقی نہ رہے۔

موجودات خدا کا جلوہ ہیں

موجودات کا وجود خدا کے جلوے سے ہے۔ پہلے احتمال کی صورت میں ہم نے یہ کہا تھا کہ موجودات خود خدا کا جلوہ اور نور ہیں اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اگر یہ جلوہ ہٹا لیا جائے تو کسی موجود کا وجود باقی نہ رہے۔ چونکہ موجودات خدا کا جلوہ ہیں اور مدح کمال ہی کی ہوا کرتی ہے لہٰذا کوئی تعریف بھی غیر اللہ کی نہیں ہوتی اس لیے کہ ذاتِ باری کے کمال کے علاوہ کوئی کمال ہے ہی نہیں۔ وہی کمال ہے، وہی ظہورِ کمال ہے، اسکی ذات میں بھی کمال ہے، صفات میں بھی کمال ہے، مقامِ ظہور میں بھی کمال ہے اس لیے سارے عالم کے کمالات اسی کا کمال ہیں۔ جو کوئی کسی کی مدح کرتا ہے وہ کمال کی مدح ہونے کے باعث اسی کی مدح ہوتی ہے، اسی کے لیے ہوتی ہے۔ یہ بات پہلے احتمال کی صورت میں تھی۔ دوسرے احتمال کی صورت میں

گو وہ بھی احتمال ہی ہے حمدِ مطلق ہوگی نہ کہ کلِ حمد۔ حمدِ مطلق سے مراد وہ حمد ہے جس میں نہ کوئی قید ہو نہ غیر کا تصور اس میں شامل ہو۔ جو حمد ہم کرتے ہیں وہ بالکلیہ حمدِ متعین اور متعین کی حمد ہے کیونکہ موجودِ مطلق تک ہماری رسائی نہیں ہے اور نہ ہی ہمیں اس کا ادراک ہے اس لیے ہم اس کی حمد کیسے کر سکتے ہیں۔ آپ جب اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہتے ہیں، اس وقت بھی آپ کو اس حقیقت الحقائق کا ادراک نہیں ہوتا کہ آپ اسکی حمد کر سکیں۔

جو حمد بھی کی جاتی ہے وہ اللہ کی حمد نہیں ہوتی، اس کے مظاہر کی حمد ہوتی ہے۔ پچھلے احتمال کی صورت میں کوئی بھی حمد خدا کی نہیں ہوتی سوائے اس حمد کے جو وہ خود اپنی کرتا ہے۔ اس صورت میں بِسْمِ اللّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں اسم کے بھی وہ معنی نہیں ہو سکتے جو ہم نے پہلے بیان کیے تھے کہ آپ بھی اسم ہیں، وہ بھی اسم ہے اور دوسرے بھی اسم ہیں۔ اب اسم اللہ علامت ہے ظہورِ مطلق بے قید کی جس کا ظہور بھی غیب ہے اور اسم بھی غیب۔ اسی اسم کی حمد ہوتی ہے یعنی وہ حمد جو خدا خود اپنی کرتا ہے۔ یہ بھی ایک احتمالی قول ہے اس بنیاد پر کہ بسم اللہ کا تعلق حمد سے ہو۔ ایک احتمال کی بنا پر حمد سے مراد حمد کا ہر مصداق ہے اور دوسرے احتمال کی بنا پر مطلق حمد بلا کسی قید کے۔

ایک صورت میں کوئی بھی حمد غیرِ خدا کی نہیں ہوتی۔ دوسری صورت میں کوئی حمدِ مطلق حمد کے معنی میں خدا کی نہیں ہوتی البتہ محدود حمد ہوتی ہے۔ اس صورت میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے معنی ہوں گے کہ مطلق حمد بلا کسی قید کے۔ اللہ کی حمد صرف اس نام سے ہوتی ہے جو اس کے شایاں ہے۔ یہ بھی فقط ایک احتمال ہے۔

ایک اور احتمال یہ ہے کہ بسم اللہ کا تعلق سورت سے ہی نہ ہو۔ چنانچہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ بسم اللہ جار و مجرور فعلِ مقدر ظَھَرَ سے متعلق ہیں یعنی ظَھَرَ الْوُجُوْدُ۔ اب بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے معنی یہ ہوئے کہ جو چیز بھی وجود میں آتی ہے وہ اللہ ہی کے نام سے وجود میں آتی ہے یعنی اللہ کا نام تمام موجودات کے ظہور کا سرچشمہ ہے۔ یہ اللہ کا نام وہی ہے جس کے متعلق ایک روایت ان الفاظ میں آئی ہے: اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ الْمَشِیْئَۃَ بِنَفْسِہٖ وَخَلَقَ الْاَشْیَاءَ بِالْمَشِیْئَۃِ
اللہ نے مشیت کی خود تخلیق کی اور باقی چیزیں مشیت سے تخلیق کیں۔
مشیت سے مراد وہی ظہورِ اول ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ تخلیق کیا ہے۔ باقی سب چیزوں کی تخلیق مشیت سے ہوئی ہے۔ یہ وہی وجود ہے جو ظَھَرَ الْوُجُوْدُ میں ہے۔ اس احتمال کی بنا پر کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا تعلق سورت سے نہیں بلکہ کسی خارجی شے سے ہے، اہلِ ادب نے بھی اَسْتَعِیْنُ (میں مدد چاہتا ہوں) اور اسی طرح کے دوسرے الفاظ مقدر مانے ہیں۔ اَسْتَعِیْنُ کا لفظ بھی مناسب ہے۔ گو اہلِ ادب کے ذہن میں یہ بات نہ ہو لیکن یہ واقعہ ہے کہ اگر کہیں اَسْتَعِیْنُ بِاللّٰہِ بھی آئے گا تو اس کا مطلب بھی اَسْتَعِیْنُ بِاسْمِ اللّٰہِ ہی ہوگا کیونکہ جو شخص بھی استعانت طلب کرے گا، اللہ کے نام ہی سے کرے گا۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص اللہ کے نام کے بغیر مدد طلب کرے۔ بہرحال باسم اللہ کے الفاظ مقصود نہیں، نہ اَسْتَعِیْنُ وغیرہ کوئی رسمی چیز ہے بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ کا نام ہی ہر چیز میں اس کا ظہور ہے، اسی لیے اس کے نام سے مدد طلب کی جاتی ہے۔

اسی ظہور سے مدد طلب کی جاتی ہے اور اسی ظہور کی مدد سے سب کچھ ہوتا ہے۔ استعانت کے معنی ہیں رجوع الی اللہ۔ گو ادیب اس تصور سے بھی ناآشنا ہیں۔ یہ تو تھا اس کا بیان کہ بسم اللہ کا تعلق کس لفظ سے ہے۔ اسم کے متعلق میں نے عرض کیا تھا کہ اسم ہستی کی علامت اور نشانی ہے اور کون سی چیز ہے جو ہستی کی نشانی نہ ہو۔ آپ جس چیز کو بھی دیکھیں گے تو یہی پائیں گے، وہ وجود اللہ جل شانہٗ کا ظہور اور اس کی نشانی ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ علامت اور نشانی کے بھی مدارج ہیں۔ بعض نام تو ایسے ہیں جو ہر لحاظ سے اس کی نشانی ہیں، بعض کا درجہ اس سے کم تر ہے۔ اسی طرح درجہ بدرجہ سب موجودات ہیں لیکن سب اس کا ظہور اور اس کی نشانیاں ہیں۔ سب اسی کے نام کا جلوہ ہیں۔ گو فرقِ مراتب اپنی جگہ ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے: نَحْنُ اَسْمَاءُ اللّٰہِ الْحُسْنٰی ہم سب اللہ کے اچھے نام ہیں البتہ مقامِ ظہور میں سب سے ارفع و اعلیٰ نام رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمۂ اطہار صلوات اللہ علیہم ہیں، جو نقائص سے پاک ہو کر سیر الی الحق کے بلند ترین مرتبہ پر پہنچے۔ وہ ہماری طرح نہیں جو ابھی تک نفسانیت کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں۔

ہجرت الی اللہ

ہم نے تو ابھی چلنا بھی شروع نہیں کیا جب کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو نہ صرف یہ کہ اس گڑھے سے نکل گئے بلکہ ہجرت بھی کر گئے۔ ارشادِ خداوندی

ہے: وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ "جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف ہجرت کے لیے اپنے گھر سے نکلا، پھر اسے موت نے آلیا تو اللہ سے اس کا اجر دیگا۔ (سورۂ نساء۔ آیت ۱۰۰)

ایک احتمال یہ ہے کہ یہاں ہجرت سے مراد اپنے نفس سے اللہ کی طرف جانا ہو اور اپنے گھر سے مراد خود آدمی کا اپنا نفس ہو۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس اندھیرے گھر یعنی اپنی نفسیات کے دائرے سے نکل کر اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف ہجرت کے ارادے سے چلے یہاں تک کہ موت نے انہیں آلیا یعنی وہ خود کچھ نہ رہے بلکہ فنا فی اللہ ہو گئے" ان کا اجر اللہ پر ہے مطلب یہ ہے کہ ان کا اجر خود اللہ ہے۔ جنت اور اس کی نعمتوں کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔ ان کا مطلوب و مقصود صرف اللہ ہے۔ جو شخص نفسانیت کے ظلمت کدہ سے نکل کر اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف چل پڑا، اسکا اپنا کچھ نہیں رہا۔ اس کے لیے جو کچھ ہے، اللہ کا ہے۔ جو شہود کے اس مرتبہ پر پہنچ گیا، اس کا اجر اللہ پر ہے۔ غرض کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ ہجرت کر کے منزل پر پہنچ گئے اور ان کا اجر اللہ ہے جبکہ کچھ دوسرے لوگ ایسے ہیں کہ ہجرت تو انھوں نے بھی کی لیکن وہ فنا کی منزل تک پہنچ نہ سکے۔

اس کے بعد کچھ ہم جیسے ہیں جنھوں نے سرے سے ہجرت ہی نہیں کی اور ابھی تک اندھیروں ہی میں ہیں۔ ہم صرف دنیا اور دنیا کی چیزوں میں گم ہیں، بلکہ انانیت اور خود پرستی میں بھی گرفتار ہیں ابھی تک نفسانیت کے اندھیرے کنویں میں محبوس ہیں۔ اسی لیے ہمیں اپنے سوا کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ ہم جو کچھ چاہتے ہیں صرف اپنے لیے چاہتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہیں ہم ہی ہیں۔ ہمارے سوا سب ہیچ ہے۔ ہمیں ابھی تک ہجرت کرنے کا خیال تک نہیں آیا۔ ہماری سوچ اسی دنیا تک محدود ہے۔

ستر سال اس طرف

جو قوتیں خدا کی طرف سے ہمیں ودیعت ہوئی ہیں ہم انہیں رد تو نہیں کرتے لیکن ایسا ہے کہ ہم ان سے یہیں کا کام لیتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔ جوں جوں وقت گزرتا ہے ہم اس سرچشمہ اور اس جگہ سے دور ہوتے جاتے ہیں جس کی طرف ہمیں ہجرت کرنی چاہیے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کیساتھ تشریف فرما تھے کہ اچانک بڑے زور سے کسی چیز کے گرنے کی آواز آئی۔ صحابہ نے حیران ہو کر پوچھا کہ یہ کیا ہوا؟ روایت کے مطابق آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ایک پتھر جہنم کے درمیان میں لڑھک رہا تھا۔ اب ستر سال کے بعد

اس کنویں میں گرا ہے جو جہنم کے دوسرے کنارے پر واقع ہے۔ یہ اسی کے گرنے کی آواز ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ تمثیل ہے اس بداطوار آدمی کی جو ستر سال کی عمر پا کر مر گیا۔ ہم بھی اسی گڑھے کی طرف جا رہے ہیں۔ میں اسی برس کی عمر میں اُدھر چلا جاؤں گا، اور کچھ برسوں میں آپ بھی دوسری طرف چلے جائیں گے۔

بدترین دشمن

ہماری جو حالت ہے اسی وجہ سے ہے اور ہم پر جو کچھ گزرتی ہے، اس کی وجہ بھی حب نفس اور انانیت ہے۔ اسی بات کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ اَعْدٰی عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِيْ بَيْنَ جَنْبَيْكَ "تمہارا بدترین دشمن تمہارا وہ نفس ہے جو تمہارے اپنے پہلو میں ہے" نفس سب سے بڑا دشمن ہے۔ تمہارا نفس ہی سب بتوں کو جنم دیتا ہے۔ انسان سب سے زیادہ اسی بت کی عبادت کرتا ہے۔ اسے زیادہ تر لگاؤ اسی سے ہے۔ جب تک آدمی اس بت کو پاش پاش نہ کر دے، وہ خدا کا نہیں ہو سکتا۔ بت اور خدا ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ خود پرستی اور خدا پرستی کا ساتھ ممکن نہیں۔ جب تک ہم نفسانیت کے بت خانہ اور نفس کے بت سے نجات حاصل نہ کر لیں، اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف رخ نہیں کر سکتے۔ گو ہم بظاہر خدا پرست ہوں، لیکن دراصل بت پرست ہیں۔

ہم زبانی خدا کا نام لیتے ہیں لیکن ہمارے دل میں خود اپنا ہی خیال بسا ہوتا ہے۔ ہم نماز پڑھتے ہیں تو اپنے فائدے کے لیے، اگر ہم خدا کے طالب ہیں تو وہ بھی اپنے لیے۔ ہم نماز میں زبان سے تو کہتے ہیں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ لیکن فی الواقع عبادت اپنے نفس کی کرتے ہیں۔ ہماری ساری توجہ ہمارے اپنے ہی اوپر مرکوز رہتی ہے۔ ہر چیز ہمیں اپنے ہی لیے چاہیے۔ سب مصیبتوں اور برائیوں کی جڑ یہی آدمی کی انانیت اور خود پرستی ہے۔

لڑائیوں کی وجہ انانیت ہے

دنیا کی سب لڑائیاں آدمی کی انانیت ہی کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ مومن آپس میں نہیں لڑتے۔ اگر دو آدمیوں میں لڑائی ہو تو سمجھ لیجیے کہ وہ مومن

نہیں۔ مومنوں میں لڑائی نہیں ہوتی۔

جب آدمی کا ایمان درست نہ ہو اور اسے اپنے فائدے کے سوا کسی بات سے غرض نہ ہو، تو وہ یہی چاہتا ہے کہ ہر چیز پر خود ہی قبضہ کرے۔ یہیں سے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ مسند میں لے لوں، آپ چاہتے ہیں کہ آپ لے لیں۔ اب یہ دونوں باتیں تو ممکن نہیں، لہٰذا جھگڑا پیدا ہوا۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ قالین میں لے لوں، آپ چاہتے ہیں کہ آپ لے لیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ خیالی کرسی مجھے ملے، آپ چاہتے ہیں کہ آپ کو ملے۔ جب ایک ہی چیز آپ بھی لینا چاہتے ہیں اور میں بھی لینا چاہتا ہوں تو لامحالہ جھگڑا ہوگا۔ اگر کوئی شخص اس ملک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اور کوئی دوسرا بھی یہی چاہتا ہے تو پھر جنگ ہوگی۔ سب لڑائیاں اور جنگیں خود غرضی کی لڑائیاں ہیں۔ دنیا کی سب جنگیں شخصیتوں اور ان کے مفادات کے ٹکراؤ کے نتیجے میں برپا ہوتی ہیں لیکن چونکہ اولیاء اللہ میں انانیت نہیں ہوتی، اس لیے ان کے مابین جنگ بھی نہیں ہوتی۔ اگر سب اولیاء کسی ایک جگہ جمع بھی ہو جائیں تو وہ کبھی آپس میں نہیں لڑینگے کیونکہ ان میں کبھی باہمی مخالفت نہیں ہوگی کہ سب اولیاء جو کچھ کرتے ہیں خدا ہی کے لیے کرتے ہیں۔ ان میں خودی ہوتی ہی نہیں کہ باہم کشاکش ہو اور وہ ایک دوسرے کے مزاحم ہو کر جھگڑا کریں۔

ان سب کا سرچشمہ ایک ہے۔ ان کی سمت ایک ہے۔ یہ تو ہم ہیں کہ اندھیرے کنویں میں پڑے ہوتے ہیں، جس میں ایسا اندھیرا ہے کہ اس سے بڑھ کر اندھیرا ممکن نہیں۔ یہ اندھیرا انانیت کا ہے۔ جب تک ہم انانیت سے نہیں نکلیں گے اس کنویں سے نہیں نکل سکتے۔ ہم اپنی خود غرضی سے دوسروں کو کچھ نہیں سمجھتے۔ سب کچھ اپنے آپ ہی کو سمجھتے ہیں۔ جس بات میں ہمارا فائدہ ہو، اس کو تو ہم قبول کر لیتے ہیں لیکن جہاں ہمیں اپنا فائدہ نظر نہ آئے، ہم حق بات کو بھی مان کر نہیں دیتے۔ اگر بات ہمارے مطلب کی ہو تو ہمیں فوراً اس کا یقین آجاتا ہے لیکن اگر ہمارے خلاف ہو تو کبھی آسانی سے یقین نہیں آتا۔ یہ سب انانیت ہے۔ ہماری، تمہاری اور ساری نوعِ بشر کی مصیبتوں کا باعث یہی رویہ ہے۔ سب جھگڑا خود غرضی اور خود پرستی کا ہے۔ میں اپنا مطلب نکالنا چاہتا ہوں اور آپ اپنا۔ جب تک یہ صورت ہے، تو للٰہیت کہاں۔ یہ تو نفس پرستی ہے۔ پھر اس گڑھے سے نکلنے کی کیا صورت ہے؟ یہ بت خانہ خود انسان کے اندر ہے جس سے نکلنا آسان نہیں۔ اس سے نجات کے لیے ایک غیبی ہاتھ کی ضرورت ہے جو انسان کی دست گیری کرے اور اسے اس گڑھے سے نکالے۔ انبیاءؑ اسی غرض کے لیے آتے ہیں۔

انبیاءؑ کی بعثت کا مقصد

تمام انبیاء علیہم السلام جو مبعوث ہوئے ہیں اور سب آسمانی کتابیں جو نازل ہوئی ہیں وہ سب اسی لیے آئی ہیں کہ آدمی کو اس بتخانے سے نکالیں۔ اس بت کو توڑیں اور لوگوں کو خدا پرست بنائیں۔ سب انبیاءؑ اسی لیے آتے ہیں کہ اس دنیا میں، جو شیطانی دنیا ہے، خدائی نظام قائم کریں۔ یہاں شیطان کی حکومت ہے۔ شیطان ہمارا حکمران ہے، اور ہم سب اس کے تابعِ فرمان ہیں۔ نفسانی خواہشات شیطان کا جلوہ ہیں۔ ہم جو کام کرتے ہیں وہ شیطانی ہوتا ہے کیونکہ سب سے بڑا شیطان خود ہمارا نفس امارہ ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے ہمارا کوئی کام بھی خود غرضی اور خود پرستی سے خالی نہیں ہوتا۔ شیطان ہمارے اوپر مسلط ہے، جو وہ کہتا ہے وہی ہم کرتے ہیں۔ ہم اس کنویں سے اسی وقت نکل سکتے ہیں جب ہم اس منزل سے ہجرت کر کے انبیاءؑ اور اولیاءؒ کی تعلیم پر عمل کریں اور خود پرستی کو چھوڑ دیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو ہمیں وہ کامیابی نصیب ہوگی جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں۔

جو شخص بھی درجۂ کمال تک پہنچنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہ ہجرت کرے۔

جہادِ اکبر

جو شخص انانیت کے گڑھے سے نکلنے کا خواہشمند ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس ہجرت کے لیے مجاہدہ کرے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ کچھ صحابہ کسی جہاد سے واپس آئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ: تم جہادِ اصغر کر کے آئے ہو۔ وَبَقِیَ عَلَیْکُمُ الْجِهَادُ الْأَکْبَرُ ابھی جہادِ اکبر تمہارے ذمے باقی ہے۔ یہ جہادِ اکبر نفس کے خلاف جہاد ہے۔ دنیا کے باقی سب جہاد اسی جہاد کے تابع ہیں۔ اگر اس جہاد میں ہم کامیاب ہو جائیں تو پھر جو جہاد بھی ہم کریں گے وہ واقعی جہاد ہوگا لیکن اگر اس جہاد میں کامیاب نہ ہوں تو باقی سب جہاد کارِ شیطان ہیں۔

اگر کوئی شخص اس لیے جہاد میں حصہ لیتا ہے کہ اسے کوئی گینز مل جائے یا روزی کا بندوبست ہو جائے تو اس کا اجر انہی چیزوں کا حصول ہے لیکن جو شخص اللہ کے لیے جہاد کرتا ہے اس کا اجر بھی اللہ کے ذمے ہے۔ کام کی نوعیت [illegible] فرق ہوتا ہے۔ اس کام میں جو ہم کرتے ہیں اور اس کام میں جو اولیاء کرتے ہیں، زمین و آسمان کا فرق ہے کیونکہ دونوں کا مقصد اور منشا جدا ہے۔

حکم الٰہی کی تعمیل میں خلوص دیکھا جاتا ہے

کیا یہ بلا وجہ کہا گیا ہے کہ جنگ خندق کے موقع پر امام علی علیہ السلام کی ایک ضرب جن و انس کی عبادت سے افضل تھی؟ بظاہر یہ ضرب کسی کو قتل کرنے کے لیے ایک وار سے زیادہ کچھ نہ تھی لیکن اس کا ایک اور رخ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس وقت اسلام کو کفر کی متحدہ طاقت کا سامنا تھا۔ اگر اس دن مسلمانوں کو شکست ہو جاتی تو اسلام کا وجود ہی معرض خطر میں پڑ جاتا۔ یہ معاملے کا ایک پہلو ہے۔ ایک دوسرا پہلو وہ للہیت ہے جو اس عمل میں مضمر تھی۔ اس وقت جب حضرت علیؑ کسی دشمن کے سینہ پر سوار تھے، اس نے آپ پر تھوک دیا۔ آپؑ فوراً اس کے سینہ پر سے اتر گئے کہ مبادا آپ کا عمل للہیت کی سطح سے گر جائے اور اس میں ذاتی انتقام کا جذبہ شامل ہو جائے۔

ایسی ضرب کی روح یقیناً سب عبادتوں سے افضل ہے۔ یہی وہ روح ہے جو عبادت کو صحیح معنی میں عبادت بناتی ہے۔ ظاہر میں تو مشرک اور موحد بت پرست اور وہ جو بتوں کو نہیں پوجتے سب ایک ہی طرح کے کام کرتے ہیں۔ ظواہر کی حد تک کوئی خاص فرق نہیں۔ ابوسفیان بھی نماز پڑھتا تھا۔ امیر معاویہ تو امام جماعت تھے اور ان کے ظاہری اعمال ایک ہی طرح کے تھے لیکن وہ چیز جو نماز کو رفعت بخشتی ہے وہ اس کی روح ہے۔ اگر یہ روح موجود ہے تو نماز عبادت الٰہی ہے ورنہ محض دھوکا اور دکھاوا ہے۔ ہمارا یہی حال ہے کہ ایک دوسرے کو دھوکا دیتے ہیں۔

ہماری عبادت جنت کے لیے ہے

ہماری سب عبادت سر تا سر اپنے لیے ہے۔ جو زیادہ نیک اور صالح ہیں وہ جنت کے لیے عبادت کرتے ہیں۔ جنت کو درمیان سے نکال دیجیے پھر دیکھیے کہ کون عبادت کرتا ہے۔ علیؑ البتہ رہ جاتے ہیں کیونکہ انہیں عبادت سے عشق تھا اور وہ عبادت کو گلے لگائے ہوئے تھے۔ عَشِقَ الْعِبَادَةَ وَعَانَقَهَا اصولاً جنت کے لیے عبادت کوئی بات نہیں۔ جو شخص نفسانیت

سے نکل کر فنا کے مرتبہ تک پہنچ گیا۔ اس کے نزدیک جنت کی نعمتوں کی کوئی حقیقت نہیں۔ وہ ان کی پروا بھی نہیں کرتا جس کو اَدْرَكَهُ الْمَوْتُ کا مرتبہ مل گیا، اس کے لیے جنت اور جہنم سب برابر ہیں۔ اَثْنٰى عَلٰى ذَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى وہ خدا کی حمد و ثنا اس لیے کرتا ہے کہ اس نے اللہ کو عبادت کا مستحق جانا ہے۔ یہ مرتبہ ان کو حاصل ہوتا ہے جو عبادت کے عاشق ہیں۔ وہ معبود کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ عبادت کا اہل ہے۔

اور بھی مراتب ہیں جن کا ہمیں خیال بھی نہیں مگر پہلا قدم یہ ہے کہ آدمی نفسانیت کو چھوڑ کر انانیت کے گڑھے سے نکل جائے۔

اس کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ قیام کرے، اللہ کے لیے قیام کرے، جاگ جائے اور ہماری طرح سوتا نہ رہے۔ اس وقت ہم گو بظاہر جاگ رہے ہیں مگر دراصل ہم سو رہے ہیں۔ ہمارا جاگنا جانوروں کا سا جاگنا ہے۔ یہ انسانوں کی سی بیداری نہیں۔ ع

ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

اَلنَّاسُ نِيَامٌ وَاِذَا مَاتُوا اِنْتَبَهُوا۔ حدیث ہے یعنی "لوگ سو رہے ہیں، مرنے پر ہی جاگیں گے۔" اس وقت معلوم ہوگا کہ کس خواب غفلت میں تھے اور اب کیا افراتفری مچی ہے۔ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ۔ یعنی "جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔" مطلب یہ ہے کہ اس وقت گھیرے ہوئے ہے۔ آدمی پر چونکہ نشہ طاری ہے اس لیے اسے ادراک نہیں ہوتا۔ جب یہ نشہ اتر جائے گا تو وہ دیکھے گا کہ آگ ہی آگ ہے۔ اس راستے پر چلنا تو سب ہی کو ہے۔ اس میں تو چارہ نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ہم خود ہی بیدار ہو جائیں اور جس صراطِ مستقیم پر چلنا چاہیے اس پر چلیں اور انبیاءؑ کے زیر تربیت ہو جائیں۔

انبیاءؑ انسان بنانے کے لیے آتے ہیں

سب انبیاءؑ اس لیے آئے کہ انسانوں کی اصلاح کریں۔ کوئی ایسا نبی نہیں آیا جس کا مقصد انسان کی اصلاح نہ ہو۔ عدل و انصاف قائم کرنے کے معنی بھی انسانوں کی اصلاح ہی ہیں۔ کسی چیز کو عدل اسی وقت کہہ سکتے ہیں جب وہ انسان سے صادر ہو۔ اسی طرح ظلم کا مرتکب بھی انسان

ہی ہوتا ہے۔ عدل قائم کرنے کا مطلب ہے ظالم کو عادل میں بدل دینا ' مشرک کو مومن بنا دینا۔ انبیاءؑ کا کام ان لوگوں کی کایا پلٹنا ہے کہ اگر ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ ہاویہ جہنم میں جاگریں۔ انبیاءؑ بتلاتے ہیں کہ صحیح راستا یہ ہے۔ اس راہ پر چلو۔ افسوس ہمارے حال پر کہ ہم نے ابھی تک صحیح راستا اختیار نہیں کیا۔ ستر برس کی عمر ہوگئی پھر بھی راہ راست پر نہیں آئے۔ ہم نے ابھی تک ہجرت نہیں کی۔ جہاں تھے وہیں ہیں گویا اسی زمین کے ہو کر رہ گئے ہیں۔ شاید آخر تک یہی حال رہے مگر ضرورت اس کی ہے کہ صحیح راستے پر چلیں۔ اسکے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔

جوانوں سے خطاب

آپ لوگ' جو جوان ہیں اس راہ کو بہتر طور پر اپنا سکتے ہیں۔ ہمیں چھوڑیے کہ ہماری طاقت ختم ہو چکی ہے۔ آپ اپنے نفس کا تزکیہ ہم سے بہتر کرسکتے ہیں۔ بڈھوں کے مقابلے میں آپ عالم ملکوت سے نزدیک تر ہیں۔ بگاڑ نے آپ میں ابھی تک اس طرح جڑ نہیں پکڑی ہے۔ ابھی بگاڑ کم ہے۔ ابھی اس کی ایسی افزائش نہیں ہوئی جیسی بڈھوں میں ہو چکی ہے لیکن دن بدن بگاڑ بڑھتا جا رہا ہے۔ جتنی دیر کریں گے اتنی ہی مشکل ہو جائے گی۔ بڈھا اگر اپنی اصلاح کرنی چاہے تو بہت مشکل ہے البتہ جوان کی اصلاح جلد ہو جاتی ہے۔

ہزاروں جوانوں کی اصلاح ہو سکتی ہے مگر ایک بڈھے کی اصلاح نہیں ہوتی اس لیے اس کام کو بڑھاپے پر مت چھوڑیے۔ جوانی ہی میں کام شروع کر دیجیے۔ ابھی سے اپنے آپ کو انبیاءؑ کی تعلیم کا تابع بنائیے۔ یہی نقطۂ آغاز ہے۔ یہیں سے سفر کرنا ضروری ہے۔ انبیاءؑ نے راستا دکھا دیا ہے۔ ہم راستے سے ناواقف ہیں جبکہ انبیاءؑ راستے سے واقف ہیں۔ وہ اس راہ کے شناسا ہیں اور جانتے ہیں کہ سلامتی کا راستا کونسا ہے۔ انھوں نے اس راستے کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔ اگر آپ سلامتی چاہتے ہیں تو ان کے بتلائے ہوئے راستے پر چلیے۔ اپنے نفس کی طرف آہستہ آہستہ توجہ کم کیجیے۔ یہ کام فوراً نہیں ہوگا لیکن آپ بتدریج نفسانیت کو چھوڑ سکتے ہیں۔ ہماری سب خواہشات ایک دن خاک میں مل جائیں گی۔ ان کی طرف توجہ میں سراسر ہمارا نقصان ہے۔ وہی چیز باقی رہے گی جس کا تعلق خدا سے ہے۔ "مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ" جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔

انسان کے پاس مَا عِنْدَكُمْ بھی ہے اور مَا عِنْدَ اللّٰهِ بھی۔ جن امور میں اس کی توجہ اپنی ذات کی طرف ہے' وہ سب مَا عِنْدَكُمْ ہے۔ وہ سب فنا ہو جائے گا البتہ جن امور میں توجہ خدا کی طرف ہے وہ اللہ

کے نام سے باقی رہے گا' وہ دائمی ہے۔

نفس پر مکمل فتح تک کوشش

ہماری اور آپ کی اس وقت جو حالت ہے' کوشش کیجیے کہ یہ حالت بدل جائے۔ جن لوگوں نے کفار کے خلاف جہادوں میں کامیابی حاصل کی' انھوں نے کبھی اس کی پروا نہیں کی کہ ان کے ساتھ کتنی جمعیت ہے۔ وہ[1] بھی تو تھے کہ جنھوں نے کہا تھا کہ اگر سارے عرب بھی میرے خلاف متحد ہو جائیں' جب بھی میں پیچھے نہیں ہٹوں گا" اس لیے کہ یہ خدا کا کام ہے اور جو چیز خدا کی ہے اس میں ناکامی کا سوال نہیں۔ پسپائی کا کیا ذکر۔ پھر پیچھے ہٹ کر جاؤ گے کہاں؟ جو لوگ جہاد اور پیش قدمی کرتے تھے' وہ اپنی اور اپنے مفاد کی پروا کیے بغیر آگے بڑھتے تھے۔ انھوں نے انتہائی حد تک اپنے نفس کے خلاف جہاد کیا تھا۔ جو اس سے بلند درجہ پر تھے' ان کا نفس کے خلاف جہاد بھی اسی مناسبت سے بڑھا ہوا تھا۔ جب تک نفس کے خلاف جہاد نہ ہو' کچھ نہیں ہو سکتا۔ آدمی جب تک دنیا سے منہ نہ موڑے' اپنی خواہشات کو نظر انداز نہ کر دے وہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ دنیا در اصل نفسانی خواہشات ہی کا نام ہے۔

ہر شخص کی خواہشات ہی اس کی دنیا ہیں۔ اسی دنیا کی مذمت کی گئی ہے' عالم طبیعی کی مذمت نہیں کی گئی۔

دنیا وہی ہے جو آپ کے اندر موجود ہے۔ جب آپ اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو آپ ہی خود دنیا ہوتے ہیں۔ ہر شخص کی دنیا اس کے اندر ہے۔ اسی کی مذمت کی گئی ہے۔ چاند' سورج اور نیچر کی کسی چیز کی مذمت نہیں کی گئی بلکہ ان کی تو تعریف کی گئی ہے۔ یہ تو سب اللہ تعالیٰ کی نشانیاں اور اس کی قدرت کے مظاہر ہیں۔

جو چیز انسان کو قرب الٰہی سے محروم رکھتی ہے وہ دنیا ہے اور یہ دنیا خود آدمی کے اپنے ہاتھ میں ہے یعنی یہ دنیا اس کی اپنے نفس کی طرف توجہ ہے۔ خدا کرے ہمیں نفسانیت کے گڑھے سے نکلنے میں کامیابی ہو اور اولیاء اللہ ہی ہیں جو اس گڑھے سے نکلنے میں کامیاب ہوتے ہیں اور جنھوں نے اس بلا سے نجات پائی ہے۔ وَاذْكُرُهُمُ الْمَوْتُ۔

---

[1] امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

گفتگو یہ ہو رہی تھی کہ بِسْمِ اللّٰهِ میں اسم کس لفظ سے متعلق ہے۔ اس بارے میں چند احتمالات ہیں جو میں نے عرض کیے تھے۔

حق اور خلق

ان مسائل میں سے بعض کا سمجھنا اس امر پر موقوف ہے کہ یہ معلوم ہو کہ خدا اور مخلوق کے درمیان تعلق کی نوعیت کیا ہے۔ ہم عموماً اس تعلق کا ذکر یا تو طوطے کی طرح رٹے رٹائے الفاظ میں کر دیتے ہیں یا کبھی کبھی دلائل بھی دیدیتے ہیں۔ اس سے اونچا درجہ کچھ دوسرے ہی لوگوں کا حق ہے۔ بہرحال موجودات کا حق تعالیٰ سے تعلق اس نوعیت کا نہیں ہے جس طرح کا تعلق ایک موجود کا دوسرے موجود سے ہوتا ہے مثلاً باپ کا بیٹے سے' یا بیٹے کا باپ سے۔ باپ بیٹے کا تعلق تو وہ تعلق ہے جو دو ایسے موجودوں کے درمیان ہوتا ہے جن میں سے ہر ایک کا وجود مستقل ہو اور ساتھ ہی ان میں کچھ تعلق بھی ہو۔ اس سے برتر تعلق کی مثال سورج اور اس کی کرنوں کی ہے۔ یہاں بھی سورج اور اس کی کرنیں دو مختلف چیزیں ہیں اور ایک حد تک ان کا اپنا الگ الگ وجود ہے۔ ایک اور طرح کے تعلق کی مثال انسان کی ذات اور اس کے ذہنی و جسمانی قویٰ کی ہے مثلاً قوت باصرہ یا قوت سامعہ' لیکن ان میں بھی انسان کی ذات سے ایک طرح کی مغایرت پائی جاتی ہے اور یہ قوتیں اور انسان کی ذات متحد واحد نہیں ہیں۔ ان تمام مثالوں کے برخلاف موجودات کا تعلق حق تعالیٰ سے جو سرچشمۂ وجود ہے بالکل مختلف نوعیت کا ہے۔ جن تعلقات کا ہم نے اوپر ذکر کیا' ان میں سے کسی پر بھی قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ حق تعالیٰ اور مخلوقات کے تعلق کو کتاب و سنت میں کئی جگہ تجلی سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ یا مثلاً دعائے سمات میں وَبِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ تَجَلَّيْتَ لِلْجَبَلِ فَجَعَلْتَهٗ دَكًّا۔

ایک جگہ قرآن مجید میں ہے اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا۔ حالانکہ تَوَفّٰی یعنی روح قبض کرنا ملک الموت کا کام ہے۔ اگر کوئی آدمی کسی کو قتل کر دے تو اس کے متعلق بھی کہا جاتا ہے: فلاں شخص نے فلاں شخص کو مار ڈالا۔ ایک اور جگہ قرآن میں ہے۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ "آپ نے کنکریاں نہیں پھینکیں' جب آپ نے پھینکیں" مَا رَمَيْتَ

رَمَىٰ. یعنی آپ نے نہیں پھینکیں بلکہ ہم نے پھینکیں۔ یہ سب ایک تجلی ہے' ایک نور ہے۔ اگر ہم اس مفہوم پر دلیل کی روشنی میں یا بغیر دلیل کے بھی غور کریں تو ان آیات سے متعلق کچھ مسائل ذہن میں آتے ہیں۔

حمد کے معانی

الحمد کے معنی کے متعلق پہلا احتمال ہم نے یہ بیان کیا تھا کہ اس میں الف لام استغراق کا ہو اور حمد سے مراد ہو تمام تعریفیں یعنی اس لفظ میں کثرت کا مفہوم ہو اور اسی طرح اسم کے لفظ میں بھی کثرت کا مفہوم ہو۔ اس لحاظ سے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے ایک احتمالی معنی یہ ہوئے کہ جو حمد بھی ہوتی ہے وہ حق تعالیٰ ہی کی ہوتی ہے کیونکہ جو تعریف بھی کی جاتی ہے وہ اسی کے کسی نہ کسی جلوے کی کی جاتی ہے اور ہر جلوے میں اسی کا ظہور ہے۔ سورج کا ظہور اس کی شعاعوں میں ہے یا انسان کی ذات کا جو ظہور اس کی قوتِ باصرہ اور قوت سامعہ میں ہے' حق تعالیٰ کا ظہور تمام موجودات و مخلوقات میں اس سے کہیں بڑھ کر ہے' اس لیے جو تعریف بھی ہوتی ہے وہ حق تعالیٰ ہی کے مظاہر کی ہوتی ہے اور چونکہ تمام موجودات حق تعالیٰ کی نشانیاں ہیں اس لیے یہ سب اس کے اسماء اور نام ہیں۔ دوسرا احتمال ہم نے یہ بیان کیا تھا کہ یہ مفہوم پہلے مفہوم کے برعکس ہوگا اور معنی یہ ہونگے کہ کسی تعریف کرنے والے کی تعریف بھی اللہ کی تعریف نہیں ہوتی۔ گو اس صورت میں بھی تمام مظاہر اسی کا ظہور ہیں اور حمد بھی انہیں مظاہر کی ہوتی ہے لیکن ہماری حمد نہ علی الاطلاق ہوتی ہے اور نہ اس ذاتِ مطلق کی ہو سکتی ہے۔

لیکن چونکہ تمام کثرتیں اسی وجودِ مطلق کی وحدت میں گم اور جذب ہو جاتی ہیں اور ان کا مستقل وجود باقی نہیں رہتا اس لیے اس صورت میں بھی ایک لحاظ سے حمد اسی وجودِ مطلق کی ہوگی۔ فرق صرف کثرت اور وحدت کے اعتبار کا ہے۔ اگر کثرت پر نظر کی جائے تو ہر حمد اسی کی حمد ہوتی ہے۔ اسی طرح لفظِ اسم میں بھی کثرت کا اعتبار ہوگا۔ اس لحاظ سے ہر موجود اسم الٰہی ہوگا اور ایک اسم دوسرے اسم سے مختلف ہوگا۔ اس

احتمال کی رو سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے معنی اس سے مختلف ہوں گے جو دوسرے احتمال کی رو سے ہوتے ہیں۔ اسم کے مفہوم میں کثرت پر نظر ہوگی، اللہ اس اسم کا وصف ہوگا جس میں مقام کثرت اور مقام تفصیل ملحوظ ہے۔ اللہ اسمِ اعظم پر حق تعالیٰ کی تجلی ہے۔

موجودات میں تجلّی

موجودات میں اسمِ اعظم کی تجلی ہے۔ اللہ کا نام رحمان، رحمانیت کی تجلی ہے مقامِ فعل میں۔ اسی طرح رحیم، رحیمیت کی تجلّی ہے مقامِ فعل میں۔ یہی صورت رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور اِيَّاكَ نَعْبُدُ وغیرہ کی ہے۔ دوسرے احتمال کی رو سے حمد، حمدِ مطلق ہے بغیر کسی قید کے۔ اس احتمال کی رو سے اللہ، رحمان اور رحیم وغیرہ کا تصور بھی قدرے مختلف ہے پہلے احتمال کی رو سے اسم سے مراد سب موجودات تھے۔

ہر موجود اپنے ہر عمل کے لحاظ سے ایک الگ اسم تھا اور عمل کے بدل جانے سے ایک مختلف اسم بن جاتا تھا مگر دوسرے احتمال کی رو سے حمد مطلق ہے۔ مطلق حمد اللہ، رحمان اور رحیم کے ناموں کے ساتھ۔

مطلق حمد حق تعالیٰ سے مخصوص ہے یعنی وہی اپنی حمد کرتا ہے مطلق حمد کرتا ہے کسی ایسے نام کے ساتھ جو مقام ذات کے ظہور کا نام ہے، یعنی مقامِ ذات میں اپنے ناموں کے ساتھ حمد کرتا ہے۔ اللہ مقامِ ذات میں اسمِ جامع ہے نہ کہ مقامِ ظہور میں۔ اللہ کا ہر نام مقامِ ذات میں اس کا جلوہ ہے۔ رحمان نام ہے رحمانیت کا مقامِ ذات میں۔ رحیم نام ہے رحیمیت کا مقامِ ذات میں۔ رب وغیرہ کی بھی یہی صورت ہے فلسفہ میں یعنی اعلیٰ فلسفہ میں جو عام اور معروف فلسفہ سے مختلف ہے۔ ان مفاہیم معانی کے دلائل بھی موجود ہیں مگر اولیاء کی بات اور ہے۔ انہوں نے سلوک کی منازل طے کر کے ان مسائل کا ادراک اور مشاہدہ کیا ہے۔

مشاہداتِ انبیاءؑ

اولیاء اپنے مشاہدات لوگوں سے بیان نہیں کر سکتے۔ قرآن شریف بھی جو نازل ہوا ہے، وہ ہم تک متنزل حالت (اعلیٰ و ارفع حقائق کو گھٹا کر سادہ اور آسان انداز میں پیش کرنا) میں پہنچا ہے تاکہ ان لوگوں کو مخاطب کر سکے جو ابھی تک نفسانیت کی قید میں ہیں اور گمراہی کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اور ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ آپ لوگوں کے سامنے حقائق کو صاف صاف بیان نہیں کر سکتے تھے بلکہ حقائق و معارف متنزل حالت میں پیش فرماتے تھے۔

معانی کے لحاظ سے قرآن پاک کے مختلف مدارج ہیں۔ قرآن سات یا ستر بُطون (پوشیدہ معانی) پر نازل ہوا ہے۔ ان بُطون سے مسلسل تنزل کر کے قرآن اس درجے تک پہنچا ہے کہ وہ ہمارے لیے قابلِ فہم ہو اور اس کے مضامین ہماری محدود عقل میں آسکیں۔

اللہ تعالیٰ نے خود اپنا تعارف کراتے ہوئے اونٹ کی مثال بیان فرمائی ہے: اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ (کیا وہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے پیدا کیا گیا؟) یہ ہماری کس قدر بدقسمتی ہے کہ ادنیٰ درجے کی مخلوقات جیسے سورج، آسمان، زمین اور خود انسان کے بارے میں بیان کرتے ہوئے انبیائے کرام علیہم السلام یہ محسوس کرتے تھے کہ ان کی زبان میں گرہ ہے اور وہ صاف الفاظ میں حقیقت کا اظہار نہیں کر سکتے: رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ "اے میرے پروردگار میرے لیے میرا سینہ کھول دے، میرا کام آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔"

یہ گرہیں دیگر انبیاءؑ کی زبان میں بھی تھیں اور ان کے دل میں بھی تھیں جن کی وجہ سے وہ حقائق کا اس طرح اظہار نہیں کر سکتے تھے جس طرح وہ حقائق ان تک پہنچتے تھے۔ اسی لیے وہ مثالوں کی مدد سے بات کو ایک حد تک ہمیں سمجھانے کی کوشش کرتے تھے۔ جب اونٹ کی مثال دیکر اللہ تعالیٰ کے وجود کو سمجھایا جائے تو بہ آسانی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارا اپنا درجہ کیا ہے۔ ہمارا اپنا درجہ بھی جانوروں کا سا ہے اور جو علم و معرفت ہمیں اس طرح حاصل ہوتا ہے ظاہر ہے وہ بھی حد درجہ ناقص ہی ہے۔

انبیاءؑ کے سلسلے میں ایک جگہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا جب حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصی تربیت کی اور وہ سلوک کی منازل سے گزرے تو انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ "مجھے اپنی رویت عطا کر یعنی میں آنکھ سے تجھے دیکھوں" ظاہر ہے کہ ایک بزرگ نبی خود خدا کو ظاہری آنکھ سے دیکھنے کی تو درخواست نہیں کر سکتے، اس لیے رویت کا مطلب وہی ہوگا جو رائی یعنی دیکھنے والے اور مرئی جسے

دیکھا جائے' دونوں کے مناسبِ حال ہو اور اللہ کی ایسی رؤیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ بہرحال حضرت موسٰی علیہ السلام نے اللہ تعالٰی سے کہا: رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ۔ تو جواب آیا: لَنْ تَرٰىنِیْ۔ شاید اس کا یہ مطلب تھا کہ جب تک تم موسٰیؑ ہو یعنی تمہاری ہستی فنا نہیں ہو جاتی' تم مجھے نہیں دیکھ سکتے ۔ لیکن حق تعالٰی نے موسٰی علیہ السلام کو مایوس نہیں کیا' اس لیے مزید کہا: اُنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ پہاڑ کی طرف دیکھو۔ اس پہاڑ کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس سے کوہِ طور مراد ہے؟ کیا جو تجلّی موسٰی علیہ السلام پر نہیں ہو سکتی تھی' اس پہاڑ پر ہو سکتی تھی؟ کیا اس وقت اگر کچھ لوگ کوہِ طور پر موجود ہوتے تو وہ بھی اس تجلّی کو دیکھتے؟ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ اور اُنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ میں ایک وعدہ ہے۔ ایک ملاقات کا ذکر ہے۔ فرمایا: تم نہیں دیکھ سکتے وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ۔ "لیکن پہاڑ کی طرف دیکھو۔ اگر یہ اپنی جگہ پر رہا تو تم مجھے دیکھو گے۔" احتمال یہ ہے [illegible] نگر رہنے سے مراد وہیں ٹوٹ پھوٹ جانا ہو اور پہاڑ سے مراد حضرت [illegible] السلام کے نفس میں جو کچھ انانیت باقی رہ گئی تھی وہ ہو۔ تجلّی کے نتیجے [illegible] ہاڑ ڈھے گیا' یعنی وہ انانیت کی حالت بالکل ختم ہو گئی وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا یعنی موسٰی علیہ السلام فنائیت کے درجے تک پہنچ گئے۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کا یہ واقعہ ہمارے لیے تو محض ایک قصہ ہے لیکن انبیاءؑ کے لیے ایک مشاہدہ اور تجربہ ہے۔ چونکہ ہم ابھی تک انانیت کے ظلمت کدہ میں اسیر ہیں' اس لیے یہ تجربہ ہمارے لیے قصہ کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ پہاڑ اور طور کی بات ہم جیسوں کے لیے کی گئی ہے۔

تجلّی کے معنی

ہم جیسوں کے خیال میں تجلّی ایک نور تھا جسے حضرت موسٰی علیہ السلام نے کوہِ طور پر دیکھا۔ دوسروں نے بھی شاید دیکھا ہو۔ کیا خوب! گویا وہ بھی کوئی ایسا نور تھا جسے سب محسوس کر سکتے اور دیکھ سکتے تھے۔ جبرئیلِ امین رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے لیکن کیا وہاں موجود دوسرے لوگ بھی اسے سن سکتے تھے؟ ہم اصلیت کی پرچھائیں سے بھی غافل ہیں۔ ہمارا علم دُور سے سنی سنائی باتوں تک محدود ہے۔

انبیاءؑ کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے کوئی خواب دیکھا ہو یا کوئی مشاہدہ کیا ہو لیکن نہ تو وہ خود اپنی بات کہہ سکتا ہو اور نہ دوسروں میں اس کی بات سمجھنے کی صلاحیت ہو۔ یہی حال انبیاءؑ کا ہے کہ نہ وہ

کہہ سکتے ہیں' نہ ہم سمجھ سکتے ہیں۔ اُنھوں نے کہا ہے لیکن ہمارے لیے نہیں کیونکہ ہم صرف وہی باتیں سمجھ سکتے ہیں جو ہمارے سمجھنے کی ہیں۔ قرآن میں سب کچھ ہے' شرعی اور ظاہری احکام بھی اور وہ قصے بھی جن کے مغز تک تو ہماری رسائی نہیں البتہ ہم ان کا ظاہری مطلب سمجھ لیتے ہیں۔ کچھ باتیں ایسی ہیں کہ ان سے ایک حد تک تو سب استفادہ کر سکتے ہیں لیکن اِنَّمَا یَعْرِفُ الْقُرْاٰنَ مَنْ خُوْطِبَ بِهٖ (قرآن کو وہی سمجھتا ہے جو اس کا مخاطب ہے) صحیح استفادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کر سکتے تھے۔ دوسرے اس سے محروم ہیں البتہ وہ نفوسِ قدسیہ جنہیں آپ نے تعلیم دی اور وہ اولیاء جو آپ کی تعلیم سے بہرہ مند ہوئے وہ ضرور سمجھتے ہیں۔

قرآنِ پاک روح الامین کے توسط سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلبِ مبارک پر نازل ہوا جیسا کہ خود قرآن میں ہے کہ: نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰى قَلْبِكَ ۔ اور ہر بار اس کا نزول پہلے سے متنزل حالت میں ہوا یہاں تک کہ رسولِ اکرمؐ تک پہنچا۔ خود رسولِ اکرمؐ نزول کے اس مقامِ تنزل پر ہیں جو ایک ایسا مقام ہے کہ خود 'اُس' سے لیتے ہیں۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ۔ (ہم نے اس کو نازل کیا شبِ قدر میں) یعنی ہر شبِ قدر میں وہی جلوہ نازل ہوتا ہے لیکن مقامِ تنزل میں اونچے مقام پر روح الامین ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے قلب پر وارد ہوتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ بہ اعتبارِ مراتب نازل ہو' ایک بطن سے دوسرے بطن میں اور اس حد سے اس حد تک اور یہاں تک پہنچ جائے کہ الفاظ کی شکل اختیار کرلے۔

قرآن کی ماہیت

اصل میں قرآن الفاظ کے مجموعہ کا نام نہیں ہے۔ نہ کوئی ایسی چیز ہے جس کو دیکھا یا سنا جا سکے یا الفاظ میں ادا کیا جا سکے۔ نہ وہ کسی کیفیت کا نام ہے لیکن اسے ایک آسان شکل دیدی گئی ہے تاکہ ہم جیسے اندھے اور بہرے بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔ جو لوگ قرآن سے واقعی مستفید ہوتے تھے' ان کی تربیت ایک بالکل مختلف انداز پر ہوئی تھی۔ ان کو کتاب اللہ سے فیض حاصل کرنے کا طریقہ بھی کچھ اور ہی تھا۔ جس

سرچشمہ سے قرآن نازل ہوا ہے، اس سرچشمہ کی طرف ان کی توجہ کی نوعیت بھی اس صورتِ حال سے مختلف تھی جو ہمارے یہاں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جلوہ عالمِ غیب سے ظاہر ہوتا ہے اور درجہ بدرجہ متنزل ہو کر عالمِ طبیعی تک پہنچتا ہے۔ جس طرح عالمِ طبیعی یا عالمِ جسمانی وظاہری میں اور عالمِ غیب کے بے شمار مراتب اور مدارج میں فرق ہے، اسی طرح ہم جیسوں کے ادراک میں اور اُن کے ادراک میں جو ہم سے بالاتر ہیں، اور اُن کے ادراک میں جو اُن سے بھی بالاتر ہیں اور پھر اُن کے ادراک میں جو اور بھی بالاتر ہیں، فرق ہے۔ ادراک کا بلند ترین مرتبہ اولیاء خاصانِ خدا اور انبیاءؑ کو حاصل ہے۔ وہ اس مرتبے پر ہیں کہ ان کے لیے وہ جلوہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا تھا اور جس کا ذکر قرآن میں ہے: تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ اور دُعائے سمات میں ہے کہ بِنُورِ وَجْهِكَ الَّذِىْ تَجَلَّيْتَ لِلْجَبَلِ اسی سلسلے میں جب درخت پر تجلّی ہوئی تو آواز آئی: يَا مُوسٰى إِنِّىْ أَنَا اللّٰهُ یہ سب صحیح ہے۔ ان میں سے ہر چیز اپنی جگہ مکمل ہے۔ رہا یہ سوال کہ اگر ہم قرآن کو سیکھنا چاہیں تو کیا کریں، تو اس معنی میں یہ مسائل سیکھنے سکھانے کے نہیں ہیں۔

قرآن کی تفسیر

جب ہم قرآن اور اس کی تفسیر پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں تو ہمارے سامنے یہی مشہور اور متداول تفاسیر ہوتی ہیں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ ان میں سے بعض تفاسیر میں ان مضامین کا بھی کچھ ذکر ہے لیکن اس کی صورت اندھے بہروں کے پڑھنے پڑھانے کی ہے۔ قرآن میں سب مسائل موجود ہیں لیکن اُسی کے لیے جو اُس کو سمجھ سکے۔ إِنَّمَا يَعْرِفُ الْقُرْآنَ مَنْ خُوطِبَ بِهٖ (قرآن کو وہی جانتا ہے جو اُس کا مخاطب ہے)۔ اس مرتبہ کی طرف قرآن کی ان آیات میں اشارہ ہے: نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلٰى قَلْبِكَ اور إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا جو قرآن کے مخاطبِ اولین ہیں کوئی اور قرآن کی حقیقت کا مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ یہاں سوال عقلی ادراک کا نہیں۔ دلیل و برہان کا یہاں کچھ دخل نہیں۔ یہ تو مشاہدہ کا سوال ہے اور مشاہدہ بھی قلبی مشاہدہ۔ یہ مشاہدہ نہ آنکھ سے ہوتا ہے نہ ذہن سے اور نہ ہی عقل سے بلکہ یہ قلب سے ہوتا ہے اور قلب بھی نبی کا جو قلبِ عالم ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کی حقیقت کا مشاہدہ کیا ہے۔ وہ قرآن کے مخاطب کی حیثیت سے اسے جانتے پہچانتے ہیں۔ مگر وہ بھی صرف مثالوں کے پیرائے میں اور الفاظ کے پردے میں ہی بیان

کر سکتے ہیں۔ جو آدمی اندھا ہو ہم اسے کیسے سمجھا سکتے ہیں کہ سورج کی روشنی کیا ہے؟ ہم اس کو کس زبان سے سمجھائیں گے؟ ہم الفاظ کہاں سے لائیں گے؟ صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ روشنی سے اُجالا ہو جاتا ہے۔ وہ جس نے نور دیکھا ہے، اُسے جس نے نور نہیں دیکھا کیا بتلائے؟ جس کی زبان میں گرہ ہے وہ اس سے کیا کہے جس کے کانوں میں گرہ ہے۔ انبیاءؑ کی زبان میں ایسی ہی گرہ تھی اور اس لیے تھی کہ سننے والوں میں ان کی بات سننے اور سمجھنے کی صلاحیت مفقود تھی۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُلجھن

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس گرہ کی وجہ سے سب سے زیادہ اُلجھن اور پریشانی کا سامنا تھا۔ آپ کو پریشانی یہ تھی کہ جو قرآن آپ کے قلب پر وحیِ الٰہی کے ذریعہ نازل ہوا تھا۔ آپ اسے کس کو سمجھائیں؟

شاید بہت سی باتیں سوائے اس شخص کے جو ولایتِ تامّہ کے درجے پر فائز تھا اور کسی کے سامنے بیان نہیں کی جا سکتی تھیں۔ اگر یہ روایت صحیح ہے کہ آپ نے فرمایا: مَا أُوذِىَ نَبِىٌّ مِثْلَ مَا أُوذِيْتُ (کسی نبی نے ایسی تکلیف نہیں اٹھائی جیسی کہ میں نے اٹھائی ہے)، تو ممکن ہے اس کے ایک معنی یہ بھی ہوں کہ جو کچھ آپ دوسروں تک پہنچانا چاہتے تھے، وہ نہیں پہنچا سکتے۔ اگر کسی شخص تک کوئی بات پہنچے اور وہ اسے دوسروں تک پہنچانا چاہے مگر نہ پہنچا سکے، تو ظاہر ہے کہ اسے اس کا شدت سے احساس ہوگا کہ اُسے دُوسروں سے بہت زیادہ معلوم ہے مگر خواہش کے باوجود وہ ان تک اپنی بات نہیں پہنچا سکتا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی باپ چاہتا ہے کہ اس کا بچہ سورج کو دیکھے لیکن بچہ نابینا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسے اس کا کتنا احساس ہوگا؟ باپ دل و جان سے چاہتا ہے کہ بچے کو سمجھائے لیکن آخر کیا کہے کہ بچہ سورج اور اس کی روشنی کو سمجھ لے؟ مفہوم کو جس عنوان سے بھی بیان کرے، مفہوم واضح نہیں ہو سکتا۔ وہ بچے کے نابینا ہونے اور الفاظ کی نارسائی کے سبب سے مجبور ہے۔

اَلْعِلْمُ هُوَ الْحِجَابُ الْأَكْبَرُ یعنی سب سے بڑی رکاوٹ یہی علم ہے جو انسان کو عقلی مسائل اور کلیات میں اُلجھا کر معرفت کی راہ پر

چلنے سے باز رکھتا ہے۔ اولیاء کے لیے تو علم سب سے بڑا حجاب ہے۔ علم جتنا زیادہ ہوگا، اتنی ہی بڑی رکاوٹ ثابت ہوگا۔ انسان چونکہ خود پرست ہے اس لیے وہ اپنے محدود علم پر پھولا نہیں سماتا اور سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہے یہی ہے۔ ہاں اگر اللہ توفیق دے اور آدمی جلد اپنی خام خیالی سے باز آجائے تو اور بات ہے۔

علم میں اجارہ داری کا رجحان

جس شخص نے جو علم پڑھ اور سیکھ لیا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ یہی علم سب کچھ ہے اور سب کمالات اسی پر موقوف ہیں۔ فقیہ سمجھتا ہے کہ فقہ کے سوا دنیا میں اور کوئی علم ہے ہی نہیں۔ عارف خیال کرتا ہے کہ جو کچھ ہے عرفان ہے۔ فلسفی کا خیال ہے کہ فلسفہ کے ماسوا سب بیکار ہے۔ انجینئر سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہے انجینئری ہی ہے۔ آجکل علم اس کو سمجھا جاتا ہے کہ جس کا ثبوت مشاہدہ اور تجربہ وغیرہ سے ہو۔ باقی کو علم سمجھا ہی نہیں جاتا۔ غرض علم ہم سب کے لیے ایک بڑا حجاب ہے۔ اگرچہ اور بھی بہت سے حجابات ہیں لیکن علم حجاب اکبر ہے۔

جس علم کو چراغ راہ ہونا چاہیے تھا وہی سدِّ راہ ہے۔ جس علم سے ہدایت کی توقع تھی وہی ہدایت کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ سب رسمی علوم کا یہی حال ہے۔ علوم انسان کو وہ کچھ نہیں بننے دیتے جو اُسے بننا چاہیے۔ وہ آدمی میں خود پرستی کی قبیح خصلت پیدا کرتے ہیں۔ غیر تربیت یافتہ ذہن پر علم کا یہی اثر ہوتا ہے کہ وہ آدمی کو پیچھے کی طرف لے جاتا ہے۔ جتنا علم کا انبار بڑھتا جاتا ہے، اس کے نقصانات بھی اتنے ہی زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔ سنگلاخ بنجر زمین میں بیج ڈالنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ بنجر زمین اور وہ غیر تربیت یافتہ دل و دماغ جس پر پردہ پڑا ہوا اور جو خدا کے نام سے گھبراتا ہو، برابر ہیں۔ بعض لوگ فلسفیانہ مسائل سے ایسے ڈر کر بھاگتے ہیں جیسے یہ مسائل کوئی سانپ ہیں، حالانکہ فلسفہ علوم رسمیہ میں شامل ہے اور فلسفی بھی عرفان سے اسی طرح بھاگتے ہیں۔ عارفوں کا بھی یہی حال ہے بلکہ سب ہی علوم کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ:

سراسر قیل است و قال

علوم، اللہ کی یاد میں رکاوٹ بنتے ہیں

مجھے نہیں معلوم کہ ہمیں کیا بننا چاہیے مگر کم از کم کچھ ایسا ہونا چاہیے کہ ہماری تربیت ایسی ہو کہ رسمی علوم خدا کی یاد میں رکاوٹ نہ بنیں۔ یہ خود اپنی جگہ ایک مسئلہ ہے۔ علم میں مشغولی کی وجہ سے یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ہم خدا اور اس کی یاد سے غافل ہو جائیں۔ یہ نہ ہو کہ علم میں مشغولی کے سبب ہم میں ایسا

غرور پیدا ہو جائے جو ہمیں سرچشمۂ کمال سے دُور کردے۔ اس طرح کا غرور دانشوروں میں عام ہے خواہ ان کا تعلق طبی علوم سے ہو خواہ شرعی یا عقلی علوم سے ہو۔ اگر قلب کا تزکیہ نہ ہو تو ایسا غرور پیدا ہونا قدرتی بات ہے جو انسان کو قطعاً خدا سے دُور رکھتا ہے۔

جب آدمی مُطالعہ میں مشغول ہوتا ہے اس وقت تو وہ مطالعہ میں مستغرق ہوتا ہے لیکن جب وہ نماز میں مشغول ہوتا ہے تو وہ نماز میں مستغرق نہیں ہوتا۔ یہ کیا بات ہے؟ اللہ بخشے میرا ایک دوست تھا۔ وہ جب کوئی بات بھول جاتا تھا تو کہتا تھا، مجھے یہ بات یاد نہیں آرہی۔ ذرا نماز کے لیے کھڑا ہو جاؤں تو پھر یاد آجائیگی۔ گویا جب آدمی نماز شروع کرتا ہے تو وہ بالکل نماز میں نہیں ہوتا۔ اس کی توجہ خدا کی طرف نہیں ہوتی۔ اس کا دل کہیں اور ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ کسی علمی مسئلہ ہی کو حل کرنے کی فکر میں ہو۔ وہی علم جو مقصد تک پہنچنے کا ذریعہ تھا، انسان کو مقصد تک پہنچنے سے روکتا ہے۔ علم شرعی ہو، علم تفسیر ہو یا علم توحید یہ سب ایک غیر تربیت یافتہ اور غیر تزکیہ شدہ انسان کے لیے رکاوٹ بن جاتے ہیں اور مقصد تک پہنچنے میں مانع ہوتے ہیں۔ علوم شرعیہ ہوں یا مسائل شرعیہ یہ سب عمل کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔ خود عمل بھی ذریعہ ہی ہے، مقصد نہیں۔ اصل مقصد یہ ہے کہ نفس بیدار ہو جائے اور ظلمانی حجابات سے نکل کر نُورانی حجابات تک پہنچ جائے جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ اِنَّ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ نُور کے ستر ہزار حجاب ہیں۔ ظلمت کے بھی ستر ہزار ہی حجاب ہیں اور جو نور کے حجاب ہیں، وہ بھی آخر حجاب ہی ہیں۔ ہم ابھی ظلمانی حجابوں سے بھی باہر نہیں نکلے۔ نُورانی حجاب تو دُور کی بات ہے۔ ہم تو ابھی تک ظلمانی حجابات ہی میں پڑے کلبلا رہے ہیں۔ اللہ ہی جانے ہمارا کیا انجام ہوگا؟

علوم نے بھی ہمارے نفوس پر کچھ بُرا ہی اثر ڈالا ہے۔ ان میں چاہے شرعی علوم ہوں یا وہ عقلی علوم جن کو یہ بیچارے اندھیروں میں بھٹکے ہوئے ذہنیات کا نام دیتے ہیں۔

ذہنیات اور عینیات

یہ لوگ عقلی علوم کو ذہنیات کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کا خارج میں

وجود نہیں۔ بہرحال سب علوم مقصد تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔ جو علم اصل مقصد تک پہنچنے میں رکاوٹ ہے، وہ علم ہی نہیں ہے۔ جو علم آدمی کو اس مقصد سے دُور رکھے جس کے لیے انبیاءؑ آئے ہیں، وہ حجاب ہے، ظلمت ہے۔ انبیاءؑ اس لیے آئے ہیں کہ وہ لوگوں کو اس دنیا کی ظلمتوں سے نکال کر نُور کے واحد سرچشمہ تک پہنچا دیں نہ کہ اِس طرف ظلمت ہو اور اس طرف نور بلکہ مطلق نور ہو۔ انبیاءؑ کا ہدف یہ ہے کہ انسان نورِ مطلق میں فنا ہو جائے۔ قطرہ دریا میں مل کر اپنا وجود کھو دے۔ یاد رہے کہ یہ مثال بھی صورتِ حال پر پُوری طرح منطبق نہیں ہے۔

تمام انبیاءؑ اسی غرض سے آئے ہیں۔ تمام علوم اسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ اصل وجود اسی نُور کا ہے۔ ہم محض عدم ہیں۔ ہماری اصل وہاں سے ہے۔ عینیت یعنی وجود نور سے ہے کہ سب انبیاءؑ اسی لیے آئے ہیں کہ ہمیں ظلمتوں سے نکال کر نُورِ واحد تک پہنچا دیں۔ ظلمانی اور نورانی حجابات سے نکال کر نورِ مطلق سے ملا دیں۔

کبھی کبھی علمِ توحید یا علمِ کلام بھی حجاب بن جاتا ہے۔ گو اس علم میں حق تعالیٰ کے وجود پر دلائل قائم کیے جاتے ہیں لیکن یہ دلائل بھی بعض اوقات خدا سے دُور کر دیتے ہیں۔ انبیاءؑ کا یہ طریقہ نہیں تھا۔ اولیاء اور انبیاءؑ اس طرح دلائل نہیں دیتے تھے۔ وہ دلائل سے واقف تھے لیکن واجب الوجود کو ثابت کرنے کے لیے اُن کا طریقہ بُرہانی نہیں تھا۔

سید الشہداء امام حسین علیہ السلام خدا سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: هَتّٰی غِبْتَ؟ تو غائب ہی کب تھا؟ (جس کے وجود کو ثابت کرنے کی ضرورت ہو)
اندھی ہو جائے وہ آنکھ جو یہ نہ دیکھے کہ تو موجود ہے اور تو اُسے دیکھ رہا ہے۔ واقعی ایسی آنکھ اندھی ہے۔

خُدا کے لیے قیام

قیام کا پہلا درجہ یہ ہے: قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ۔ "کہہ دیجیے: میں تم کو ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں اور وہ یہ کہ اللہ کے لیے قیام کرو۔" اصحابِ سَیر نے اسے پہلی منزل قرار دیا ہے لیکن شاید یہ تمہید ہی ہو اور منزل نہ ہو۔ منازل السائرین میں بھی اسے پہلی منزل قرار دیا گیا ہے لیکن ممکن ہے کہ یہ دراصل تمہید ہو اور منزل بعد میں آئے۔ پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ایک محبوب شخصیت کے توسط سے فرماتا ہے کہ میں تمہیں فقط ایک نصیحت کرتا ہوں اور وہ یہ کہ تم اللہ کے لیے قیام کرو۔ یہیں سے سب باتیں اور سب مسائل شروع

ہوتے ہیں کہ آدمی جاگ جائے اور اللہ کے لیے اُٹھ کھڑا ہو۔ جو لوگ نیند کے ماتے ہیں، سو رہے ہیں، بے ہوش ہیں، اُن سے کہا گیا ہے کہ بس ایک کام کرو اور وہ یہ کہ خدا کے لیے قیام کرو اور یہ قیام صرف خدا کے لیے ہو۔ یہی وہ ایک نصیحت ہے جس پر ہم نے ابھی تک کان نہیں دھرا اور خدا کے لیے چلنا شروع نہیں کیا۔ ہم چلتے ہیں لیکن اپنے لیے۔ جو لوگ بہت اچھے اور نیک ہیں، وہ بھی اپنے ہی لیے ہیں۔ کچھ اولیاءؑ البتہ ہیں جن کا طریقہ مختلف ہے۔ یہ نصیحت ہمارے لیے ہے جو سو رہے ہیں۔ وہ تو عالمِ بالا میں پہنچ چکے۔ ہمیں بھی وہیں لے جایا جائے گا۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہم یہیں رہیں گے۔ جو موکل فرشتے ہمارے قویٰ پر مسلط ہیں وہ ہمیں اس طرف لیجا رہے ہیں۔ یہ قویٰ خود ہمیں ہماری زندگی کی ابتدا ہی سے اس طرف دھکیل رہے ہیں۔ ایک اور جگہ لیجا رہے ہیں۔ ہم جائیں گے لیکن کیا ان ہی ظلمتوں اور حجابوں کے ساتھ چلے جائیں گے؟

دنیا کی محبت فتنوں کی جڑ ہے

دنیا کی محبت سب چیزوں کا سرچشمہ ہونے کے ساتھ ساتھ سب غلطیوں کی جڑ بھی ہے حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ۔ مشہور مقولہ ہے۔ دنیا کی محبت کی وجہ سے بعض اوقات آدمی کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ موحد ہونے کے باوجود اگر اُسے یہ خیال ہو جائے کہ خدا نے فلاں چیز اس سے لے لی ہے تو اس کے دل میں کدورت پیدا ہو جاتی ہے۔

کہتے ہیں کہ جب آدمی کا آخری وقت ہوتا ہے اور وہ اس دنیا سے جانے والا ہوتا ہے تو شیاطین جو نہیں چاہتے کہ آدمی کا ایمان پر خاتمہ ہو، اس کی محبوب چیزیں اس کے سامنے لاتے ہیں مثلاً اگر کوئی طالب علم ہے اور کتابوں سے محبت کرتا ہے تو اس کے سامنے اس کی پسندیدہ کتابیں لاکر کہتے ہیں کہ اپنے عقیدہ سے پھر جاؤ ورنہ ہم ان کتابوں کو آگ لگا دیں گے۔ یہی صورت اس شخص کی ہوتی ہے جسے اپنے بچے سے محبت ہو یا اور کسی چیز سے دلچسپی ہو۔

یہ مت سمجھیے کہ دنیادار وہ ہیں جن کے پاس مثلاً دولت ہے۔ ہو سکتا

ہے کہ کسی کے پاس بہت دولت ہو لیکن وہ پھر بھی دنیا دار نہ ہو یا مثلاً ایک طالب علم کے پاس فقط ایک کتاب ہو اور اس کتاب سے دل لگاؤ کے سبب وہ دنیا دار ہو۔ دنیاداری کا معیار وہ لگاؤ اور تعلق ہے جو انسان کو دنیا کی چیزوں سے ہو۔ اس لگاؤ کی وجہ سے یہ ممکن ہے کہ آخری وقت میں جب انسان یہ دیکھے کہ وہ اپنی پسندیدہ چیزوں سے جدا ہو رہا ہے تو وہ خدا سے دشمنی پر اُتر آئے اور دُشمنِ خدا بن کر اس دنیا سے رخصت ہو اس لیے ضروری ہے کہ لگاؤ کو کم کیا جائے۔ یہ قدرتی بات ہے کہ جب ہم سب کو ایک نہ ایک دن یہاں سے جانا ہے تو دنیا سے لگاؤ ہونے نہ ہونے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔

فرض کیجیے کہ یہ آپ کی کتاب ہے۔ اب اس کتاب سے آپ کو دل لگاؤ ہو یا نہ ہو یہ کتاب آپ ہی کے پاس رہے گی۔ آپ اس سے فائدہ بھی اُٹھا سکتے ہیں۔ آپ اس گھر سے دل لگائیں یا نہ لگائیں یہ گھر آپ ہی کا ہے۔ آپ اسے استعمال کر سکتے ہیں، اس لیے لگاؤ کم کیجیے، جہاں تک ہو سکے لگاؤ ختم ہی کر دیجیے۔ اسی لگاؤ کے سبب مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ دنیا سے لگاؤ آدمی کو اپنی ذات سے محبت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ حُبِّ نفس، حُبِّ دنیا اور حُبِّ جاہ ہی ہے جو انسان کو ہلاکت تک پہنچاتی ہے۔ کرسی کی محبت، محراب و منبر کی محبت یہ سب دنیا ہے۔ دنیا سے لگاؤ ہے۔ یہ سب حجاب ہیں کہ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ہم بیٹھ کر یہ نہ کہنے لگ جائیں کہ جن کے پاس یہ ہے اور وہ ہے وہ لوگ دنیا دار ہیں بلکہ یہ دیکھیں کہ خود ہمارے پاس جو کچھ ہے ہمیں اس سے کتنا لگاؤ ہے۔ ہمارا یہی لگاؤ اور دلچسپی ہے جس کی وجہ سے ہم دوسروں پر اعتراض کرتے ہیں۔

حبِّ نفس

اگر حُبِّ نفس اور خود غرضی نہ ہو تو آدمی دوسروں کی عیب جوئی نہیں کرتا۔ یہ جو ہم میں سے بعض لوگ دوسروں پر نکتہ چینی کرتے ہیں اسکا سبب یہی ہے کہ ہم محبتِ نفس کی وجہ سے اپنے آپ کو مہذب، درست اور مکمل سمجھتے ہیں اور دوسروں کو عیب دار اور ناقص تصور کرتے ہیں اسی لیے ان میں کیڑے نکالتے ہیں۔ ایک شعر ہے۔ میں شعر تو نہیں پڑھوں گا کیونکہ اس پر ایک طرح سے اعتراض ہو سکتا ہے، مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تو ہی کچھ ہوں جو تو کہتا ہے مگر کیا تو بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ تو اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے۔

ہم یہاں جامعہ میں یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم یہاں خدا کے لیے آئے ہیں۔ ہم علم حاصل کرتے ہیں، ہم شریعت کا درس لیتے ہیں۔ ہم جُنداللہ ہیں ہم نے اپنا نام جنداللہ رکھ لیا ہے۔ کیا ہم وہی ہیں جو ہم ظاہر کرتے ہیں؟ کم از کم ظاہر و باطن تو یکساں ہو۔

کیا نفاق اس کے سوا کسی اور چیز کا نام ہے؟ نفاق صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی اپنے آپ کو دیندار ظاہر کرے اور حقیقت میں ابوسفیان کی طرح دیندار نہ ہو۔ یہ بھی نفاق ہے کہ آدمی یہ کہے کہ میں ایسا ہوں اور ویسا ہوں اور در اصل وہ کچھ نہ ہو۔ ایسے لوگ منافق ہیں۔ کچھ منافقت کے اُس درجے پر ہیں اور کچھ اس درجے پر۔ آخری بات یہ ہے کہ جب آدمی دنیا سے جائے تو اس کے متعلق یہ نہ کہا جائے کہ یہ لوگ آخرت کی طرف بُلاتے ہیں مگر دنیا کی طرف نہیں۔ انبیاءؑ کی دعوت بھی وہاں کے لیے تھی مگر وہ دنیا میں بھی عدل و انصاف قائم کرتے تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ خاص، مخلص اللہ والے تھے فرمایا کرتے تھے۔ ليغان على قلبي لاستغفر الله في كل يوم سبعين مرة "اپنے دل میں کدورت آنے کے سبب میں دن میں ستر دفعہ استغفار کرتا ہوں"۔ ایسے شخص کے لیے جو اپنے محبوب کے سامنے دائم الحضور رہنا چاہتا ہو غیروں سے ملنا جلنا کدورت کا باعث ہوتا ہے۔ فرض کیجیے کہ ایک آدمی آپ کے پاس آتا ہے۔ بہت اچھا اور صحیح آدمی ہے۔ وہ آپ سے مسئلہ پوچھنا چاہتا ہے لیکن یہی بات آپ کو اپنے محبوب کے حضور سے باز رکھتی ہے لیکن یہی لمحے آپ کو اس مرتبے سے جس کے آپ خواہاں ہیں، باز رکھتے ہیں۔ اگرچہ مسئلہ بتانا یا ہدایت کرنا آپ کے نزدیک محبوب کے مظاہر میں سے ہے لیکن آپ جو یہ چاہتے ہیں کہ اس مرتبۂ دائم الحضوری میں ہوں اُس سے یہ آپکو باز رکھتا ہے

"اپنے دل میں کدورت آنے کے سبب میں اللہ سے ہر روز ستر بار استغفار کرتا ہوں"۔ اس طرح کے الفاظ رسول اکرمؐ سے منقول ہیں مگر اس قسم کی باتوں میں پڑنا ہمارے لیے حجاب ہے اور اس حجاب سے باہر نکلنا ضروری ہے۔ کم از کم جیسا ہم اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں، ویسے ضرور ہیں۔ اگر ہمارے ماتھے پر سجدہ کا نشان ہے تو پھر ہم نماز میں دکھاوا نہ کریں۔ اگر ہم تقدس کا جامہ پہنے ہوئے ہیں تو سود نہ کھائیں، کسی کو دھوکا نہ دیں، وغیرہ وغیرہ۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ روحانی علوم آدمی کو نکما کر دیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ جس شخص نے لوگوں کو ان روحانی علوم کی تعلیم دی اور جس کی مانند رسول اللہؐ کے بعد کوئی حقائق سے واقف نہیں تھا، اس نے جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی، تاریخ کے مطابق وہ اسی دن اپنا بیلچہ اٹھا کر

کام پر چلا گیا۔ ان باتوں میں باہم کوئی تضاد نہیں ہے۔

جو صاحبان لوگوں کو بخیال خویش دعا، ذکر اور اس طرح کی چیزوں سے روکتے ہیں تاکہ لوگ دنیوی کاموں میں مشغول رہیں وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ انہیں معلوم نہیں کہ یہ دعا وغیرہ ہی ہیں جو آدمی کو انسان بناتی اور اسے جینا سکھاتی ہیں تاکہ دنیا اس سے اس کے شایان شان سلوک کرے۔ انبیاءؑ جو اہلِ ذکر و فکر بھی تھے اور جو نماز اور دعا میں بھی مشغول رہتے تھے، انہوں نے ہی دنیا میں عدل قائم کیا ہے۔

ظالموں کے خلاف قیام بھی انہوں نے ہی کیا ہے۔ یہی کام حضرت امام حسینؑ نے بھی کیا۔ آپ ان کی دعائے یوم العرفہ دیکھیے کہ کیا ہے!

یہی دعائیں ان باتوں کا سرچشمہ ہیں۔ یہی دعائیں انسان کو خدا کی طرف توجہ دلاتی ہیں اور مبدائے غیبی کی طرف منقلب کرتی ہیں۔ اگر انسان دعاؤں کو صحیح طریقے سے پڑھے تو خدا کی طرف توجہ کی برکت سے اس کا اپنی ذات سے لگاؤ کم ہو جاتا ہے لیکن اس سے اس کی کارگزاری پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا بلکہ اس کی سرگرمی بڑھ جاتی ہے لیکن اس کی یہ سرگرمی اپنے لیے نہیں ہوتی۔ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ بندگانِ خدا کی خدمت کے لیے بھی اسے مستعد ہونا چاہیے۔

یہ لوگ دعاؤں کی کتابوں پر جو نکتہ چینی کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بیچارے ناواقف ہیں۔ انہیں معلوم نہیں کہ یہ دعاؤں کی کتابیں کیسے انسان کی تعمیر کرتی ہیں۔ یہ دعائیں ہمارے ائمہؑ سے مروی ہیں جیسے مناجاتِ شعبانیہ، دعائے کمیل، دعائے روزِ عرفہ، دعائے سمات وغیرہ۔ یہ دعائیں کس طرح کے انسان بناتی ہیں؟ جو دعائے شعبانیہ پڑھتا ہے وہ تلوار بھی اٹھاتا ہے۔

روایات کے مطابق دعائے شعبانیہ سب ائمہ پڑھتے تھے۔ میں نے باقی دعاؤں کے متعلق یہ نہیں دیکھا کہ کہیں یہ آیا ہو کہ انکو سب ائمہؑ پڑھتے تھے۔ وہی جو دعائے شعبانیہ پڑھتے تھے تلوار بھی چلاتے تھے اور کفار سے جنگ بھی کرتے تھے۔ یہ دعائیں آدمی کو تاریکی سے نکالتی ہیں اور جب کوئی شخص تاریکی سے باہر آگیا تو وہ انسان بن گیا۔ پھر وہ ہر کام خدا کے لیے کرتا ہے۔ تلوار چلاتا ہے تو خدا کے لیے، قتال کرتا ہے تو خدا کے لیے۔ قیام کرتا ہے تو خدا کے لیے۔ یہ بات بالکل غلط ہے کہ دعائیں آدمی کو نکما اور بیکار کر دیتی ہیں۔ جو حضرات ایسی باتیں کرتے ہیں، ان کے نزدیک جو کچھ ہے یہی دنیا ہے۔ یہاں سے آگے کی ہر بات ان لوگوں کی نظر میں محض خیالی باتیں ہیں لیکن ایک وقت آئیگا جب وہ دیکھیں گے کہ وہ جن باتوں کو محض خیالی کہتے تھے حقیقی وجود ان ہی کا ہے اور در اصل خیالی باتیں وہ ہیں جن کو وہ حقیقی سمجھتے تھے کیونکہ یہی دعائیں، یہی خطبے، یہی نہج البلاغہ اور یہی مفاتیح الجنان (یعنی یہی دعاؤں کی کتابیں) شخصیت کی تعمیر میں آدمی کی مدد کرتی ہیں۔

ہر عمل خدا کے لیے ہونا

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا
غالبؔ

پس جب کوئی آدمی واقعی انسان بن جاتا ہے تو وہ ان مسائل پر خود بخود عمل کرنے لگتا ہے۔ وہ کھیتی کرتا ہے لیکن اس کی کھیتی خدا کے لیے ہوتی ہے، وہ جنگ بھی کرتا ہے لیکن اس کی جنگ کفار اور ظالموں کے خلاف ہوتی ہے۔ یہی لوگ اصحاب توحید اور دعا خواں ہوتے ہیں۔ جو لوگ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین علیہ السلام کے ہم رکاب تھے، وہ عموماً عبادت بھی خوب کرتے تھے۔

خود حضرت امیر المومنین علیہ السلام عین معرکۂ کارزار میں نماز پڑھتے تھے۔ ایک طرف جدال و قتال کا ہنگامہ برپا ہوتا تھا، دوسری طرف وہ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے۔ لڑتے بھی تھے اور نماز بھی پڑھتے تھے۔ ایک دفعہ جب معرکۂ کارزار گرم تھا کسی نے آپ سے کچھ پوچھا۔ آپ کھڑے ہو گئے اور توحید پر تقریر کی۔ کسی نے کہا: اس وقت بھی تقریر؟ آپ نے فرمایا: اسی کے لیے تو ہم جنگ کرتے ہیں۔ حسب روایت آپ نے کہا: ہماری جنگ دنیا کے لیے نہیں ہے۔ ہم معاویہ سے اس لیے جنگ نہیں کرتے کہ شام پر قبضہ کرلیں۔ شام کیا چیز ہے؟

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب امیر علیہ السلام شام و عراق فتح کرنے کے خواہاں نہیں تھے۔ وہ تو یہ چاہتے تھے کہ وہاں کے لوگوں کو انسان بنائیں، لوگوں کو متکبرین سے نجات دلائیں۔ یہی لوگ یہ دعائیں پڑھتے تھے۔ یہ دعائے کمیل جناب امیر علیہ السلام ہی سے منقول ہے۔ کمیل ہی کو دیکھ لیجیے وہ بھی تلوار چلاتے تھے۔

قلوب پر دُعا کا اثر

اس لیے کہ لوگ دعا نہ کریں اور دعائیں اور دعاؤں کی کتابیں نہ پڑھیں، ایک دن ان خبیث لوگوں نے جو "کسروی" جیسے شیطانوں کے پیرو کار تھے، عرفان اور ادعیہ کی کتابیں اکٹھی کر کے انہیں آگ لگا دی۔

وہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ دعا کیا ہے اور انسان کے دل پر دعا کا کیا اثر ہوتا ہے۔ انہیں نہیں معلوم کہ سب خیرات و برکات دعا خوانوں ہی کی وجہ سے ہے۔ یہی لوگ ہیں جو کسی نہ کسی طرح دعائیں پڑھتے اور ذکر خدا کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ توتے کی طرح پڑھتے ہیں۔ پھر بھی کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوتا ہے اور یہ بہرحال ان لوگوں سے بہتر ہیں جو بالکل نہیں پڑھتے۔

ایک نمازی' گو اس کی نماز کتنے ہی گھٹیا درجے کی ہو' بے نمازی سے بہرحال بہتر ہے' وہ زیادہ مہذب ہے۔ وہ چوری نہیں کرتا۔ مجرموں کی فہرست پر نظر ڈالیے اور دیکھیے کہ ان میں کتنے دینی علوم کے طلبہ ہیں اور کتنے دوسرے لوگ؟ کتنے ملاؤں نے چوری' شراب نوشی اور دوسرے جرائم کا ارتکاب کیا ہے؟ البتہ اسمگلروں کے گروہ میں کچھ ملا اور صوفی صورت لوگ ہوتے ہیں لیکن آپ دیکھیں گے کہ وہ بدمعاش نہ نماز پڑھتے ہیں اور نہ کچھ اور کرتے ہیں' انہوں نے فقط اپنا الو سیدھا کرنے کے لیے ایسی صورت بنا رکھی ہے۔ جو لوگ ایسے ہیں کہ دعائیں پڑھتے ہیں اور اسلام کے ظاہری احکام پر عمل کرتے ہیں ان میں ایسے لوگ جن پر کوئی فرد جرم عائد کی گئی ہو یا تو ہیں ہی نہیں یا بہت کم ہیں۔

ان ہی لوگوں سے اس دنیا کا نظام برقرار ہے۔ دعا کو ختم نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بات غلط ہوگی کہ ہمارے نوجوانوں کی توجہ دعاؤں سے یہ کہہ کر ہٹادی جائے کہ ان کے بجائے قرآن کی تلاوت کو رواج دیا جانا چاہیے۔ جو چیز قرآن کی راہ ہموار کرتی ہے اس کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے۔ یہ شیطانی وسوسہ ہے کہ قرآن پڑھنا چاہیے اور دعا اور حدیث کو چھوڑ دینا چاہیے۔

دُعا اور حدیث کے بغیر قرآن

اگر دعا اور حدیث کو چھوڑ کر قرآن کو لانے کی کوشش کی جائے تو یہ لوگ قرآن کو بھی نہیں لاسکیں گے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں دعائیں نہیں قرآن چاہیے وہ کبھی قرآن کو رواج نہیں دے سکتے۔ یہ سب شیطانی وسوسے اور دھوکا دہی کی باتیں ہیں۔ جوانوں کو دیکھنا چاہیے کہ جو لوگ اہل حدیث' اہل ذکر اور اہل دعا تھے' انھوں نے اس معاشرے کی زیادہ خدمت کی ہے یا انھوں نے جن میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تھی اور جو یہ کہتے تھے کہ محض قرآن ہی کافی ہے؟ کس نے زیادہ خدمت کی ہے؟ یہ سب خیرات و مبرات جو آپ دیکھ رہے ہیں' ان ہی مومنین کے کارنامے ہیں۔ یہ سب اوقاف جو خیرات کے لیے یا غریبوں کی دستگیری کے لیے ہیں یہ ان ہی نماز پڑھنے والوں اور قرآن پڑھنے والوں کے عطیات ہیں' دوسروں کے نہیں۔

سابقہ دور کے متمول امرا میں سے جو نمازی تھے انھوں نے ہی مدرسے قائم کیے اور ہسپتال وغیرہ بنوائے۔ یہ طریقہ ختم نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کو رواج دینا چاہیے۔ لوگوں کو اس کی ترغیب دینے کی ضرورت ہے کہ وہ ایسے نیک کاموں کی طرف توجہ باقی رکھیں۔ اس سے قطع نظر کہ یہ دعائیں روحانی کمال حاصل کرنے میں ممد و معاون ہوتی ہیں' یہ ملک کے انتظام میں بھی مدد دیتی ہیں۔ ملک کے نظم و نسق کے لیے کبھی اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ آدمی جاکر چوروں کو پکڑے اور کبھی اس کی کہ خود چوری نہ کرے۔ جو لوگ مسجدوں میں جاتے اور دعائیں کرتے ہیں وہ قانون شکنی نہیں کرتے اور امن عامہ میں خلل نہیں ڈالتے۔ یہ خود معاشرے کی ایک بڑی خدمت ہے۔ معاشرہ افراد سے بنتا ہے۔ فرض کیجیے اگر معاشرے میں آدھے افراد بھی ایسے ہوں جو دعا' ذکر وغیرہ میں مشغولی کے سبب جرائم سے اجتناب کریں تو کتنی اچھی بات ہے۔

مثلاً ایک کاریگر ہے' وہ اپنا کام کرتا ہے' روزی کماتا ہے اور کوئی گناہ نہیں کرتا مگر جو لوگ قتل و غارتگری کرتے ہیں' انہیں روحانی امور سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ اگر روحانیت سے دلچسپی ہوتی تو وہ ایسے کام نہ کرتے۔

معاشرے کی تربیت ان ہی دعاؤں وغیرہ سے ہوتی ہے۔ یہ دعائیں خدائی اور اس کے رسول کی بتلائی ہوئی ہیں۔ اسی کو ایک جگہ اس طرح بیان کیا گیا ہے: قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ۔ کہہ دیجیے: اگر تمہاری دعا نہ ہو تو میرے پروردگار کو تمہاری کوئی پروا نہیں ہوگی۔ اگر آپ قرآن پڑھتے ہیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ قرآن خود دعا کی تعریف کرتا ہے۔ لوگوں کو دعا کی ترغیب دیتا ہے۔ کہتا ہے کہ اگر تم دعا نہ کرتے ہوتے تو ہمیں تمہاری کوئی پروا نہ ہوتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ قرآن کو بھی نہیں مانتے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہمیں دعا نہیں چاہیے' اسے قرآن سے بھی دلچسپی نہیں یعنی وہ قرآن کو مانتا ہی نہیں۔ قرآن میں تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اُدْعُونِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ لوگوں کو چاہیے کہ مجھے پکاریں اور مجھ سے دعا مانگیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اہل دعا' اہل ذکر اور اہل قرآن میں شامل فرمائے!

ہم نے اب تک بسم اللہ کے بارے میں جو گفتگو کی ہے' اس سے ایک بات اور معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ بسم اللہ کی 'با' سببیت کے معنی میں نہیں' جیسا کہ اہلِ ادب کہتے ہیں۔ دراصل حق تعالیٰ کی فاعلیت میں سببیت و مسببیت اور علیت و معلولیت ہے ہی نہیں۔ خالق و مخلوق کے درمیان رشتہ کی بہترین تعبیر وہی ہے جو قرآن میں ہے۔ قرآن میں اسے کہیں تجلی سے تعبیر کیا گیا ہے تَجَلّٰی رَبُّہٗ کہیں ظہور کہا گیا ہے اور کہیں حق تعالیٰ کے متعلق کہا گیا ہے: هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ۔ یہ معاملہ سببیت و مسببیت سے مختلف ہے کیونکہ سببیت و مسببیت میں ایک تمایل کا رجحان پایا جاتا ہے جو ذاتِ باری تعالیٰ کے مناسب نہیں ہے۔ اس لیے حق تعالیٰ اور موجودات کا جو رشتہ ہے اس کے لیے یہ تعبیر صحیح نہیں۔

اس لیے ہم یا تو سببیت کے معنی کو اتنی وسعت دیں کہ اس میں تجلی اور ظہور بھی شامل ہو جائیں یا پھر یہ کہیں کہ یہاں 'با' سببیت کی نہیں ہے اور بسم اللہ کذا کے معنی ہیں۔ بظھورہ کذا، یا تجلی کذا یا الحمد بسم اللہ یا کچھ اور اسی طرح کی تقدیرِ عبارت مراد لی جائے۔ اسی طرح بسم اللہ الحمد للہ کے یہ معنی نہیں کہ اسم سبب ہے اور حمد مسبب۔ بہرحال مجھے تو یاد نہیں پڑتا کہ مسببیت اور علیت کے الفاظ قرآن و سنت میں کہیں آئے ہوں۔ یہ ایک فلسفیانہ اصطلاح ہے جو فلاسفہ کی زبان پر ہے۔ اس معنی میں قرآن و سنت میں علیت اور سببیت کے الفاظ نہیں آئے بلکہ خلق' ظہور اور تجلی وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

ایک پہلو اور بھی ہے اور اس کے بارے میں بھی ایک روایت ہے۔ یہ با کے نیچے نقطہ کا معاملہ ہے۔ ایک روایت ہے' معلوم نہیں کہ یہ روایت کہیں آئی ہے یا نہیں۔ شواہد تو یہی ہیں کہ یہ روایت کہیں نہیں آئی۔ بہرحال ایک روایت ہے کہ حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا "انا النقطة تحت الباء" کہ با کے نیچے کا نقطہ میں ہوں۔ اگر یہ روایت واقعی کہیں آئی ہو تو اس کی تاویل یوں کی جاسکتی ہے کہ با کے معنی ہیں ظہورِ مطلق۔ نقطہ سے مراد ہے اس کا تعینِ اول جو عبارت ہے مقامِ ولایت سے۔ اگر اس قسم کی بات کہیں آئی ہے تو ممکن ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کا مقصد یہ ہو کہ مقامِ ولایت (ولایتِ کلی کے معنی میں) ظہورِ مطلق کا تعینِ اول ہے۔ جس طرح نقطہ 'با' کا تعین کرتا ہے۔

اسم تجلی مطلق ہے

اسم تجلی مطلق ہے۔ اس کا اولین تعین ولایتِ احمدی و علوی وغیرہ سے ہوتا ہے۔ اگر یہ بات کہیں حدیث میں نہ بھی آئی ہو جب بھی مسئلہ اسی طرح ہے۔ تجلی مطلق کے تعینِ اول سے مراد وجود کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے اور وجود کا

اعلیٰ ترین مرتبہ ولایتِ مطلقہ ہے۔ صورت یہ ہے کہ اسم الٰہی کبھی مقامِ ذات کا عنوان ہوتا ہے۔ مقامِ ذات کا جامع اسم "اللہ" ہے اور کبھی صفات کے ظہور کا جیسے رحمانیت' رحیمیت وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب اسماء' اسم اعظم اللہ کی تجلیات ہیں۔ ان میں سے بعض اسماء مقامِ ذات کے نام ہیں' بعض اسماء تجلیاتِ فعلی ہیں۔ پہلی قسم کے اسماء کو مقامِ احدیت' دوسری قسم کے اسماء کو مقامِ واحدیت اور تیسری قسم کے اسماء کو مقامِ مشیّت کہا جاتا ہے۔ یہ سب اصطلاحات ہیں۔ سورۂ حشر کے آخر کی تین آیات میں اسماء کی شاید یہی تقسیم ہے۔

(۱) هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (۲) هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (۳) هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ

احتمال یہ ہے کہ ان تین آیات میں اسماء کے انہی تین مقامات کی طرف اشارہ ہے۔ پہلی آیت میں وہ اسماء ہیں جو مقامِ ذات کے مناسب ہیں۔ دوسری آیت میں وہ اسماء ہیں جو تجلیٔ اسمی سے مناسبت رکھتے ہیں اور تیسری آیت میں وہ اسماء ہیں جو تجلیٔ فعلی سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اب جلوۂ الٰہی کے تین درجے ہوئے۔ ایک جلوۂ ذات برائے ذات' دوسرا جلوہ در مقامِ اسماء اور تیسرا جلوہ در مقامِ ظہور۔ شاید هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ سے ہر دوسری ہستی کی نفی ہوتی ہے کیونکہ اول بھی وہی ہے اور آخر بھی وہی هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہور جو کچھ ہے وہی ہے' یہ نہیں کہ ظہور اس سے ہے۔ وہی اول ہے' وہی آخر ہے۔ وہی ظاہر ہے' وہی باطن ہے۔

جلوہ' جلوے والے سے جدا نہیں

جلوے کے مراتب ہیں لیکن یہ نہیں ہے کہ جلوہ جلوے والے سے الگ کوئی چیز ہو۔ گو اس کا تصور مشکل ہے لیکن تصور کے بعد اس کی تصدیق آسان ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ "اللہ" اس تجلی کا نام ہو جو مقامِ صفات میں ہے۔

اگر ایسا ہو تو بسم اللہ میں اسم سے مراد تجلی کے عمومی جلوے کا ظہور ہوگا جن دو احتمالوں کا ہم نے پہلے ذکر کیا تھا ان کے انطباق میں اس صورت میں بھی کوئی دشواری نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات سے جُدا نہیں ہیں۔ ان مسائل و مباحث کے ضمن میں ایک ضروری بات یہ ہے کہ کبھی تو ہم کسی واقعہ کو اس نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں کہ ہمارا ادراک کیا کہتا ہے اور کبھی اس لحاظ سے کہ عقل کیا کہتی ہے اور کبھی اس لحاظ سے کہ دل کا تاثر کیا ہے اور کبھی ہم اصل واقعہ کو مقامِ شہود میں دیکھتے ہیں۔ سب روحانی امور کا یہی حال ہے۔

ہمارے ادراک کی آخری حد یا تو ادراکِ عقلی ہے یا ادراکِ برہانی یا نیم برہانی۔ ہم واقعہ کا ادراک اپنی عقل کے مطابق کرتے ہیں۔ ان مسائل میں ایک درجہ یہ ہے کہ ہم بس اتنا سمجھ لیں کہ اللہ کی ذات مقدس اور اس کا جلوہ ہے۔ ہم جس طرح بھی ادراک کریں، آخر میں بات یہیں تک رہتی ہے۔

اصل حقیقت صرف ذاتِ مقدس اور اسکا جلوہ ہے

اصل مسئلہ صرف ذاتِ مقدس اور اس کے جلوے کا ہے۔ رہی یہ بات کہ مقامِ ذات، مقامِ صفات یا مقامِ فعل میں اس کی تجلی کی نوعیت کیا ہے تو جو آیات ہم نے نقل کی ہیں ان سے اتنا ہی پتا چلتا ہے کہ هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ۔ مسئلہ کی حقیقت یہی ہے کہ حق تعالیٰ کے مقابل کوئی دوسرا وجود نہیں۔ وجودِ مطلق کے مقابل کسی وجود کا ہونا ہے بھی بے معنیٰ بات۔ ہم کبھی کبھی اپنے ادراک کے مطابق کچھ حساب لگاتے ہیں کہ ہمارا اپنا ادراک کیا ہے، ہماری عقل کیا کہتی ہے اور کیا ہمارا ادراکِ عقلی ہمارے دل میں اس حد تک جاگزیں ہو گیا ہے کہ نہیں کہ اس کا نام ایمان ہو جائے اور آیا ہم نے اپنا روحانی سفر شروع کر دیا ہے یا نہیں کہ اس کا نام عرفان یا معرفت ہو جائے۔ اسی طرح اور جو کچھ انسان کے بس میں ہو۔ بہرحال یہ معاملہ واقعات کی نسبت ہمارے ادراک کا ہے۔

اصل حقیقت جو کچھ ہے وہی ہے

غور کرنے سے حقیقت یہی معلوم ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا اور کچھ نہیں۔ جو کچھ ہے، وہی ہے۔ اس کا جلوہ بھی خود وہی ہے۔ ہم کوئی ایسی مثال نہیں دے سکتے جو اصل حقیقت پر منطبق ہو جائے۔ ظل اور ذی ظل (سایہ اور جس کا سایہ ہو) کی مثال بھی ناقص ہے۔

ذات اور جلوے کی مثال دریا اور موج کی ہے

شاید سب مثالوں سے نزدیک ترین مثال دریا اور موجِ دریا کی ہے۔

موج دریا سے الگ نہیں لیکن موج تو دریا ہے لیکن دریا موج نہیں ہے۔ جب دریا متموج ہوتا ہے تو اس میں موجیں اٹھتی ہیں۔ جب ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں دریا اور اس کی موجیں الگ الگ محسوس ہوتی ہیں لیکن موج ایک عارضی چیز ہے کہ وہ پھر دریا میں مل جاتی ہے۔ دراصل دریا کے علاوہ کوئی چیز نہیں دنیا کی موج بھی دریا ہی ہے۔ یہ دنیا بھی ایک موج کی طرح ہے۔

بہرحال یہ مثال بھی اسی قسم کی ہے جس کے متعلق کسی نے کہا ہے کہ:

خاک بر فرقِ من و تمثیلم

دراصل کوئی مثال ہے ہی نہیں۔ ہم اپنے ادراک کے مطابق ان مسائل پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔ ایک تو ان مسائل کے کلی تصورات ہیں جیسے اسمِ ذات، اسمِ صفات، اسمِ افعال اور فلاں فلاں مقام۔ یہ سب مفہوم ہیں جن کا ادراک کیا جا سکتا ہے۔ دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ ادراک کے بعد ان مفہوموں کو دلیل اور برہان سے ثابت کیا جائے کہ حقیقت یہی ہے۔ اس کا ثبوت دیا جائے کہ حق تعالیٰ کی ذات اور اس کا جلوہ الگ الگ نہیں ہیں۔ جب اس امر کے دلائل دیے جاتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ خالص وجود ہے، وجودِ مطلق ہے اور وجودِ مطلق بلا تعین ہے۔ اس کے وجود کے ساتھ کوئی قید نہیں لگائی جا سکتی اور نہ کسی طرح اس کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر وجود کسی طرح محدود ہو یا اس میں کوئی نقص ہو تو وہ وجودِ مطلق نہیں ہو سکتا۔ وجودِ مطلق وہی ہے جس کا تعین نہ ہو اور جس میں کوئی نقص اور کمی نہ ہو۔ جب وجودِ مطلق ہر طرح کے نقص اور تعین سے مبرا ہوگا تو لامحالہ تمام وجود ہوگا۔ "تمام" بھی ناقص ہے یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ اس میں کسی حیثیت سے کوئی کمی ہو۔ وجودِ مطلق کے تمام اوصاف بھی مطلق ہیں، متعین نہیں۔ نہ اس کی رحمانیت ایک متعین رحمانیت ہے، نہ اس کی رحیمیت ایک متعین رحیمیت ہے اور نہ اس کی الوہیت ایک متعین الوہیت ہے۔

کسی بھی کمال کے فقدان کے معنی تعین ہیں

جب وہ نورِ مطلق اور وجودِ بلا تعین ہے تو یہ بھی لازمی ہے کہ وہ سب کمالات کا جامع اور مستجمع جمیع الصفات ہو کیونکہ کسی بھی کمال کے فقدان

کا نتیجہ تعین ہے۔ اگر مقامِ ذاتِ ربوبیت میں ایک نقطہ یا خوشہ کی بھی کمی یا عیب ہو تو اس پر مطلق کا اطلاق نہیں ہوگا۔ اس صورت میں حق تعالیٰ کی ذات ناقص ہو جائے گی اور جب ناقص ہو جائے گی تو ممکن ہو گی نہ کہ واجب۔ واجب کے لیے کمالِ مطلق اور جمالِ مطلق ہونا ضروری ہے۔

چنانچہ جب ہم اپنی ناقص عقل کے مطابق اللہ کے متعلق غور کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ نام ہے اس ذاتِ مطلق کا جس کے سب جلوے ہیں جو جامعِ جمیع اسماء وصفات اور جامعِ جمیع کمالات ہے۔ وہ کمالِ مطلق اور کمالِ بے تعین ہے اور چونکہ کمالِ مطلق اور کمالِ بے تعین ہے اس لیے یہ نہیں ہوسکتا کہ اس میں کسی چیز کی کمی ہو ورنہ تو وہ ممکن ہو جائیگا۔ واجب نہیں رہے گا۔ ممکن اسی کو کہتے ہیں جو ناقص ہو۔ ممکن خواہ کسی بھی مرتبۂ کمال کو کیوں نہ پہنچ جائے جب مطلق نہیں تو ممکن ہی رہے گا۔ وجود مطلق مستجمع جمیع الصفات اور واجد جمیع الکمالات ہے۔ دلیل کہتی ہے کہ صرف الوجود کل الاشیاء ولیس بشیٔ منہا۔ وہ وجودِ خالص ہے سب کچھ ہے لیکن بغیر تعین کے۔ سارے وجود اسی کے ہیں لیکن بہ طریق تعین نہیں بلکہ بہ طریق کمالِ مطلق۔ چونکہ اس کے اسماء اس سے جُدا نہیں اس لیے اس کے اسمائے صفات بھی اسمائے ذات ہی ہیں۔ وہ سب خصوصیات جو اللہ میں ہیں رحمان میں بھی ہیں۔ رحمان بھی چونکہ کمالِ مطلق اور رحمتِ مطلق ہے اس لیے اس میں بھی وجود کے سب کمالات ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ مطلق نہیں ہوگا۔ قرآن شریف میں ہے: اُدْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ”اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر۔“ ایک دوسری آیت میں ہے: اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ”جس نام سے بھی پکارو اس کے سب ہی نام اچھے ہیں۔“ اللہ ہو یا رحمان ہو یا رحیم ہو یا باقی نام سب نام اچھے اور پیارے ہیں۔ تمام اسمائے حسنیٰ حق تعالیٰ کی سب صفات کے جامع ہیں۔ چونکہ وہ مطلق ہے اس لیے کسی طرح محدود نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اسم اور مسمّٰی یا ایک نام اور دوسرے نام میں کسی طرح مغایرت ہو۔

حق تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ ان ناموں جیسے نہیں جو ہم مختلف چیزوں کے مختلف اعتبار سے رکھ لیتے ہیں۔ اس کے نور و ظہور کی بھی یہ شکل نہیں کہ ایک لحاظ سے نور ہو اور ایک لحاظ سے ظہور۔ ظہور بعینہٖ نور ہے اور نور بعینہٖ ظہور۔ اگرچہ یہ مثال بھی ناقص ہے۔ وجودِ مطلق کمالِ مطلق ہے اور کمالِ مطلق ہر لحاظ سے مطلق ہے۔ اس کے سب اوصاف علی الاطلاق ہیں۔ اس کی ذات اور صفات میں کسی طرح کی جدائی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

مشاہدہ کا قدم دلیل و برہان سے آگے ہے

عام طور پر بات یہ کہا جاتا ہے کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں یا

دلیل یہ کہتی ہے۔ ایک عارف نے بھی کہا ہے: ”میں جہاں بھی گیا یہ اندھا بھی اپنی لاٹھی لیکر وہاں آگیا۔“ اندھے سے اس عارف کی مراد شیخ الرئیس بوعلی سینا تھے۔ کہنے کا مقصد یہ تھا کہ جو دلائل کی مدد سے حقیقت کا ادراک کرتا ہے اس کی مثال اندھے کی سی ہے جو اپنی لاٹھی کی مدد سے راستہ تلاش کرتا ہے۔ میں نے یہ دیکھا کہ میں جہاں بھی مشاہدہ اور عرفان کی مدد سے پہنچا یہ اندھا بھی اپنی لاٹھی کھڑکھڑاتا ہوا آپہنچا۔ کہتے ہیں کہ اندھے سے مراد بوعلی سینا ہے اور لاٹھی سے مراد دلیل و برہان ہے۔

اہلِ برہان اندھے ہیں

اہلِ برہان اندھے اس لیے ہیں کہ انھیں مشاہدہ کی قوت حاصل نہیں۔ اگرچہ انھوں نے بھی توحیدِ مطلق اور وحدتِ مطلق کے مسائل کو دلائل کی مدد سے ثابت کیا ہے۔ وہ یہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ مبداء وجود کمالِ مطلق ہے۔ پھر بھی معاملہ دلیل و برہان کا ہے اور دلیل کی دیوار کے پس پشت اہلِ برہان کو کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ کوشش سے قلب اس کا ادراک کرتا ہے کہ واجب الوجود صرف الوجود اور کل شیٔ ہے۔ قلب کی مثال بچے کی سی رہتی ہے۔ بات کو سمجھانے کے لیے ایک ایک لفظ کا لقمہ اس کے منہ میں دینا پڑتا ہے۔ جو شخص دلائل کی مدد سے مسائل کا عقلی ادراک کرتا ہے اسے دل میں بٹھانے کے لیے تکرار اور مجاہدہ وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایمان ادراکِ قلبی کا نام ہے

جب دل نے یہ بات قبول کر لی کہ اللہ تعالیٰ صرف الوجود اور کل الکمال ہے تو اب یہ ایمان بن گیا۔ پہلے یہ ادراکِ عقلی تھا۔ دلیل و برہان سے ادراکِ عقلی حاصل ہوا۔ دل میں مفہوم کا ایک تصور قائم ہوا۔ جب دل نے حقیقت کو قبول کر لیا خواہ عقلی دلائل سے یا قرآنی تعلیم سے تو پھر اسی کا نام ایمان ہو گیا۔ عقل نے ایک بات معلوم کی اور پھر دل کو سکھائی۔ جب تکرار اور ریاضت سے دل میں یہ راسخ ہو گیا کہ لَيْسَ فِي الدَّارِ غَيْرُهٗ دَيَّارٌ۔ یعنی خدا کے سوا اس جہان میں کچھ ہے نہیں تو یہی ایمان ہے۔ یوں تو لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي کا درجہ بھی انبیاءؑ کے مشاہدہ سے کم ہے۔ یہ بھی ایک درجہ ہے لیکن حق تعالیٰ

کے جمال کا مشاہدہ اس سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کے لیے تجلی ہوئی تھی تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کے سلسلے میں جو امور قابل غور ہیں ان میں تیس دن، پھر چالیس دن اور اس کے بعد کے واقعات ہیں۔ اس کے بعد جب حضرت موسٰی علیہ السلام اپنے خسر حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر سے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ چلے تو انھوں نے کچھ دور جا کر اپنی بیوی سے کہا: اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا۔ یہ آگ جس کا احساس انھیں ہوا تھا اُن کے بیوی بچوں نے قطعاً نہیں دیکھی تھی۔ حضرت موسٰی نے کہا میں جاتا ہوں۔ تمہارے لیے آگ کا ایک شعلہ لے آؤں گا۔ لَعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ شاید میں تمہارے لیے اس کا ایک شعلہ لا سکوں۔

جب وہ آگ کے قریب پہنچے تو ندا آئی۔ اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ یہ اسی آگ میں سے آواز آئی تھی جو درخت میں لگی ہوئی تھی۔ یہ مشاہدہ تھا۔ جہاں اندھا اپنی لاٹھی کے سہارے سے پہنچا تھا اور عارف اپنے دل کی مدد سے، حضرت موسٰی علیہ السلام نے اسی کا مشاہدہ کر لیا۔

یہ کہنے سننے سے اونچی باتیں ہیں

یہ باتیں ہم کہتے ہیں اور آپ سنتے ہیں لیکن حقائق اس سے ارفع و اعلیٰ ہیں۔ اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ۔ جو نور درخت میں تھا اسے سوائے حضرت موسٰی علیہ السلام کے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا جیسا کہ جو وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آتی تھی کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا کہ کیا ہے؟ وحی کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں تھی۔ قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ مبارک پر نازل ہوتا تھا۔ پورا قرآن یکبارگی آپ کے قلب پر نازل ہو جاتا تھا۔ کس طرح؟ کون جانے۔ اگر قرآن یہی ہے تیس پارے، تو کسی معمولی دل پر تو ایک دفعہ میں نازل نہیں ہو سکتا۔

دل کا بھی کچھ اور ہی مسئلہ ہے

دل کا بھی کچھ اور مسئلہ ہے۔ قرآن ایک حقیقت ہے اور یہ حقیقت قلب پر وارد ہوتی ہے۔ قرآن ایک راز ہے۔ راز در راز۔ ایک سربستہ راز۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ اپنے ارفع مقام سے نیچے اترے تاکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب پر نازل ہو سکے۔ پھر اور نیچے اُترے تاکہ اسے دوسرے بھی سمجھ سکیں۔ انسان کا بھی یہی حال ہے۔ انسان بھی ایک راز اور سربستہ راز ہے۔ جو کچھ ہمیں نظر آتا ہے، اس کے لحاظ سے تو انسان محض ایک جانور ہے اور جانور بھی ایسا کہ دوسرے جانوروں سے بدتر۔ لیکن اس جانور کی ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ انسانیت تک پہنچ سکتا ہے۔ کمال کے مدارج طے کر کے

کمالِ مطلق تک رسائی حاصل کر سکتا ہے اور وہ کچھ بن سکتا ہے جو ہمارے وہم و گمان میں بھی ما فوق ہے۔ پھر عدم کا راستہ لیتا ہے۔

جو کچھ ہم محسوس کرتے ہیں وہ سب اعراض یا کیفیات ہیں

پورا انسان ایک راز ہے۔ اس دنیا میں ظاہر میں ہمیں جو کچھ نظر آتا ہے وہ بھی ایک مسئلہ ہے۔ ہم اجسام کا ادراک نہیں کر سکتے۔ ہم جوہر کا ادراک نہیں کر سکتے۔ ہم جس چیز کا ادراک کرتے ہیں وہ جوہر نہیں عرض ہوتی ہے مثلاً ہماری آنکھیں رنگ اور اسی قسم کی چیزیں دیکھتی ہیں، ہمارے کان آواز سنتے ہیں، ہماری زبان ذائقہ محسوس کرتی ہے اور ہمارے ہاتھ چیزوں کو چھوتے ہیں۔ یہ سب ظاہری چیزیں ہیں۔ اعراض ہیں۔ اصل جسم کہاں ہے؟ جب ہم کسی چیز کا بیان کرتے ہیں تو اس کے عرض، طول اور عمق کا ذکر کرتے ہیں۔ عرض طول اور عمق بھی اعراض ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اس چیز میں کشش ہے۔ کشش بھی ایک عرض ہے۔ ہم جس کسی چیز کو بیان کرنے کے لیے اس کے جن اوصاف کا بھی تذکرہ کریں گے وہ سب عرض ہی ہوں گے۔ پھر خود جسم کہاں ہے؟ جسم بھی ایک راز ہے۔ احدیت کے راز کا سایہ۔ جو کچھ ہمیں معلوم ہے وہ محض اسماء و صفات ہیں ورنہ یہ عالم سرتاسر عالمِ غیب ہے۔ شاید اسی مفہوم کے ایک درجے کو غیب و شہادت سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس کائنات میں غیب و شہادت ساتھ ساتھ ہیں۔ جو چیزیں ہم سے غیب ہیں یعنی جن کا ہم ادراک نہیں کر سکتے وہی غیب ہیں۔ جس چیز کی بھی ہم تعریف کرنا چاہیں، سوائے اس کے اسماء، اوصاف اور آثار وغیرہ بیان کرنے کے اور کیا کر سکتے ہیں؟ جو چیز کہ خلق سرِ مطلق ہے اس کا بشر ادراک نہیں کر سکتا کیونکہ انسانی ادراک ناقص ہے۔ البتہ وہ ادراک کر سکتا ہے جو ولایت کے ذریعہ اس مرتبہ پر پہنچ گیا ہو جہاں حق تعالیٰ کی تجلی پورے طور پر اس کے قلب پر پڑ رہی ہو۔ یہ غیب و شہادت کا سوال ہر جگہ موجود ہے اس لیے اس طرح کی تعبیریں سب کی زبان پر ہیں جیسے عالمِ غیب، عالمِ ملکوت، عالمِ عقول وغیرہ۔

رسولِ اکرمؐ اسمِ اعظم ہیں

اللہ تعالیٰ کے تمام نام ایک راز بھی ہیں اور ظاہر بھی ہیں۔ ان کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ یہی مفہوم ہے۔ هُوَ الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ کا۔ جو ظاہر ہے وہ باطن بھی ہے اور جو باطن ہے وہ ظاہر بھی ہے۔ اس بنا پر حق تعالیٰ کے تمام اسماء میں وجود کے سب مراتب ہیں۔ ہر اسم میں تمام اسماء کا مفہوم شامل ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ رحمان ایک صفت یا ایک اسم ہو اور رحیم اس سے الگ اور اس کے مقابل ایک اسم ہو۔ اسی طرح منتقم ایک علٰحدہ اسم ہو۔ یہ تمام اسماء ہر چیز پر حاوی ہیں۔

اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔ تمام اسمائے حسنیٰ رحمان کے بھی ہیں، رحیم کے بھی ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ایک نام کا ایک مطلب ہو اور دوسرے نام کا کچھ اور مطلب۔ اگر ایسا ہو تو رحمان حق تعالیٰ کی ذات کی ایک حیثیت کا بیان ہوگا اور مثلاً رحیم کسی دوسری حیثیت کا۔ اسطرح حق تعالیٰ کی ذات مجمع حیثیات ہو جائیگی۔ وجودِ مطلق میں یہ چیز محال ہے۔ وجودِ مطلق کی مختلف حیثیتیں نہیں ہوتیں۔ وجودِ مطلق اسی وجودِ مطلق کے لحاظ سے رحمان بھی ہے اور رحیم بھی۔ اسکی تمام ذات رحمان ہے اور تمام ذات رحیم۔ تمام ذات نور ہے اور تمام ذات اللہ۔ ایسا نہیں ہے کہ اسکی رحیمیت کچھ چیز ہو اور رحمانیت اس سے مختلف کچھ اور۔ جو شخص معرفت کے ذریعے سے اس بلند ترین مقام تک پہنچے کہ خود ذاتِ حق ؛ نہ کہ محض اسکا جلوہ اس شخص کے قلب پر متجلی ہو تو وہ خود بھی اسمِ اعظم ہوگا اور اسمِ اعظم کے جلوے سے متجلی بھی۔ یہ وہی قلب ہو سکتا ہے کہ جس پر قرآن نازل ہوا ہو، جو وحی کا سرچشمہ ہو اور جس میں جبرئیلؑ آتے رہے ہوں۔ ایسے قلب پر جو جلوہ ہوگا وہ تمام جلووں پر محیط ہوگا۔ یہ اسمِ اعظم خود رسولِ پاکؐ کی ذات ہے۔ نَحْنُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى رسولِ خداؐ مقامِ تجلی میں اعظم الاسماء ہیں۔

ہمارے وجود بھی تجلی ہیں

جن موضوعات پر آج کی صحبت میں گفتگو ہوئی ان میں ایک مسئلہ تو سببیت کا تھا۔ ہم نے کہا تھا کہ حق تعالیٰ کے بارے میں سببیت کا سوال اٹھانا غلط ہے۔ اس کی ہمیں کوئی مثال نہیں ملتی سوائے دُور دراز کی بعض مثالوں کے۔ ایک مسئلہ نقطۂ تحت الباء کا تھا۔ اگر یہ روایت واقعی کہیں آئی ہو تو میں نے اس کے متعلق کچھ عرض کیا تھا۔ اس کے علاوہ اسم بہ مراتب اسمِ ذات، اسم در مقامِ صفات، اسم در مقامِ تجلیِ فعلی، تجلیِ ذات بر ذات، تجلیِ ذات بر صفات، تجلیِ ذات بر موجودات (تجلی بر موجودات نہیں) جیسے مسائل بھی زیرِ بحث آئے۔ جب ہم لوگ تجلی کی بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمارا وجود بھی ایک تجلی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ یہاں سو آئینے رکھ دیجیے۔ ہر آئینے میں اسی ایک سورج کی روشنی منعکس ہوگی۔ ایک لحاظ سے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ سو روشنیاں ہیں مگر

دراصل ہر آئینے میں وہی ایک روشنی ہے۔ اسی ایک سورج کا جلوہ ہے جو سو آئینوں میں نظر آ رہا ہے مگر چونکہ سورج کی روشنی محدود ہے اس لیے یہ مثال بھی دُور دراز کی ہے۔

تعینات جلوے کا لازمی نتیجہ ہیں

تمام تعینات یعنی محدود اور متعین موجودات میں حق تعالیٰ ہی کا جلوہ اور نور ہے۔ وہی ایک نور سب موجودات میں جلوہ فگن ہے۔ یہ نہیں کہ ہر متعین موجود کے لیے ایک الگ نور ہو۔ تعینات ؛ نور کے جلوۂ فعلی کا لازمی نتیجہ ہیں۔ اس صورت میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں اسم سے مراد مقامِ ذات کا اسم ہے اور اللہ جلوۂ ذات ہے جس میں تمام جلوے شامل ہیں۔ اس جامع جلوے ہی کا نام اللہ ہے۔ رحمان اور رحیم بھی اسی جامع جلوے کے نام ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ رحمان اس کی ایک صفت کا نام ہو اور رحیم دوسری صفت کا ؛ بلکہ اللہ، رحمان اور رحیم تینوں ایک ہی جلوے کے نام ہیں۔ سب ایک ہی جلوہ ہے۔ وہی مکمل جلوۂ ذات اللہ بھی ہے، رحمان بھی اور رحیم بھی۔ اس کے علاوہ کوئی اور صورت ممکن ہی نہیں ؛ کیونکہ اگر یہ صورت نہ ہو تو حق تعالیٰ کی ذات محدود ہو جائے گی اور محدود ہوگی تو ممکن ہو جائیگی ؛ واجب نہیں رہے گی۔

اس تفصیل کے مطابق جو ہم نے ابتدا میں حمد کے متعلق عرض کی تھی ؛ حمد اللہ کی ہوگی۔ اللہ حق تعالیٰ کے جامع ظہور یا جامع جلوے کا نام ہے۔ رحمان اور رحیم بھی بعینہٖ اسی جامع جلوے کا نام ہیں۔ حمد سے مراد ہر حمد بھی ہو سکتی ہے اور حمدِ مطلق بھی۔ اسم "اللہ" کے متعلق تین احتمال ہیں۔ یہ حق تعالیٰ کے جلوۂ جامع کا نام مقامِ ذات میں بھی ہو سکتا ہے۔ مقامِ صفات میں بھی (جسے مشیتِ مطلق کہتے ہیں، اور ہر چیز اسی سے ہوتی ہے) اور مقامِ فعل میں بھی۔ جب ہم ان احتمالاتِ مختلفہ کو مثلاً بسم اللہ کی آیت پر منطبق کرتے ہیں تو ہر احتمال کی صورت میں ایک خاص طرزِ کلام ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر ہم نے "اللہ" کے متعلق گفتگو کی جو ایک اسمِ جامع ہے مقامِ ذات میں بھی، مقامِ صفات میں بھی اور مقامِ تجلیِ فعلی میں بھی۔ ہم نے بسم اللہ پر گفتگو کرتے ہوئے اسم، اللہ، باء اور نقطہ کے متعلق عرض کیا اور رحمان اور رحیم کے متعلق چند بہت ہی مختصر مگر ضروری باتیں بیان کیں۔

یقین ضروری ہے

ہمیں امید ہے کہ اس طرح کے مسائل پر بحث کی ضرورت کا اعتراف کیا جائے گا۔ بعض لوگ اس کا بالکل ہی انکار کرتے ہیں بلکہ بعض لوگ تو سرے سے عرفانی مسائل کے ہی منکر ہیں۔ جو لوگ ابھی حیوانیت کی منزل میں ہیں انھیں یقین نہیں آسکتا کہ اس منزل سے ماوراء بھی کچھ ہے جس کے وہ ابھی قائل نہیں۔ ہمارے لیے روحانی امور پر یقین ضروری ہے۔ یہی پہلا مرحلہ ہے اس کا کہ انسان اپنے آپ کو حرکت میں لائے۔ پہلی بات یہ ہے کہ آدمی انکار نہ کرے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ آدمی ہر بات کا انکار کردے جو اسے معلوم نہ ہو۔ غالباً شیخ الرئیس بو علی سینا کا قول ہے کہ جو شخص بغیر کسی دلیل کے کسی بات کا انکار کرتا ہے وہ فطرتِ انسانی سے خارج ہے۔

عقیدہ کی بنیاد دلیل پر ہونی چاہیے

جس طرح کسی چیز کا ثبوت دلیل کا محتاج ہے اسی طرح کسی بات سے انکار کے لیے بھی دلیل کی ضرورت ہے ورنہ یہ کہو کہ مجھے معلوم نہیں لیکن کچھ ضدی طبیعتیں ایسی ہیں کہ وہ ہر چیز کا انکار کر دیتی ہیں۔ چونکہ یہ لوگ سمجھتے نہیں اس لیے فطرتِ انسانی سے خارج ہیں۔ انسان کے لیے ضروری ہے کہ اگر کسی چیز کو تسلیم کرے تو دلیل سے تسلیم کرے اور اگر رد کرے جب بھی دلیل سے رد کرے ورنہ یہ کہہ دے کہ مجھے معلوم نہیں اور چونکہ میں نہیں جانتا اس لیے ممکن ہے ایسا ہو اور ممکن ہے ایسا نہ ہو۔ جو کچھ سنو اس کے متعلق یہ ضرور مانو کہ ممکن ہے صحیح ہو اور ممکن ہے کہ صحیح نہ ہو لیکن انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے؟ اس عالم کے ماوراء تک ہماری رسائی نہیں ہے۔ خود اس دنیا کے متعلق بھی ہماری معلومات ناقص ہیں۔ کچھ مسائل اس وقت معلوم ہیں۔ بعد میں کچھ اور مسائل ظاہر ہوں گے۔ اب سے سو سال پہلے تک یہ دنیا کتنی نامعلوم تھی۔ اس میں کتنی باتیں ایسی تھیں جن کا کسی کو علم نہیں تھا۔ اب بہت سی باتیں معلوم ہو گئی ہیں۔ آئندہ اور بہت سی باتوں کا انکشاف ہوگا۔ ابھی تک ہم اس کائنات کو نہیں سمجھتے۔ انسان اس کائنات کا ادراک نہیں کرسکا ہے پھر اولیاء کے مشاہدات کا انکار کیوں کرتا ہے؟ جو شخص حقائق و معارف کا انکاری ہے' اس کا دل حقائق و انوار کی تجلی سے محروم ہے۔ وہ کہتا ہے کہ نہیں ہے۔ یہ نہیں کہتا کہ مجھے معلوم نہیں ہے۔ جو کچھ اہلِ معرفت کہتے ہیں' اس کے متعلق کہتا ہے کہ یہ سب من گھڑت باتیں ہیں۔ چونکہ وہ خود محروم ہے اس لیے ان باتوں کو من گھڑت بتلاتا ہے۔ اس کے دل میں یہی ہے کہ یہ باتیں من گھڑت ہیں۔ مگر یہ باتیں تو قرآن میں بھی

ہیں۔ ان کے متعلق اسے ایسا کہنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ جن باتوں کو وہ من گھڑت کہتا ہے وہ قرآن و سنت ہی سے ماخوذ ہیں' پھر انکار کرنے کی وجہ کیا ہے؟

جو بات معلوم نہ ہو اُسکا انکار کفر ہے

یہ بھی کفر کا ایک درجہ ہے' گو شرعی کفر نہ ہو لیکن کفران تو ہے ہی کہ آدمی کو جو چیز معلوم نہ ہو اس کا انکار کردے۔ انسان کی مصیبتوں کی جڑ یہی ہے کہ جب وہ حقائق کا ادراک نہیں کرسکتا تو ان کا انکار کر بیٹھتا ہے۔ وہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتا جہاں تک اولیاء پہنچے ہیں' اس لیے وہ ان کی تکذیب کرتا ہے۔ یہ کفر جحودی کی بدترین قسم ہے۔ پہلا قدم یہ ہے کہ آدمی اس بات کا انکار نہ کرے جو کتاب و سنت میں آئی ہے جس کا اولیاء اقرار کرتے ہیں جس کے عرفاء اپنے ادراک کے مطابق قائل ہیں اور جس کا فلاسفہ کو اعتراف ہے۔ اگر خود اس نے درک نہیں کیا ہے تو کہہ دے کہ مجھے معلوم نہیں۔ مگر یہ مردود تو کہتا ہے کہ جب تک میں اپنے تیز نشتر سے خدا کو چیر پھاڑ کر نہیں دیکھ لوں گا میں تو مانوں گا ہی نہیں۔ یہ جحود ہے جو اللہ کو بھی اپنے نشتر کے نیچے دیکھنا چاہتا ہے۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ جو باتیں انبیاؑ اور اولیاء نے بتلائی ہیں ہم ان کا انکار نہ کریں۔ اگر شروع ہی میں انکار کردیں گے تو اگلا قدم اٹھا ہی نہیں سکتے۔ جو شخص اس کا منکر ہے کہ کوئی اور صورت بھی ہو سکتی ہے' وہ اصلاً جستجو ہی نہیں کریگا۔ جو آدمی آگے بڑھنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے اس بھول بھلیاں سے نکلے۔ سب سے پہلے تو وہ اس کا اعتراف کرے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ باتیں صحیح ہوں۔ اگر انکار کرے گا تو یہ انکار کی دیوار ہمیشہ کے لیے اس کا راستا روک دے گی۔ پھر خدا سے دعا کرے کہ خدا اس کے لیے کوئی ایسا راستا کھول دے جس سے وہ وہاں پہنچ جائے جہاں اسے پہنچنا چاہیے۔

ہم کتاب و سنت کا انکار نہ کریں

اگر آدمی انکار نہیں کریگا اور دعا کرے گا کہ اس کے لیے راستا کھل جائے تو خدا اسے محروم نہیں رکھے گا اور آہستہ آہستہ راستہ کھل جائے گا۔

مجھے امید ہے کہ ہماری یہ حالت نہیں ہوگی اور ہم کتاب و سنت کا انکار نہیں کریں گے۔ ہوتا یہ ہے کہ آدمی کتاب و سنت کا تو قائل ہوتا ہے لیکن جب کتاب و سنت میں وارد کوئی چیز اس کی سمجھ میں نہیں آتی تو زیادہ سے زیادہ وہ وہاں یہ نہیں کہتا کہ ایسا نہیں ہے لیکن جب کوئی دوسرا شخص اس سے یہ کہتا ہے کہ کتاب و سنت میں یہ آیا ہے اسوقت وہ یہ نہیں کہتا کہ مجھے معلوم نہیں بلکہ اسے لغو بتلاتا ہے۔

مطلق انکار راستے کا پتھر ہے

مطلق انکار آدمی کو بہت سے مسائل سے محروم کر دیتا ہے اور اس کے راہِ راست پر چلنے میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ جن باتوں کی اولیاء نے کشفی تصدیق کی ہے ان کے متعلق کم از کم یہ احتمال تو دیجیے کہ ممکن ہے یہ درست ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص مر بھی نہ سکے کیونکہ ممکن ہے لیکن یہ کہ آدمی قطعی انکار کر دے اور یہ کہے کہ یہ مسائل ہیں ہی نہیں، یہ لغویات ہیں۔ ایسا آدمی پھر آگے بڑھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اگر کامیابی حاصل کرنی چاہتا ہے تو اپنے دل سے انکار کو نکال پھینکے اور پھر قدم آگے بڑھائے۔

ہم جحود کو دل سے نکال دیں

مجھے امید ہے کہ ہم اس تکذیب کے حجاب کو اپنے دل سے دور کر دیں گے اور خدائے تبارک و تعالیٰ سے التجا کریں گے کہ ہمیں قرآن کی زبان سے یعنی جس زبان میں کہ قرآن نازل ہوا ہے اور جو ایک خاص طرح کی زبان ہے اس سے آشنائی بخشے۔ قرآن بھی انسان کی طرح گوناگوں صلاحیتوں کا حامل ہے۔ قرآن ایک دسترخوان ہے جو خدا نے ہمارے لیے بچھایا ہے۔ یہ ایک بہت وسیع دسترخوان ہے جس سے ہر شخص اپنی خواہش کے موافق غذا حاصل کر سکتا ہے۔ اگر آدمی بیمار نہ ہو اور اسکی بھوک جاتی نہ رہی ہو کیونکہ دل کے امراض میں بھوک نہیں رہتی، ہاں یہ ایک وسیع دسترخوان ہے جس سے سب استفادہ کر سکتے ہیں جس طرح یہ دنیا ایک وسیع دسترخوان ہے جس سے سب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ کوئی گھاس کھاتا ہے تو کوئی میوے۔ کوئی کسی طرح استفادہ کرتا ہے اور کوئی کسی طرح۔ انسان ایک طرح سے استفادہ کرتا ہے تو حیوان دوسری طرح اور جو انسان حیوانیت کے درجے میں ہیں وہ کسی اور طرح سے۔ جوں جوں سطح بلند ہوتی جاتی ہے اس خدائی دسترخوان سے جو وجود سے عبارت ہے، استفادہ کا طریقہ بھی بہتر ہوتا جاتا ہے۔ اسی طرح قرآن بھی ایک وسیع دسترخوان ہے جو سب کے لیے بچھا ہوا ہے۔ ہر شخص اپنی بھوک اور خواہش کے مطابق اس سے فائدہ اٹھانے کی راہ نکال سکتا ہے۔ اعلیٰ ترین استفادہ اس سے مخصوص ہے جس پر یہ نازل ہوا تھا اور جو اس کا اولین

مخاطب ہے۔ اِنَّمَا یَعرِفُ القُرآنَ مَن خُوطِبَ بِہ۔

نبوت کا قطعی انکار

لیکن ہمیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ ضروری ہے کہ اس دسترخوان سے ہم بھی بہرہ اندوز ہوں۔ اس کے لیے پہلی شرط یہ ہے ہم یہ خیال دل سے نکال ڈالیں کہ طبیعی اور مادی مسائل کے سوا کسی چیز کا وجود ہی نہیں اور قرآن فقط ان ہی طبیعی اور اجتماعی مسائل کو بیان کرنے کے لیے آیا ہے اور اس کا تعلق صرف دنیوی زندگی سے ہے۔ ایسا خیال نبوت کا قطعی انکار ہے۔ قرآن انسان کو انسان بنانے کے لیے آیا ہے اور یہ سب ذریعہ ہے ایک مقصد کے حصول کا۔

دعائیں اور عبادتیں ذریعہ ہیں

تمام عبادات بھی ذریعہ ہیں۔ تمام دعائیں بھی ذریعہ ہیں اور یہ سب ذریعہ ہیں اس مقصد کا کہ انسان کے اصل جوہر کھلیں۔ انسان میں جو صلاحیتیں خفتہ ہیں وہ بیدار ہو جائیں۔ انسان انسانیت کے مرتبہ تک پہنچ جائے۔ انسانِ بالقوہ انسانِ بالفعل بن جائے۔ طبیعی انسان، خدائی انسان بن جائے تاکہ اس کی ہر چیز خدا کی ہو جائے۔ وہ جو کچھ دیکھے اور سمجھے، حق دیکھے اور سمجھے۔ انبیاءؑ اسی لیے آئے ہیں۔ وہ بھی ایک ذریعہ ہیں۔ انبیاءؑ اس لیے نہیں آئے کہ وہ حکومت قائم کریں۔ انہیں حکومت کا ہے کے لیے چاہیے تھی حکومت بھی اپنی جگہ ہے لیکن یہ بات نہیں کہ انبیاءؑ فقط دنیا کا انتظام کرنے آئے تھے۔ حیوانات کی بھی دنیا ہے، وہ بھی اپنی دنیا کا نظم و نسق چلاتے ہیں۔

عدل حق تعالیٰ کی صفت ہے

جو چشم بصیرت رکھتے ہیں ان کی نظر میں عدل کی بحث حق تعالیٰ کی ایک صفت کی بحث ہے۔ عدلِ الٰہی کا انصرام بھی انبیاءؑ کا ایک کام ہے۔ وہ انصاف پر مبنی حکومت بھی قائم کرتے ہیں لیکن یہ سب باتیں ذریعہ ہیں اس کا کہ انسان ایک ایسے مرتبہ پر پہنچ جائے جو انبیاءؑ کی آمد کا مقصد ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں ہماری تائید کرے!

بقیہ مطالب بیان کرنے سے پہلے ایک بات عرض کر دینا مناسب ہے جو شاید مفید بھی ہے اور ضروری بھی اور وہ یہ ہے کہ اہل علم اور اہل نظر میں بسا اوقات اختلاف اس لیے پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی زبان صحیح طور پر نہیں سمجھتے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر گروہ کی اپنی ایک خاص زبان ہے۔

ایرانی، ترک اور عرب کے مابین انگور کا قضیہ

معلوم نہیں آپ نے بھی یہ قصہ سنا ہے کہ نہیں؟ تین آدمی تھے جن میں سے ایک ایرانی تھا، دوسرا ترک اور تیسرا ایک عرب تھا۔ وہ آپس میں یہ بحث کر رہے تھے کہ آج دوپہر کے کھانے پر کیا چیز کھائی جائے۔ ایرانی نے کہا کہ انگور مناسب رہیں گے۔ عرب نے کہا: نہیں، ہم تو عنب کھائیں گے۔ ترک بولا: نہیں، ہمیں یہ دونوں چیزیں منظور نہیں۔ ہم تو اوزوم کھائیں گے۔ چونکہ ایک دوسرے کی زبان سمجھتے نہیں تھے اس لیے آپس میں اختلاف ہوا۔ کہتے ہیں کہ آخر ان میں سے کوئی گیا اور انگور لے آیا۔ دیکھا تو سب ایک ہی چیز کے لیے کہہ رہے تھے۔

مختلف زبانوں میں ایک ہی بات کو مختلف الفاظ میں کہا جاتا ہے مثلاً فلسفیوں کی ایک خاص زبان ہے۔ ان کی اپنی اصطلاحات ہیں۔ اسی طرح عرفاء کی بھی اپنی زبان ہے اور ان کی اپنی اصطلاحات ہیں۔ فقہاء کی بھی اپنی اصطلاحات ہیں۔ شعراء کی اپنی مخصوص شعری زبان ہے۔ اولیائے معصومین علیہم السلام کا طرز کلام سب سے جداگانہ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان تین یا چار گروہوں میں سے کس کی زبان اہل عصمت کی زبان سے نزدیک تر ہے اور کون سی زبان وحی کی زبان سے زیادہ قریب ہے۔
میرے خیال میں کسی آدمی کو، کسی عاقل کو اس میں اختلاف نہیں ہوگا کہ حق تعالیٰ ہے، وہ موجودات کا سرچشمہ ہے اور یہی سرچشمہ تمام موجودات کے وجود کی علت ہے۔ کوئی شخص اس کا قائل نہیں ہے کہ آپ اپنے کوٹ پتلون سمیت خدا ہیں، نہ کوئی عاقل یہ تصور کر سکتا ہے کہ فلاں شخص اپنے عمامہ و ریش وعصا سمیت خدا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ سب مخلوق ہیں۔

لیکن علت و معلول کو جس طرح بیان کیا جاتا ہے اور اس سے جو تاثر پیدا ہوتا ہے اس میں فرق کی وجہ سے اختلاف رونما ہو جاتا ہے۔ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ جو حضرات عرفاء کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے، وہ کیا چاہتے تھے؟ کیوں اس طرح کے الفاظ استعمال کرتے تھے؟ انہیں اس خاص طرز کی تعبیر پر کس بات نے آمادہ کیا۔

مختلف گروہوں اور انکی تعبیروں میں تصفیہ کی راہ

اب میں چاہتا ہوں کہ ان مختلف گروہوں میں تصفیہ کرا دوں کیونکہ یہ سب ایک ہی بات کہتے ہیں۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ سب فلاسفہ کو بے قصور ٹھیراؤں یا سب عارفوں یا سب فقہاء کی صفائی پیش کروں۔ نہیں یہ بات نہیں ہے:

اے بسا خرقہ کہ مستوجب آتش باشد

ان میں بہت سے دکاندار ہیں جو وہی باتیں کرتے ہیں جو انکی تجارت کے فروغ کا باعث ہوں۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ان تمام گروہوں میں بہت سے اشخاص نیک ہیں۔ ان میں جو اختلاف ہے وہ مدرسئی پیداوار ہے۔ اس کی مثال بالکل اس اختلاف کی ہے، جو اصولیوں اور اخباریوں میں ہے۔ بعض اوقات شاید اخباری اصولیوں کی تکفیر پر اتر آتے ہیں اور اصولی اخباریوں کو جاہل کہتے ہیں حالانکہ ان کے مقصد میں فرق نہیں۔ مقصد دونوں کا ایک ہے۔

اب ہماری بحث کا نقطہ یہ ہے کہ فلاسفہ کا ایک طبقہ علت العلل، معلول اول، معلول ثانی جیسی اصطلاحات استعمال کرتا ہے۔ وہ اکثر علیت و معلولیت کے الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں خصوصاً ما قبل اسلام کے فلاسفہ علیت و معلولیت، سببیت و مسببیت اور مبداء و اثر جیسی ترکیبیں انکی پسندیدہ اصطلاحات ہیں۔

ہمارے فقہاء بھی علیت و معلولیت جیسے الفاظ کے استعمال سے پرہیز نہیں کرتے اور نہ انہیں خالقیت و مخلوقیت جیسے الفاظ کے استعمال سے انکار ہے۔ ایک طبقہ اہل عرفان کا ہے۔ وہ اس اختلاف کی بنیاد پر جو ان کے اور دوسروں کے درمیان ہے بالکل ہی مختلف تعبیرات استعمال کرتے ہیں: جیسے ظاہر، مظہر، تجلی وغیرہ۔ ان کے علاوہ وہ کچھ اور ایسے الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں جن پر بعض ظاہر بینوں کو اعتراض ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ ایسے الفاظ کیوں استعمال کرتے ہیں اور کیا وجہ ہے کہ ائمہ اطہار علیہم السلام نے بھی اسی قسم کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ ائمہ نے کہیں علیت و معلولیت اور سببیت و مسببیت وغیرہ کا استعمال کیا ہو

البتہ ان کے کلام میں خالقیت و مخلوقیت ہے، تجلی ہے، ظاہر و مظہر وغیرہ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اہلِ عرفان نے فلاسفہ کی اصطلاحات سے کیوں گریز کیا ہے اور انھوں نے عوام الناس کا طرزِ بیان بھی کیوں اختیار نہیں کیا۔ انھوں نے ایک اور ہی اسلوب اختیار کیا ہے جس پر اہلِ نظر عموماً اعتراض کرتے ہیں۔ آئیے، دیکھیں اس کی کیا وجہ ہے۔

علت و معلول

علت و معلول کی بنیاد پر ایک موجود کو علت مانا جاتا ہے اور کسی دوسرے کو معلول۔ علیت و معلولیت کا اصول یہ ہے کہ علت ایک طرف ہو اور معلول دوسری طرف۔ اس ایک طرف سے کیا مراد ہے؟ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ مکاناً ایک دوسرے سے مختلف ہوں یعنی وہ الگ الگ دو جگہ واقع ہوں، جیسے مثلاً سورج کی روشنی اور خود سورج۔ سورج میں خود بھی روشنی ہے لیکن اس سے روشنی نکلتی بھی ہے۔ اس طرح کہ سورج ایک جگہ ہے اور اس سے نکلنے والی روشنی جس کا ایک الگ وجود ہے، ایک دوسری جگہ۔ سورج سے نکلنے کی وجہ سے یہ روشنی اس کا اثر اور معلول ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ذاتِ واجب الوجود کے بارے میں بھی اس طرح کی علیت و معلولیت کا تصور کیا جا سکتا ہے جس طرح کی علیت و معلولیت نیچر میں پائی جاتی ہے۔ جیسے مثلاً آگ، حرارت کی علت ہے اور سورج، روشنی کی۔ نیچر میں تو معلول، علت کا اثر ہوتا ہے اور علت اور معلول جگہ کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ علت ایک جگہ ہوتی ہے اور معلول دوسری جگہ۔

اثر اور مؤثر

نیچر میں اثر اور مؤثر بھی عموماً اس طرح ہوتے ہیں کہ جگہ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ اب کیا ہم یہ کہیں کہ مبداءِ اعلیٰ اور مخلوقات بھی اسی طرح ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ خالق ایک مکان میں اور مخلوق ایک مکان میں۔ خالق ایک زمان میں اور مخلوق ایک زمان میں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اس کا تصور بہت مشکل ہے۔ یہی بتلانا مشکل ہے کہ موجودِ مجرد کے وجود کی کیا شکل ہے؟ خصوصاً مبداءِ اعلیٰ کے متعلق چاہے تعبیر کا کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جائے، اس کو بیان کرنا ناممکن ہے کہ حق تعالیٰ کی قیومیت کس طرح موجودات کا احاطہ کیے ہوئے ہے؟ قرآن بولتا ہے کہ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ "تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔" اس مَعَكُمْ کا کیا مطلب ہے؟ کیا خدا آدمی کے ساتھ اس کے پہلو میں ہے؟

"هُوَ مَعَكُمْ" کا مفہوم

اس طرح کی تعبیر اس لیے اختیار کی گئی ہے کہ حقیقت کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں اس لیے واقعیت کو بیان کرنے کے لیے نزدیک ترین الفاظ کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ قرآن و سنت میں بھی قریب ترین الفاظ ہی کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس مسئلہ کو سمجھنا بہت مشکل ہے کہ خالق کہاں ہے؟ خالق مخلوق کے ساتھ کس طرح ہے؟ کیا خالق اور مخلوق کی وہی صورت ہے جو آگ اور اس کے اثر کی ہے؟ یا ان میں وہ تعلق ہے جو نفس اور آنکھ، ناک اور دیگر قویٰ میں ہے۔ شاید یہ دوسری مثال حقیقت سے بہت قریب ہو لیکن اس مثال سے بھی مفہوم پوری طرح ادا نہیں ہو سکتا۔ خالق پوری طرح مخلوق کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور یہ احاطہ قیومی احاطہ ہے۔ اس سے زیادہ کچھ کہنا مشکل ہے۔ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ موجودات پر یہ قیومی احاطہ اس طرح ہے کہ کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں خدا نہ ہو۔

لَوْ دُلِّيتُمْ بِحَبْلٍ اِلَى الْاَرْضِيْنَ السُّفْلٰى لَهَبَطْتُمْ اِلَى اللّٰهِ "اگر تمہیں سب سے نچلی زمینوں تک بھی لٹکا دیا جائے تب بھی تم وہاں خدا ہی کو پاؤ گے۔" یہ بھی محض کہنے کا ایک طریقہ ہے۔ مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ سب کچھ اللہ ہی ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ بالفرض اگر کوئی آدمی جو عبا اور عمامہ پہنے ہوئے ہے، وہ حق تعالیٰ ہے۔ ایسی بات تو کوئی شخص بقائمی ہوش و حواس نہیں کرے گا۔ ہم تعبیر کے لیے صرف ایسے الفاظ اختیار کر سکتے ہیں جو مفہوم سے زیادہ سے زیادہ قریب ہوں۔ جو شخص ان مسائل سے واقف نہیں ہے اس کی توجہ خالق و مخلوق کے تعلق کی طرف مبذول کرانے کے لیے بعض دفعہ یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ بھی صحیح ہے کہ سب کچھ اللہ ہی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی خاص چیز کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ حق تعالیٰ ہے۔ دیکھیے مسلمان فلسفی یہ کہتے ہیں کہ: صِرفُ الوجود، كُلُّ الْاَشْيَاءِ وَلَيْسَ بِشَيْءٍ مِنْهَا۔ اللہ تعالیٰ خالص وجود ہے، وہ سب کچھ ہے مگر ان چیزوں میں سے کوئی چیز نہیں ہے۔ سب کچھ ہے، اور کچھ بھی نہیں۔ بظاہر یہ دو متضاد باتیں ہیں مگر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ذاتِ خداوندی ہر نقص سے پاک ہے۔ وہ خالص وجود ہے۔ اس میں کوئی کمی یا عیب نہیں۔ وہ ہر کمال سے متصف ہے اور باقی

سب موجودات ناقص ہیں۔

اس لیے وہ لیس بشی ؑ منھا ہے۔ اگر حق تعالیٰ دوسری موجودات میں سے ہوگا تو ناقص ہو جائے گا مگر وہ ایک کمل موجود ہے جو ہر نقص سے پاک ہے اور جب وہ ہر نقص سے پاک ہے تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی ایسا کمال ہو جو اس میں نہ ہو۔ جو کمال بھی کسی مخلوق میں ہے وہ اسی کے کمال کا جلوہ اور ترشح ہے۔ جب ہر کمال اسی کا جلوہ ہے تو وہ اپنی ذات میں کل کمال ہے۔ کُلُّ الْاَشْیَاء کا مطلب ہے کُلُّ الْکَمَال اور لَیْسَ بِشَیٍٔ مِّنْھَا کے معنی ہیں کہ اس میں کوئی نقص نہیں۔ کُلُّ الْاَشْیَاء کا یہ مطلب نہیں کہ تم بھی خدا ہو۔

اسی لیے کہتے ہیں کہ: لَیْسَ بِشَیٍٔ مِّنْھَا۔ یعنی یہ کہ وہ تمام کمال ہے جب کہ کوئی دوسرا موجود تمام کمال نہیں۔ چونکہ وہ تمام کمال ہے اس لیے ہر کمال سے متصف ہے۔ اسی کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح کی ایک اور مثال ہے۔ فرض کیجیے کہ کوئی ایسا شخص جسے ان مسائل سے آگاہی نہیں ہے یہ مصرع سنتا ہے: ؎ چوں کہ بیرنگی اسیرِ رنگ شد۔ اگرچہ اس مصرع کا تعلق اس موضوع سے نہیں ہے لیکن کوئی اس پر توجہ نہیں دیتا کہ اس مصرع کا حقیقتِ الٰہیہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کا تعلق تو دراصل ایسی لڑائی سے ہے جو دو آدمیوں کے درمیان ہو۔ مگر چونکہ لوگ مطلب نہیں سمجھتے اس لیے کچھ لوگوں نے کہ ہے کہ یہ تو کفر ہے حالانکہ اس کا تعلق اس مسئلے سے قطعی نہیں ہے اور اس کا جو مطلب سمجھا جاتا ہے وہ غلط ہے۔ یہ ایک الگ مسئلہ ہے کہ دنیا میں جو جنگیں ہوتی ہیں وہ کس بات پر ہوتی ہیں۔

لڑائی کیوں ہوتی ہے؟

لڑائی کس بات پر ہوتی ہے؟ جنگ کی بنیاد کیا ہے؟ یہاں جو رنگ کا لفظ آیا ہے' اس سے مراد ہے تعلق۔ دوسری جگہوں پر اور بعض دوسرے شعراء کے کلام میں بھی یہ لفظ ان معنوں میں آیا ہے۔ کسی نے کہا ہے: ؎ از آنچہ رنگِ تعلق پذیرد آزاد است۔ رنگ اور بے رنگی۔ رنگ کے معنی ہیں تعلق اور بے رنگی سے مراد ہے بے تعلقی۔ اگر کسی خاص چیز سے طبیعت کو تعلق اور لگاؤ نہ ہو تو جھگڑا نہیں ہو سکتا۔ جھگڑے کی وجہ یہی ہے کہ آدمی کی طبیعت کو کسی چیز سے لگاؤ ہوتا ہے۔ وہ اسے اپنے لیے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اصل فطرت میں رنگ نہیں ہے۔ اگر تعلق کا رنگ بیچ میں سے نکل جائے تو پھر جھگڑا نہیں ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصے میں جس طرح حضرت موسیٰؑ بے تعلق تھے' اگر فرعون بھی اسی طرح بے تعلق ہوتا تو یہ سب جھگڑا پیش نہ آتا۔ اگر کسی جگہ سب انبیاءؑ بھی جمع ہو جائیں تو کبھی جھگڑا نہ ہو۔ یہ سب جھگڑا

تعلق ہی کا ہے۔ بے رنگی اسیرِ رنگ شد۔ فطرت جو بے تعلق تھی جب تعلق کی اسیر ہو گئی تو جھگڑے پیدا ہو گئے۔ اگر یہ تعلق کا کانٹا نکال دیا جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون بھی آپس میں صلح کر لیں گے۔ اس مضمون کا تعلق حقانیت کے موضوع سے ہے ہی نہیں جس کسی نے اس مصرع پر اعتراض کیا ہے' اسے یہ خیال نہیں آیا کہ یہ مصرع تو ان دو آدمیوں کے متعلق ہے جو آپس میں لڑ رہے ہوں نہ کہ اصل مسئلہ سے۔

ائمہؑ کی دعاؤں کے کلمات

جو کلمات ائمہ اہلبیت علیہم السلام کی دعاؤں میں آئے ہیں' وہ تو آپ کو معلوم ہیں۔ آئیے دیکھیں کہ کیا اہلِ عرفان نے بھی اسی طرح کے کلمات استعمال کیے ہیں جن کی بنا پر حقیقت سے ناواقف لوگوں نے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے یا ان کے کلمات ان کلمات سے مختلف ہیں جو ائمہؑ کی زبان پر ہیں۔ یہ موضوع سیرِ روحانی سے متعلق ہے۔

مناجاتِ شعبانیہ میں یہ کلمات آئے ہیں کہ: اِلٰهِیْ هَبْ لِیْ كَمَالَ الْاِنْقِطَاعِ اِلَیْكَ وَاَنِرْ اَبْصَارَ قُلُوْبِنَا بِضِیَاءِ نَظَرِهَا اِلَیْكَ حَتّٰی تَخْرِقَ اَبْصَارُ الْقُلُوْبِ حُجُبَ النُّوْرِ فَتَصِلَ اِلٰی مَعْدِنِ الْعَظَمَةِ وَتَصِیْرَ اَرْوَاحُنَا مُعَلَّقَةً بِعِزِّ قُدْسِكَ۔ اے میرے خدا! مجھے توفیق دے کہ میں سب سے بالکل کٹ کر تیرا ہی ہو رہوں۔ ہمارے دل کی آنکھوں کو اپنے دیدار کے نور سے منور فرما تاکہ دل کی آنکھیں نور کے پردوں کو چاک کر کے عظمت کے سرچشمے تک پہنچ جائیں اور ہماری ارواح تیرے حظیرۂ قدس میں معلق ہو جائیں۔ اس کے بعد یہ عبارت ہے: اِلٰهِیْ وَاجْعَلْنِیْ مِمَّنْ نَادَیْتَهٗ فَاَجَابَكَ وَلَاحَظْتَهٗ فَصَعِقَ لِجَلَالِكَ۔ اے میرے خدا! مجھے ان لوگوں میں سے قرار دے جن کو تو نے آواز دی تو انھوں نے لبیک کہا' اور تو نے ان پر نظرِ کرم ڈالی تو وہ تیرے جلال کے باعث ہوش و حواس کھو بیٹھے۔

ان الفاظ کا کیا مطلب ہے؟ اب کیا فرماتے ہیں یہ حضرات؟ یہی کچھ تو

اہل عرفان بھی کہتے ہیں۔ ہمارے سب ائمہؑ جو یہ دعا پڑھا کرتے تھے تو ان کا مقصد کیا تھا؟ کَمَالَ الْاِنْقِطَاعِ اِلَیْکَ سے کیا مراد ہے؟ یعنی ھَبْ لِیْ کَمَالَ الْاِنْقِطَاعِ اِلَیْکَ کے کیا معنی ہیں؟

امام کَمَالَ الْاِنْقِطَاع خدا سے دعا مانگتے ہیں

امام کَمَالَ الْاِنْقِطَاع نصیب ہونے کی خدا سے دعا کرتے ہیں حالانکہ سیر روحانی خود ان کا اپنا فعل ہے مگر وہ اس کی دعا مانگتے ہیں۔ آخر یہ سب کیوں؟ اَنِرْ قُلُوْبَ اَبْصَارِنَا یہ دل کی آنکھیں کیا ہوتی ہیں جن سے وہ خدا تعالیٰ کو دیکھنا چاہتے ہیں؟ پھر دل سے کیا مراد ہے اور دل کی آنکھوں کا کیا مطلب ہے؟

پھر ان سب کی غایت یہ بیان کی گئی ہے کہ: تَخْرِقَ اَبْصَارُ الْقُلُوْبِ حُجُبَ النُّوْرِ یعنی دل کی آنکھیں نور کے پردوں کو چاک کر کے تَصِلَ اِلٰی مَعْدِنِ الْعَظَمَۃِ وَتَصِیْرَ اَرْوَاحُنَا مُعَلَّقَۃً بِعِزِّ قُدْسِکَ عظمت کے سرچشمے تک پہنچ جائیں اور ہماری ارواح تیرے حظیرہ قدس میں معلق ہو جائیں۔ یہاں معلق ہو جانے سے کیا مراد ہے؟ پھر اس کے بعد جو ہے کہ الٰھی اجعلنی ممن نادیتہ . . . . فصعق لجلالک تو یہاں جلال کے سبب ہکا بکا رہ جانا اور ہوش و حواس کھو بیٹھنا کیا ہے؟ یہی بات حضرت موسیٰؑ کے بارے میں قرآن میں کہی گئی ہے۔ اہل عرفان کی اصطلاح میں جسے فنا کہا جاتا ہے کیا یہ اس سے کچھ مختلف چیز ہے؟ فَصَعِقَ لِجَلَالِکَ۔ اسی طرح درجہ بدرجہ بلند مراتب حاصل کرتے ہوئے سالک وہاں پہنچ جاتا ہے کہ جہاں دل کی آنکھیں سب پردوں کو چاک کر کے عظمت کے سرچشمہ تک پہنچ جاتی ہیں۔ یہ عظمت کا سرچشمہ کیا ہے اور اس تک پہنچ جانے سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ وہی وصول باللہ نہیں جس کی اہل عرفان بات کرتے ہیں؟ کیا سرچشمۂ عظمت حق تعالیٰ کے علاوہ بھی کچھ ہو سکتا ہے۔ سرچشمۂ عظمت تو وہی ہوگا جس سے سب عظمتیں حاصل کی جا سکیں۔ اس سرچشمۂ عظمت تک وصول کے بعد ہی تَصِیْرَ اَرْوَاحُنَا مُعَلَّقَۃً بِعِزِّ قُدْسِکَ کا مرحلہ آتا ہے۔ یہ بھی وہی بات ہے جو اہل عرفان کہتے ہیں۔

کوئی شخص جس نے حق تعالیٰ اور مخلوقات کے رشتہ پر غور کیا ہو، اس تعلق کی تعبیر کے لیے علت و معلول کے الفاظ استعمال نہیں کرے گا۔ ان الفاظ کا استعمال درحقیقت تعبیر کی نارسائی ہے۔ اس تعلق کو علت و معلول اور اثر و مؤثر کے الفاظ سے ادا نہیں کیا جا سکتا۔ خالق و مخلوق کے الفاظ بھی محض عوام الناس کے ذوق کی پیروی ہے۔ ان سب سے بہتر تعبیر تجلی

ہے۔ فَتَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ مگر یہ بھی اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے محض قریب ترین لفظ ہے جس کو کسی طرح الفاظ میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔

ایک ایسا مسئلہ جس کا تصور اسکی تصدیق سے مشکل تر ہے

حق اور خلق کے درمیان ربط ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا تصور مشکل ہے لیکن تصور کے بعد اس کی تصدیق آسان ہے لیکن دقت یہ آپڑی ہے کہ ایسے موجود کا تصور کیسے کیا جائے جس سے خالی تو کوئی بھی جگہ نہیں ہے لیکن پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ فلاں جگہ ہے۔ وہ ظاہر اشیاء ہے، وہ باطن اشیاء ہے اور اس کی معلول بھی ہیں۔ وہ ظاہر میں بھی مؤثر ہے اور باطن میں بھی۔ لایخلو منہ الشئ۔ اب بتلایئے کہ یہ سب بیان کرنے کے لیے موزوں اور مناسب الفاظ کہاں سے لائے جائیں اور اس مطلب کو کیونکر ادا کیا جائے؟ جو الفاظ بھی لائے جائیں مطلب ادا نہیں ہو سکتا۔ صرف یہی ہو سکتا ہے کہ جو اس کے اہل ہیں وہ دعا کریں اور اس طرح دعا کریں جیسے مناجات شعبانیہ میں ہے۔ خدا سے التجا کریں کہ ایسا ہو جائے، لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ اس کی وجہ سے ایک جماعت دوسری جماعت کو کافر ٹھہرائے یا ایک گروہ دوسرے گروہ کو جاہل قرار دے۔ اگر کوئی چاہے کہ اسی مفہوم کو ادا کرے تو وہ اسے کیسے ادا کرے گا؟ یہ بھی سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ دوسرے کیا کہتے ہیں۔ اس کے جذبات کو سمجھیے جو صرف اسی طرح اپنے دل کا مدعا بیان کر سکتا ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی کے دل میں نور موجزن ہوتا ہے تو وہ یہ بھی پکار اٹھتا ہے کہ: سب کچھ وہی ہے۔ ہمہ اوست!

امام علیؑ اللہ کی آنکھ ہیں، اللہ کا نور ہیں

آپ دعا میں پڑھتے ہیں کہ علی عین اللہ اس کا کیا مطلب ہے؟ امام علیؑ کے لیے عین اللہ، نور اللہ، ید اللہ کے الفاظ مشہور ہیں۔ ید اللہ کے کیا معنی ہیں؟ یہ وہی الفاظ ہیں جو اہل عرفان بھی استعمال کرتے ہیں۔ ہماری روایات میں بھی یہ آیا ہے کہ جو صدقہ فقیر

کے ہاتھ میں دیا جاتا ہے، وہ خدا کے ہاتھ میں پہنچتا ہے۔

قرآن میں بھی ہے کہ: وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔
وہ کنکریاں آپ نے نہیں پھینکیں، جب آپ نے پھینکیں، بلکہ اللہ نے پھینکیں۔
اس کا کیا مطلب ہے؟ یہ وہ بات ہے جو آپ سب کہتے ہیں لیکن اہل عرفان کو دست خدا کی بات کرنے کی اجازت نہیں۔ جب وہ بیچارے صاف نہیں کہہ سکتے تو دوسرے طریقے سے کہتے ہیں۔ اس طرح کی تعبیرات قرآن اور خصوصاً دعاؤں میں بکثرت آئی ہیں۔ جب قرآن اور دعاؤں میں یہ باتیں موجود ہیں تو اہل عرفان سے بدظنی کی وجہ؟ یہ سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ کہنے والے کا مقصد کیا ہے؟ اس نے اس طرح کیوں کہا ہے، اسے کیا تکلیف ہے کہ اس نے وہ الفاظ استعمال نہیں کیے جو عام لوگ استعمال کرتے ہیں۔ اسے اگر معلوم بھی ہے کہ عوام کس طرح کہتے ہیں تو کیا ہوا؟ اگر اس نے وہ الفاظ استعمال نہیں کیے جو عام پسند ہیں تو اس لیے کہ اس نے حقیقت کو قربان نہیں کیا بلکہ خود کو حقیقت پر قربان کر دیا۔ اگر ہم اس بات کو سمجھ سکیں تو ہم بھی وہی الفاظ استعمال کریں۔

چنانچہ قرآن نے بھی یہ تعبیر اختیار کی ہے اور ائمہؑ نے بھی اسی طرح کے الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر فرض کیجیے کہ کوئی یہ کہے کہ یہ حق ہے تو کوئی اس کا یہ مطلب لے کہ یہ خدا ہے۔ ایسی بات کوئی ہوشمند نہ کہے گا نہیں۔ یہ دیکھیے کہ ظہور کی کیا تعبیر ہو سکتی ہے اور اسے حق تعالیٰ سے کیسے جدا کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ایک دعا میں اولیاء کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ: لَا فَرْقَ بَیْنَکَ وَبَیْنَھُمْ اِلَّا اَنَّھُمْ عِبَادُکَ خَلْقُھُمْ بِیَدِکَ، رَتْقُھُمْ بِیَدِکَ۔ "تجھ میں اور ان میں کوئی فرق نہیں بجز اس کے کہ وہ تیرے بندے ہیں۔ ان کو پیدا کرنا اور ان کے امور کی اصلاح کرنا تیرے ہاتھ میں ہے۔" درحقیقت یہ بھی تعبیر کی نارسائی ہے۔ اسی لیے مطلب ادا کرنے کے لیے ائمہؑ ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جو دوسروں کے الفاظ کے مقابلے میں قرآن سے نزدیک تر ہیں۔

یہ سمجھیے کہ اہل عرفان وہ لوگ ہیں کہ جن کے متعلق کوئی بھی کھڑا ہو کر یہ کہہ دے کہ یہ کون ہوتے ہیں؟ ہمارے سامنے ایسے لوگ ہوئے ہیں جنکو ہم نزدیک سے جانتے تھے۔ ہمیں معلوم تھا کہ یہ کس قسم کے آدمی ہیں۔ یہ لوگ تمام علوم میں اہل نظر اور باکمال تھے۔ پھر بھی وہ اسی طرح کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ جلوے کا ذکر کرتے تھے۔ کہتے تھے یہ اللہ کا جلوہ ہے۔ دعائے سمات میں طَلْعَتُکَ کا لفظ ہے۔ اس کے معنی بھی جلوہ ہیں۔ اسی طرح کا ایک لفظ نور ہے۔ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِیْ ...... بِاسْمِکَ اسی لیے اہل عرفان سے صلح کر لیجیے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان میں سب اچھے ہیں۔ میرا مطلب صرف یہ ہے کہ سب کو مسترد مت کیجیے۔ جب میں علماء کی تائید کرتا

ہوں تب بھی میرا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ میں ہر قسم اور ہر طرح کے علماء کی تائید کرتا ہوں۔ میرا مقصد یہی ہوتا ہے کہ سب کو رد مت کیجیے۔ یہ نہیں ہوتا کہ سب کو قبول کر لیجیے۔ یہاں بھی یہی بات ہے۔ یہ مت سمجھیے کہ جو بھی کوئی عارفانہ بات کرتا ہے وہ کافر ہے۔

ہر بات کی تحقیق ضروری ہے

پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ آدمی کہہ کیا رہا ہے۔ اگر یہ سمجھ لیا جائے تو پھر شاید انکار کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ سارا قصہ وہی عنب، انگور اور اوزوم کا ہے۔ ایک اسی بات کو ایک طرح سے بیان کرتا ہے، دوسرا اس کے لیے علیت و معلولیت کی اصطلاحات استعمال کرتا ہے، تیسرا سببیت و مسببیت کہتا ہے، چوتھا ظہور و مظہر۔ یہ سب کبھی نہ کبھی ایسی جگہ پہنچ جاتے ہیں جہاں انھیں سمجھ میں آتا ہے کہ اس ہستی کو کن الفاظ سے تعبیر کیا جائے جو ہر جگہ ہے لیکن وہ اشیاء میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ اسی لیے کہنے والا کبھی یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ علیؑ یداللہ، علیؑ عین اللہ۔

قرآن کہتا ہے کہ: وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی نیز جس نے آپ سے بیعت کی، اس نے خدا سے بیعت کی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ یعنی اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔ کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھا ہوا ہو جیسا کہ ہم رکھتے ہیں بلکہ یہاں فوق سے مراد فوقِ معنوی ہے۔ اسی طرح فَوْقَ اَیْدِیْکُمْ میں بھی فوق معنوی مراد ہے۔ ہمارے پاس اس فوق کا کما حقہ مطلب ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔

جس طرح خدائے تبارک و تعالیٰ اس سے بہت بالاتر ہے کہ وہ کسی شے کے ساتھ مخلوط ہو جائے یا عام معنی میں کسی شے سے مربوط ہو، اسی طرح وہ اس سے بھی بالاتر ہے کہ ہم یہ سمجھ سکیں کہ اس کے جلوے کی کیا نوعیت ہے۔ اس کا جلوہ بھی ہمارے لیے غیر معلوم ہے البتہ یہ ہمارا ایمان ہے کہ اس نوع کی کوئی چیز ہے ضرور۔ ہم اس کے وجود کو مسترد نہیں کرتے۔ جب ہم یہ مانتے ہیں کہ اس طرح کی چیزیں ہیں تو ہمارا یہ یقین ہوتا ہے کہ ان کا ذکر کتاب و سنت میں کسی نہ کسی عنوان سے موجود ہے۔

جلوۂ حق کا ذکر جہاں قرآن میں ہے وہاں تجلی اور ظہور کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ هُوَ الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ۔ سورۂ حدید میں ہے۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ سورۂ حدید کی آخری چھ آیات ان لوگوں کے لیے ہیں جو آخری زمانے میں آئیں گے۔ وہی ان کو سمجھیں گے۔ ان آیات میں تخلیق کی کیفیت وغیرہ کا ذکر ہے۔ ان ہی آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ اور هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ اس آخری زمانہ کا مطلب بھی کوئی آسانی سے نہیں سمجھ سکتا۔ شاید دنیا میں ایک دو اشخاص ایسے موجود ہوں جو اس کا مطلب سمجھ سکتے ہوں۔

غلط فہمیاں دُور ہونی چاہئیں

میرا خاص نکتہ یہ ہے کہ غلط فہمی دُور ہونی چاہیے۔ جو اختلاف اہل مدرسہ اور اہل علم میں ہے وہ ختم ہونا چاہیے۔ معارف کا راستا نہیں روکنا چاہیے۔ اسلام فقط احکام فرعیہ کا نام نہیں، یہ احکام فرع ہیں، بنیاد کچھ اور ہے۔ ہمیں اصل کو فرع پر قربان نہیں کرنا چاہیے اور یہ نہیں کہنا چاہیے کہ یہ اصل بلا ضرورت ہے اور اسے اصل کہنا خلافِ واقعہ ہے۔ ایک صاحب کہتے تھے کہ مرحوم شیخ محمد بہاری کے سامنے کسی کا تذکرہ آیا۔ کہنے لگے کہ وہ تو عادل کافر ہے۔ ہم نے کہا: یہ کیا بات ہوئی! عادل بھی ہے اور کافر بھی۔ شیخ محمد بہاری نے کہا: عادل تو اس لیے ہے کہ شرعی احکام پر عمل کرتا ہے، کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا اور کافر اس لیے ہے کہ جس خدا کی وہ پرستش کرتا ہے وہ خدا ہی نہیں۔

چیونٹی بھی اپنی ذات سے محبت کرتی ہے

ہماری روایات میں ہے کہ شاید چیونٹی یہ سمجھتی ہے کہ خدا کے دو سینگ ہیں۔ یہ حُبِّ نفس ہے جو معلوم ہوتا ہے کہ چیونٹی میں بھی ہے۔ یہ چیونٹی بھی عجیب چیز ہے۔ اس کا خیال ہے کہ خدا کے دو سینگ ہیں۔ وہ سینگ ہونے کو کمال سمجھتی ہے۔ ہم بھی جب اپنی خوبی اور کمال کی بات کرتے ہیں تو کچھ اسی طرح سے سوچتے ہیں۔ یہ وہی چیونٹی ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکریوں کے بارے میں کہتی ہے کہ انہیں سمجھ ہی نہیں۔

يَا اَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ چیونٹیو! اپنے گھروں میں گھس جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ اور ان کے لشکری بے سمجھے بوجھے تمہیں کچل دیں۔ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وہ اسکی بات پر ہنستے ہوئے بولے کہ یہ مجھے بے سمجھ

کہتی ہے۔ چیونٹی نے جو بات کہی، سب جگہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہُدہُد نے بھی اسی طرح کہا تھا: اَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ۔ یعنی مجھے وہ کچھ معلوم ہے جو آپ کو معلوم نہیں۔ یہ بات ایسے آدمی سے کہی جا رہی ہے جو پیغمبر ہے اور اس کے اصحاب اور احباب میں ایسا آدمی بھی موجود ہے جو بلقیس کے تخت کو چشم زدن میں حضرت سلیمانؑ کے پاس لے آیا تھا۔ اب تک ایسا اتفاق کسی انسان کو پیش نہیں آیا تھا۔ یہ کیا قصہ تھا؟ یہ بات خود غیر معلوم ہے۔ کیا یہ کوئی بجلی کا سا اصلاحی نظام تھا یا کسی چیز کو معدوم کر کے دوبارہ وجود میں لانے کی صورت تھی؟ کیا اس تخت کو بجلی کی لہروں میں تبدیل کر کے پہنچایا گیا تھا؟ آخر کیا بات تھی؟ روایت کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب میں سے ایک شخص اسم اعظم کا ایک حرف جانتا تھا۔ وہ ایسا تھا کہ پلک جھپکنے سے بھی پہلے مطلوب کو حاضر کر دیتا تھا۔ ایسے پیغمبر کے سامنے ہُدہُد یہ کہے کہ: اَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ۔۔۔ بہر حال شیخ مرحوم کے کہنے کی بنیاد یہ تھی کہ وہ جو کچھ سمجھتے تھے وہی کہتے تھے اور اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔

بعض مسائل سے محروم رہنا بدقسمتی ہے

میرا خیال یہ ہے کہ اہل علم کے ایک گروہ کی جس میں بہت اچھے اور نیک لوگ شامل ہیں، بعض مسائل سے محرومی بدقسمتی ہے۔ ہم قم میں آئے تو مرزا علی اکبر حکیم رحمۃ اللہ علیہ قم میں تھے۔ جب قم میں حوزۂ علمیہ قائم ہوا تو ایک مقدس شخصیت نے جو اب ہم میں نہیں رہی، کہا تھا دیکھو اب اسلام کی کیا نوبت آگئی ہے کہ مرزا علی اکبر کے گھر میں اسلام کا کاروبار شروع ہوا ہے؟ علماء وہاں جا کر درس لیتے تھے۔ مرحوم آغا خوانساری اور مرحوم آغا اشراقی جیسے بزرگ مرزا علی اکبر سے پڑھتے تھے اور ان صاحب نے فرمایا تھا کہ دیکھو یہ نوبت آگئی ہے کہ اسلام کا کاروبار مرزا علی اکبر کے گھر میں شروع ہوا ہے حالانکہ یہ صاحب نیک آدمی تھے۔ ان کے انتقال کے بعد بھی ان کے ایک نمائندہ نے منبر پر کہا تھا کہ میں نے خود مرزا علی اکبر کو قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ آغا شاہ آبادی مرحوم کو اس سے بہت تکلیف پہنچی تھی کہ ان صاحب نے یہ کہا کہ مرزا علی اکبر بھی قرآن پڑھتے تھے۔

بہرصورت اس طرح کی بدگمانیاں اور اپنے آپ کو ایک نیک کام سے علیحدہ رکھنا افسوسناک ہے۔ یہ صاحب ایک علمی مرکز میں شرکت سے بھی جو بہت نیکی کا کام ہے محروم رہے۔ اور باتوں کو چھوڑیے فلسفہ تو بہت معمولی چیز ہے، کچھ لوگوں کو اس پر بھی اعتراض ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ ایک دوسرے کا مطلب نہیں سمجھتے، اسی سے یہ سب جھگڑے پیش آتے رہتے ہیں۔ اگر مطلب سمجھ لیں تو کوئی جھگڑا نہ رہے۔ ایک صاحب باعمامہ و ریش دوسرے صاحب کی تکفیر کرتے ہیں اس لیے کہ انہیں معلوم نہیں کہ دوسرے صاحب کہتے کیا ہیں۔ دوسرے صاحب کی خطا یہ ہے کہ وہ علیت و معلولیت جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں، جو پہلے صاحب کی نظر میں ایسی تعبیریں ہیں جو خلاف واقعہ ہیں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اسم، مسمّٰی سے جدا نہیں ہے۔ اسم، ظہور ہے، علامت ہے لیکن ایسی علامت نہیں جیسے کہ عام طور پہ سنگِ میل نصب کر دیے جاتے ہیں، اسی لیے یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ فلاں چیز اللہ کی علامت ہے۔ قرآنی آیات میں جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں، وہ حقیقت سے نزدیک تر ہیں۔ پھر بھی وہ حقیقت کی کما حقہ، نمائندگی نہیں کرتے بس مسئلہ صرف یہ ہے کہ ان سے بہتر الفاظ موجود نہیں۔

میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن ایک دسترخوان کی مانند ہے۔ ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق اس سے مستفید ہو سکتا ہے۔ اس پر کسی ایک گروہ کی اجارہ داری نہیں۔ وہ سب کا ہے اور سب کو اس سے مستفید ہونے کا حق ہے۔ ائمہ اہلبیت علیہم السلام کی دعائیں معارف سے مالا مال ہیں لیکن کچھ افراد کی کوشش ہے کہ لوگوں کو ان سے محروم کر دیں۔ دعاؤں میں معارف ہیں۔ دعائیں قرآن کی زبان ہیں۔ دعائیں شارحِ قرآن ہیں۔ وہ ان مسائل کی تشریح کرتی ہیں جن تک دوسروں کی رسائی نہیں۔

لوگوں سے دعائیں چھڑانا بالکل غلط ہے

لوگوں سے دعائیں چھڑانا غلط ہے۔ یہ کہنا درست نہیں کہ اب ہم قرآن پڑھنا چاہتے ہیں، اس لیے دعا کچھ نہیں۔ لوگوں کو دعا سے اُنسیت پیدا کرنی چاہیے تاکہ خدا سے انسیت پیدا ہو۔ جن لوگوں کو خدا سے انسیت ہے، اُن کے نزدیک دنیا کی کچھ حقیقت نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو اہمیت نہیں دیتے۔ خدا کے کام میں مشغول رہتے ہیں۔ انہی میں وہ لوگ ہیں جو خدا کے لیے جہاد کرتے تھے اور دعائیں بھی پڑھتے تھے۔ ان کے بھی یہی حالات تھے لیکن وہ خدا کے لیے تلوار چلاتے تھے۔ لوگوں کو ان برکات سے محروم نہیں کرنا چاہیے۔ قرآن اور دعا اسی طرح ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہیں، جس طرح رسول، قرآن سے جُدا نہیں ہیں۔

ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے پاس قرآن ہے اس لیے ہمیں رسولؐ کی ضرورت نہیں۔ قرآن اور رسولؐ ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہیں۔ وہ ہمیشہ اکٹھے ہی رہیں گے۔ لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ ان میں جُدائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ہم اگر الگ الگ حساب لگائیں اور یہ چاہیں کہ قرآن علیحدہ ہو، ائمہ علیحدہ ہوں اور دعائیں علیحدہ ہوں اور دعاؤں کے متعلق بھی یہ کہیں کہ ہمیں دعاؤں سے مطلب نہیں اور دعا کی کتابوں کو آگ لگا دیں یا فرض کریں کہ عارفوں کی کتابوں کو جلا دیں، تو جو لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بیچارے ناواقف ہیں۔ جب آدمی اپنی حد سے گزر جاتا ہے تو غلطی میں پڑ جاتا ہے۔

کسروی اور حافظ

کسروی ایک تاریخ نویس تھا۔ اس کی تاریخی معلومات اچھی تھیں۔ لکھتا بھی خوب تھا لیکن اس میں غرور پیدا ہو گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ پیغمبری کا دعویٰ کرنے لگا۔ دعاؤں کو بالکل چھوڑ دیا۔ قرآن کو ضرور مانتا تھا۔ نبوت کو اتنا گرایا کہ اپنی سطح پر لے آیا۔ خود تو اُوپر اٹھ نہیں سکتا تھا۔ نبوت کو گرا دیا۔ دعاؤں اور قرآن وغیرہ سب کا ساتھ ہے۔ عرفاء، عارف مسلک شعرا اور فلاسفہ سب ایک ہی بات کہتے ہیں۔ ان کے مطالب الگ الگ نہیں صرف تعبیر کا فرق ہے اور زبان مختلف ہے۔ شعر کی اپنی ایک خاص زبان ہے۔ حافظ کا خود اپنا ایک الگ اسلوب اور طرزِ بیان ہے۔ حافظ بھی وہی مسائل بیان کرتا ہے جو دوسرے کرتے ہیں لیکن ایک دوسری زبان میں۔ زبانیں مختلف ہوں لیکن مضمون کی برکتوں سے لوگوں کو محروم نہیں کیا جا سکتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن و سنت اور دعاؤں کے وسیع دسترخوان کی طرف لوگوں کو بلایا جائے تاکہ ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق اس سے فیض اٹھا سکے۔

یہ تمہید تھی ان سب مضامین کی جو بعد میں پیش کیے جائیں گے۔ اگر زندگی رہی اور ہم نے بھی کسی وقت کوئی ایسی تعبیر بطورِ احتمال بیان کر دی تو

یہ نہ کہیے کہ ہم بھی ان تعبیرات کو دوبارہ میدان میں لے آئے۔نہیں یہ بات نہیں۔ ان تعبیرات کو تو دوبارہ رواج پانا چاہیے۔ کچھ کاریگر قسم کے لوگ آغا شاہ آبادی مرحوم کے پاس آیا کرتے تھے۔ مرحوم ان کے سامنے بھی مسائل اس طرح بیان کرتے تھے جیسے اور سب کے سامنے۔ میں نے ایک دن ان سے عرض کیا کہ یہ لوگ اور یہ مسائل؟ کہنے لگے: چھوڑو۔ یہ کفریات ان کے کانوں میں بھی پڑ جائیں تو اچھا ہے!

ہمارے یہاں بھی کچھ ایسے لوگ تھے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کون تھے۔ کسی کا نام لینا غلطی ہوگی۔ اب موضوع بحث یہ ہے کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ میں بھی اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ہے اور اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ کے بعد بھی اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ہے بِسۡمِ اللّٰہ میں اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے الفاظ اسم کی بھی صفت ہو سکتے ہیں اور اللہ کی بھی۔ دونوں احتمال ہیں۔ انشاء اللہ بعد میں ہم دیکھیں گے کہ ان دونوں میں سے کونسا احتمال فہم سے نزدیک تر ہے۔

دولت
عرفان
(شرح حدیث)
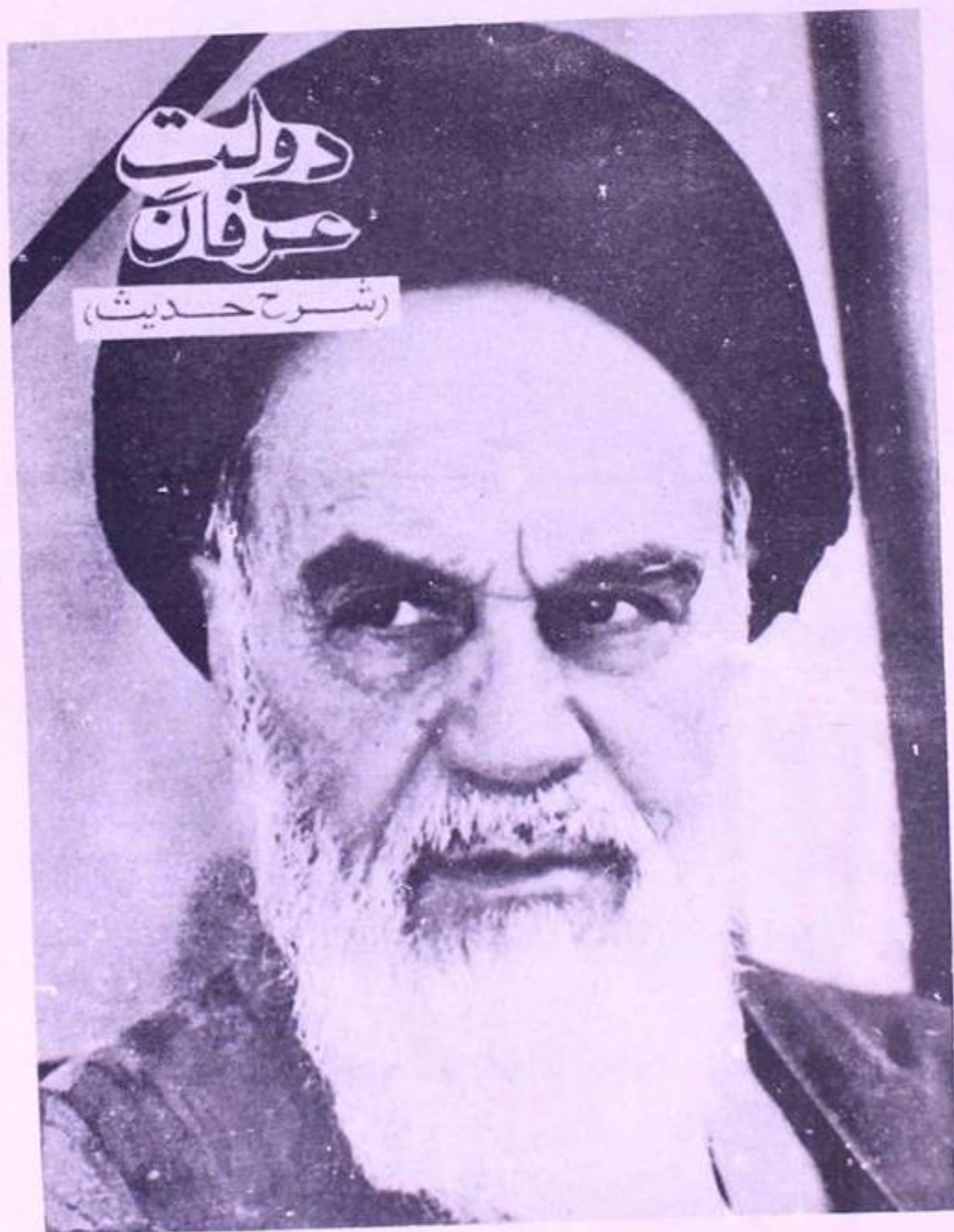
"دولتِ عرفاں" کے عنوان کے تحت ہم امامِ اُمت آیت اللہ العظمیٰ خمینی طاب ثراہ کی کتاب چہل حدیث"
کا صرف ایک باب قارئین کی نذر کر رہے ہیں
حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث کے پیش نظر علمائے اسلام کی ایک سیرتِ تالیف یہ بھی رہی ہے کہ وہ اپنے اپنے علمی ذوق تخلیقی وجدان اور فکری رجحان کے تحت ترجمانِ حق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذخیرۂ ارشادات میں سے چالیس حدیثوں کا انتخاب کرکے اس کی شرحیں لکھتے رہے ہیں۔ آنحضرت کی حدیث حسب ذیل ہے:۔۔۔

"مَنْ حَفِظَ عَلیٰ اُمَّتِی اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثاً ینتفعون بِها بعثه اللّٰهُ یَوْمَ الْقیامة فَقِیْهاً عَالِماً"

چنانچہ اس سیرتِ تالیف پر امام اُمت نے بھی اپنے ذوق و وجدان کے تحت چالیس حدیثوں کی شرح تحریر فرمائی۔ ان کی انتخاب کردہ حدیثوں میں سے سات حدیثیں عقلی مسائل سے مربوط ہیں اور ۳۳ حدیثیں اخلاقیات سے۔
امام اُمت کے محققین اور ناقدین کے لئے یہ تذکرہ بھی ضروری ہے کہ ان کی یہ تالیف "معراج السالکین" سے پہلے کی ہے۔ اور "معراج السالکین" یا "اسرار الصلوٰۃ" کی تکمیل انہوں نے ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ کو فرمائی تھی۔

امامِ اُمت کی "اربعین" کا اُردو ترجمہ شہید سیدہ ماہ لقا قرائی نے کیا تھا۔ سیدہ ماہ لقا قرائی جن کی شہادت بندر عباس سے دوبئی کی طرف پرواز کرنے والے مسافر بردار ایرانی طیارے پر امریکی میزائیل کی ضرب کے نتیجہ میں واقع ہوگئی تھی، علم و آگہی کی دلدادہ، شعر و ادب کی پروردہ، جمالیات کی خاتون اور مذہبی حس و دینی شعور رکھنے والی عفیفہ تھیں۔
وہ ایران سے شائع ہونے والے انگریزی کے مشہور علمی مجلہ AL-TAWHID کی ادارت کی ذمہ داریاں بھی نبھاتی تھیں۔
مرحومہ اُردو کے مشہور شاعر اور نقاد فلسفی پروفیسر وحید اختر کی شریک حیات تھیں۔ بلکہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ پروفیسر وحید اختر کو اسلامی انقلاب کا ہمنوا شاعر بنانے میں مرحومہ سیدہ ماہ لقا قرائی کا ہی اثر و نفوذ کام کر رہا تھا۔

(ادارہ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی محمد و آلہ اجمعین

ولعنۃ اللہ علی اعدائھم الی یوم الدین۔

پیش لفظ

خداوندا آئینہ دل کو اخلاص کے نور سے روشن کر اور لوحِ دل کو منافقت کے زنگ سے پاک کر۔ حیرت اور تاریکی کے بیابان میں بھٹکتے ہوئے بے بسوں کو سعادت اور نجات کی راہیں دکھا۔ ہمیں اخلاق کریمہ عطا فرما۔ تیرے وہ جلوے جو تو نے اپنے خاص بندوں اور اولیاء کے لئے مخصوص کئے ہیں، ہمیں بھی نصیب فرما۔ ہمارے دلوں سے شیطان اور جہالت کے لشکروں کو نکال باہر کر اور ان کی جگہ علم اور حکمت کی فوجیں اتار دے۔ دنیا میں ہمارے دلوں کو تُو اپنی اور اپنے خاص بندوں کی محبت سے مالا مال رکھ۔ وقت مرگ اور اس کے بعد ہمارے حال پر مہربانی فرما اور آخرت میں ہم کو سعادتمند فرما۔

تالیفِ کتاب کا مقصد

:- خدا کے اس کم طاقت بے بضاعت اور ناتوان بندے کی بہت دن سے یہ خواہش تھی کہ علماء رضوان اللہ علیہم کی مستند کتابوں سے اہل بیت اطہار علیہم السلام سے روایت کی ہوئی حدیثوں میں سے چالیس (۴۰) حدیثوں کا انتخاب کروں اور انھیں عام افراد کے حسبِ حال مناسب تشریح کے ساتھ پیش کروں اسی وجہ سے یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی گئی ہے تاکہ فارسی جاننے والے افراد بھی اس سے فیض یاب ہو سکیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ شائد مجھے بھی ان میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہو جن پر حضرت ختمی مرتبتؐ کی حسب ذیل حدیث صادق آتی ہے۔

مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیْ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثاً یَنْتَفِعُوْنَ بِهَا بَعَثَهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَقِیْهاً عَالِماً۔

میری امت میں سے جو کوئی بھی میری چالیس حدیثوں کی حفاظت اس طور سے کرے کہ لوگ اس سے مستفید ہوں تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا شمار فقہا اور علماء میں کرے گا۔

حدیثِ اوّل

عَنِ الشَّیخِ الاَجَلِّ ثِقَةِ الاِسلامِ مُحَمَّدِ بنِ یَعقُوبَ الکُلَینی صاحِبِ الکافی عَن عَلِیِّ بنِ اِبراهیمَ عَن اَبیهِ عَنِ النَّوفَلی عَنِ السَّکُونی عَن اَبی عَبدِاللهِ (ع) اِنَّ النَّبی صَلَّی اللهُ عَلَیهِ وَآلِهِ بَعَثَ سَرِیَّةً فَلَمَّا رَجَعُوا قالَ:

"مَرحَباً بِقَومٍ قَضَوا الجِهادَ الاَصغَرَ وَبَقِیَ عَلَیهِمُ الجِهادُ الاَکبَرُ۔ فَقیلَ یارَسولَ اللهِ مَا الجِهادُ الاَکبَرُ قالَ: جِهادُ النَّفسِ"

ترجمہ:- شیخ الاجل ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی صاحب کافی نے علی بن ابراہیم سے انہوں نے اپنے والد سے، انھوں نے النوفلی سے، انھوں نے سکونی سے، انہوں نے حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ وعلیہ وسلم نے روانہ کردہ سپاہیوں کو میدان جنگ سے لوٹتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ آفریں ہے ان لوگوں پر جنھوں نے جہاد اصغر کیا اور جنہیں ابھی جہاد اکبر انجام دینا ہے۔ جب سوال کیا گیا کہ یارسول اللہ جہاد اکبر کیا ہے تو رسول اکرم نے فرمایا "جہادِ نفس"

شرح حدیث :-

السَّرِیَّةُ قِطعَةٌ مِنَ الجَیشِ یُقالُ خَیرُ السَّرایا اَربَعمِائَةِ رَجُلٍ۔

کسی فوج کے ایک حصے کو سریۃ کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بہترین سریۃ وہ ہے جو چار سو افراد پر مشتمل ہو۔ حدیث کے متن سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ انسان ایک ایسا عجوبہ ہے جس کی ایک زندگی میں دو زندگیاں اور جس کے وجود میں دو کائناتیں جمع ہیں۔ ایک تو وجودِ ظاہری، جو دنیوی طبیعی لمعات کے ساتھ اس کے بدن کی زندگی ہو۔ دوسرا وجودِ باطنی جو غیبی و ملکوتی ہے یعنی اس کا روحانی وجود۔ اس کے کئی درجات ہیں جن کو عام طور پر کبھی سات درجوں میں تقسیم کیا جاتا ہے کبھی چار میں کبھی تین میں اور کبھی صرف دو درجوں میں۔ ہر درجہ میں اسکی مناسبت سے لشکر متعین کیے گئے ہیں۔ وہ لشکر جو اس کی روحانی اور عقلی صلاحیتوں کے رہنما ہیں اور اس کو عالم بالا کی طرف کھینچتے ہیں اور اس کو نیکی اور سعادت کی ترغیب دیتے ہیں۔ اس کے مقابل دوسری قوتیں ہیں جو جہل اور شیطانی قوتوں کی نمائندہ ہیں سفلی جذبات کو بھڑکاتی ہیں اور شقاوت (اخلاق رذائل) کی طرف کھینچتی ہیں۔ ہر وقت ان دونوں قوتوں میں کشمکش اور جنگ کی کیفیت رہتی ہے انسان کا وجود ان دو قوتوں کے لیے ایک میدان جنگ و جدال کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب رحمانی قوتوں کا غلبہ ہوتا ہے تو انسان صاحب سعادت و رحمت سمجھا جاتا ہے۔ فرشتوں کا رتبہ پاتا ہے

اور اولیاء اور بندگان صالحین کے زمرے میں شامل ہوتا ہے۔ اگر جہل اور شیطانی قوتوں کا غلبہ ہو تو انسان ایک ظالم اور شقی فرد کہلاتا ہے وہ کافروں اور شیطانوں کا ہم قبیلہ ہوتا اور خدا کے حضور سے دھتکارے ہوئے ملامت زدوں کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے یہاں چونکہ ان صفحات میں اس موضوع کا تفصیل سے بیان ممکن نہیں، اس لیے صرف چند مقاماتِ روحانی کے ذکر سعادت اور شقاوت کے اسباب و عوامل کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہوئے جہاد نفس کی کیفیتوں اور اس کے درجوں پر روشنی ڈالی جائے گی۔

مقامِ اوّل :

اس باب کی چند فصلیں ہیں۔

فصل ۱ : اس کا کمترین درجہ انسان کے ظاہری اور دنیاوی وجود سے عبارت ہے جس میں انوارِ غیبی، طبعی یا جسمانی عنصروں سے مل کر انسان کے زمینی اور محسوس کرنے والے جسم کو تابندہ کرتے اور اس کی زندگی کو وسعت بخشتے ہیں۔

یہی بدنِ محسوس وہ جگہ ہے جہاں نیکی اور بدی کی فوجیں متعین ہیں اور جہاں ان دونوں کا ٹکراؤ ہوتا ہے جسم کے قوائے ظاہری لشکر کا کام انجام دیتے ہیں۔ قوائے ظاہری سات ملکات سے عبارت ہیں یعنی کان، آنکھ، زبان، پیٹ، شرم گاہ، ہاتھ اور پاؤں۔ یہ نفس ہی ہے جو ان بکھرے ہوئے قوا کی شیرازہ بندی کرتا ہے اور ان پر حکومت کرتا ہے۔ ساتوں قوائے ظاہرہ انسانی تخیل کے احکام کے تحت کام انجام دیتے ہیں اگر انسانی تخیل اپنے ساتوں ملکات کو خودغرضانہ مقاصد کے لیے یا شیطانی اغراض کے لیے استعمال کریں تو یہ ملکات قوائے شیطانی میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور انسان کے وجود کی ریاست شیطانی قوتوں کے قبضے میں آجاتی ہے جس کی وجہ سے رحمانی اور عقلی قوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔ وہ شکست کھا کر ناچار انسان کے وجود سے کوچ کر جاتی ہیں اور وجودِ انسانی مکمل طور پر شیطانی ریاست میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اگر انسانی تخیل عقل کے احکام کی پابندی کرے اور عقل کے ساتھ مذہبی عقیدہ وجود انسانی میں کارفرما رہے اور انسان کی حرکات و سکنات عقل اور عقیدے کے زیرِ اثر کام کریں تو وجود انسانی ایک عقلانی اور رحمانی مملکت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ شیطان اور شیطانی قوتیں اپنا سامان باندھ کر رخصت ہونے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے جہادِ نفس خدا کی راہ میں جہاد کرنے اور شہید ہونے سے برتر جہاد ہے یہ مقام فطری صلاحیتوں پر قابو پانے اور انہیں خالقِ عالم کے حکم کا تابعدار بنانے سے عبارت ہے۔ یہ نام ہے قلب کی مملکت کو شیطانی طاقتوں سے پاک کرنے کا۔

پہلا قدم :

تامّل - غور و فکر

خدا کی جانب حرکت کرنا اور اپنے بارے میں غور و فکر کرنا مجاہدۂ نفس کی پہلی منزل ہے بعض علمائے اخلاقیات نے اسی عمل کو پانچویں درجے میں رکھا ہے، یہ ترتیب بھی اپنی جگہ صحیح ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنے روز و شب میں سے کم از کم تھوڑا سا وقت اس عمل کے لیے مختص کر لیں اور دل میں سوچیں کہ ہم پر اپنے پیدا کرنے والے اور پالنے والے کی طرف سے کیا فرض عائد ہوتے ہیں۔ اس خدائے متعال کے لیے جس نے ہمیں پیدا کیا اور ہم کو ہر طرح کی دنیاوی نعمتوں اور راحتوں سے مالا مال کیا جو انسان کے لیے نفع بخش ہیں اور جن کی کارگزاریاں بڑے بڑوں کی عقل کو حیرت میں ڈال دیتی ہیں۔ باوجود اتنی ساری نعمتوں سے نوازنے کے اس نے ہماری ہدایت کے لیے پیغمبروں کو بھیجا، ہماری رہنمائی کے لیے کتابیں نازل کیں اور ہم کو اپنی طرف دعوت دی۔ ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ اس شہنشاہوں کے شہنشاہ کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں۔ کیا یہ سب چیزیں صرف اس مقصد کے لیے عطا کی گئی ہیں کہ ہم اپنے حیوانی وجود اور اس کی خواہشات ہی کی تشفی کریں جن میں ہمارے ساتھ دوسرے حیوانات بھی شریک ہیں؟ یا ہماری زندگی کا کوئی اور مقصد بھی ہے؟ کیا انبیائے کرام، اولیائے عظام اور حکمائے عالی مقام نے ہر قوم و ملک کے افراد کو عقل و شرع کے اصولوں پر چلنے کی دعوت نہیں دی؟ کیا انھوں نے انسانوں کو ہوس پرستیوں سے دور رہنے اور اس دنیائے فانی سے پرہیز کرنے کا سبق نہیں سکھایا؟ کیا سب لوگ انسان دشمن تھے اور ہیں؟ یا ہم نفسانی خواہشوں کے ہاتھوں مجبور بھٹکتے ہوئے انسان اپنی نجات کا راستہ نہیں جانتے؟

اگر ہم عقل سے کام لے کر سوچنے سمجھنے کی کوشش کریں تو سمجھ میں آئے گا کہ ان سب نعمتوں اور رحمتوں سے بھرپور اس بساط کا مقصد کچھ اور ہے۔ یہ حیوانی زندگی خود اپنا مقصود نہیں عقلمند انسان کو اپنے اوپر غور کرنا چاہیے اور اپنے حال پر رحم۔ اسے اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہنا چاہیے "اے ظالم نفس! تو نے برس ہا برس ہوس پرستی میں گنوا دیے اور سوائے حسرت و یاس کے کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ اب بھی اپنے آپ پر رحم کر۔ خدائے بزرگ و برتر کے سامنے اپنے گناہوں پر شرم کر اور اس کے دکھائے ہوئے راستے پر قدم اٹھا، وہ راستہ جس پر چل کر حیاتِ جاودانی اور سعادتِ دائمی ہاتھ آتی ہے! اور اس ابدی سعادت کو جو بڑی زحمتوں کے بعد نصیب ہوتی ہے، چند روزہ نفسانی خوشیوں پر جن سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں قربان مت کر۔ اے خود غرض نفس ایک لمحہ کے لیے رک کر سمجھنے کی کوشش تو کر۔ دنیا والوں کے حال پر غور کر گزشتہ کل سے لے کر زمانہ حال تک کے لوگوں کی زندگی کا جائزہ لے، دیکھ اور حساب کر کہ ان کی خوشیوں کے مقابلے میں ان کے غم اور پریشانیاں کتنی زیادہ ہیں۔ اس دنیا میں ہر ایک کو خوشیاں

اور آرام میسر ہیں؟ وہ جو تجھے نفسانی خوشیوں کی طرف بلاتا ہے دراصل انسان کی صورت میں شیطان ہے۔ وہ جو تجھے مشورہ دیتا ہے کہ مادّی زندگی کی حفاظت کر۔ ذرا اپنے حال پر غور کر اور اس سے سوال وجواب کر۔ اپنا احتساب کر اور دیکھ کہ کیا تو اپنے حال پر راضی ہے۔ کہیں تیرا حال اس شخص کا سا تو نہیں ہے جو خود بلا میں گرفتار ہے اور دوسرے کو بھی گرفتار کر لینا چاہتا ہے۔ تجھے چاہیے کہ ہر حال میں اپنے خدا سے عجز و گریہ وزاری کے ساتھ دعا کر کہ وہ کام وہ فرائض جو تجھ پر اس کی طرف سے عائد کیے گئے ہیں تجھ سے پورے ہو سکیں۔ تیرے اور اس کے درمیان امید کا رشتہ قائم ہے۔ یہ امید شیطان سے مقابلہ کرنے اور اپنے نفس امّارہ کو مارنے کے ارادے میں مضمر ہے۔ تیرے لیے دوسرا راستہ (روحانی ترقی کا) کھلا ہوا ہے۔ خدا تجھے اس کشمکش میں کامیاب کرے اور تو مجاہدہ کی اگلی منزل تک پہنچ سکے۔

عزم وارادہ :

نفس کے جہاد میں اگلی منزل جو غور و فکر کے بعد مرد مجاہد کو طے کرنی ہوتی ہے وہ عزم وارادہ کی منزل ہے یہ اس ارادہ سے بالکل مختلف ہے جس کا ذکر شیخ الرئیس نے "اشارات" میں عرفان کے اوّلین درجات کے زُمرے میں کیا ہے۔ ہمارے بعض مشائخ (خدا ان کی عمر طویل کرے) نے بھی عزم و ارادہ کو انسانیت کا جوہر اور انسانی آزادی کو ناپنے کا پیمانہ قرار دیا ہے۔ انسان کے درجات کی بلندی و پستی دراصل اس کے ارادہ کے درجات کے فرق کا نام ہے۔ وہ عزم و ارادہ جو اس مقام کے لئے لازمی ہے وہ گناہوں سے پرہیز کرنے اور تمام واجبات کو انجام دینے کے عہد کا نام ہے۔ یہ عبارت ہے اس سے کہ جو کچھ کوتاہیاں اس سے زندگی میں سرزد ہوئی ہیں ان کا کفارہ ادا کرے اور آخر کار انسان اپنے ظاہر کو عقل اور شرع کے سانچے میں ڈھال لے۔ کیونکہ عقل و شرع کا حکم ہے کہ انسان ان کے مطابق عمل کرے۔ یعنی زندگی میں اس کا عمل شرع کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق ہونا چاہیے اور اس کا ظاہر رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے عادات واطوار کی تقلید پر مبنی ہو۔ وہ اپنی زندگی کو رسُولؐ کی زندگی کے سانچے میں ڈھالے گا اور اس کے تمام اعمال، واجبات کی پابندی اور مکروہات کو ترک کرنے سے عبارت ہوں گے۔ وہ ان بزرگوار کی پیروی کرنے کی حتی المقدور کوشش کرے گا۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے، اس لیے کہ ظاہر میں ہر کسی کو ان کی تقلید کرنے کی توفیق خدا کے امکان میں ہے۔

یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ معارف الٰہی کا کوئی راستہ اس وقت تک طے نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ انسان پہلے قدم کے طور پر شریعت کے ظاہر کی پابندی سے آغاز نہ کرے۔ کوئی فرد اپنی روحانی زندگی کی قدروں کو نہیں پا سکتا جب تک وہ شریعت کے قوانین کی نیک نیتی سے پابندی نہیں کرتا

وہ اخلاقِ حسنہ کی بلندیوں کو حاصل نہیں کر سکتا۔ نہ ہی یہ ممکن ہے کہ معرفتِ الٰہی کا نور اس کے دل میں جلوہ افگن ہو اور علم باطن کے اسرار اس پر منکشف ہوں۔ جب انسان پر حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے اور اس کے دل میں معرفت الٰہی کے انوار اترتے ہیں تب بھی وہ شریعت کے ظاہری آداب کا پابند رہتا ہے۔ اس لحاظ سے بعض مدعیان کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ ظاہری پابندیوں کو ترک کرنے سے باطنی علوم کے دروازے کھلتے ہیں یا یہ کہ باطنی علم سے مشرف ہونے کے بعد ظاہری آداب کی پابندیوں کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ ایک گمراہی ہے جو عبادت کی فضیلتوں اور انسانیت کے درجوں کا علم نہ ہونے کی وجہ سے رونما ہوتی ہے اس کا ذکر ان شاء اللہ آئندہ اوراق میں کیا جائے گا۔

جدّوجہد :

اے بھائی۔ ارادہ و عزم کو قائم رکھنے کی کوشش کر، خدانخواستہ اگر تو اس دنیا سے ایک بے عزم و ارادہ انسان کی حالت میں کوچ کرے تو تو ایک بے مغز ہیولے سے زیادہ نہ ہوگا اور دوسری دنیا میں تو غیر انسانی شکل میں محشور ہوگا۔ وہ عالم باطن کے اسرار کا انکشاف کرنے والا ہے۔ گناہ کرنے کی جرأت آہستہ آہستہ انسان کے ارادے کو کمزور اور کھوکھلا بنا دیتی ہے اور اس سے انسانیت کے قیمتی جوہر کو چھین لیتی ہے۔ استاد محترم دام ظلہٗ فرمایا کرتے تھے کہ سب سے زیادہ جو چیز انسان کے ارادہ اور عزم کو کمزور کرتی ہے وہ موسیقی ہے اس لیے میرے بھائی گناہوں سے کنارہ کشی کر اور سب کو چھوڑ کر اللہ تعالےٰ کی طرف ہجرت کرنے کا عزم کر۔ اپنے ظاہر کو انسانی سانچے میں ڈھال لے۔ اپنے آپ کو اللہ والوں کے زمرے میں شامل کرلے اور خداوند تبارک و تعالےٰ سے دعا مانگ کر وہ تجھے اس مقصد میں کامیاب کرے رسول اکرمؐ اور ان کے اہلِ بیت علیہم السلام تیری شفاعت کریں اور خدا تجھے اس کام کی توفیق عطا کرے اور تیری مدد کرے۔ خدا تجھے آئندہ زندگی کی لغزشوں سے محفوظ رکھے جو نہایت لغزشیں ہیں۔ اس کا امکان ہے کہ کسی آن کوئی بھی بھول چوک تجھے ہلاکت کے گہرے غاروں میں اس طرح سے گرا دے کہ پھر کوئی تدبیر کام نہ آسکے اور کوئی بھی تیری مدد کرنے کے لیے آگے نہ بڑھے۔ یہی نہیں بلکہ شافعین کی شفاعت بھی تجھے میسر نہ ہو ایسے حال سے خدا کی پناہ نعوذ باللہ منھا۔

محاسبہ و مشارطہ :

اپنے نفس کے ساتھ لڑنے والے مجاہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اعمال کے بارے میں سوچ بچار کرے اور ان کا جائزہ لے۔ یہ امور مشارطہ، مراقبہ اور محاسبہ کہلاتے ہیں۔ مشارطہ یہ ہے کہ دن شروع ہوتے ہی کہ، اپنے آپ

سے اس چیز کا عہد کرے کہ آج کے دن وہ خدا کے حکم کی کوئی خلاف ورزی نہیں کرے گا اور وہ اسی شرط پر مضبوطی سے قائم رہنے کی کوشش کرے۔ ایک دن کے لیے اس ارادہ پر عمل کرنا بہت ہی آسان ہے اور انسان بآسانی اس عہد پر قائم رہ سکتا ہے۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ شیطان اور اس کے چیلے تمہاری نظر میں اسی کام کو ایک بہت مشکل کام بنا کر پیش کریں لیکن یہ سب اس ملعون کے جعل و فریب ہیں۔ اس پر سچے دل سے لعنت بھیجو اور ان باطل خیالوں کو اپنے دل سے نکال باہر کرو۔ ایک دن اس کا تجربہ کر کے دیکھو تو تمہیں خود معلوم ہوگا کہ یہ کام کتنا آسان ہے۔

مراقبہ : جب انسان اپنے آپ سے نیکی کا عہد (مشارطہ) کر لیتا ہے تو مراقبہ کا مرحلہ اس کے سامنے آتا ہے۔ اس عمل کے دوران انسانِ مجاہد کو ہر وقت اپنے عمل کے بارے میں چوکنا رہنا چاہیے اور اسے فرض سمجھنا چاہیے کہ اپنے عہد پر کاربند رہے۔ اگر خدانخواستہ تمہارے دل میں کوئی گمراہ کن خیال آئے جس پر عمل کرنا خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کے برابر ہے تو یہ سمجھ لو کہ یہ شیطان اور اس کے ہمنوا ہیں جو تم کو اپنے عہد سے ہٹانا اور اس پر عمل کرنے سے باز رکھنا چاہتے ہیں۔ ان پر لعنت بھیجو، ان کے شر سے خدا کی پناہ مانگو اور اس غلط خیال کو اپنے دل سے نکال پھینکو۔ شیطان سے کہہ دو کہ آج کے دن تم نے اپنے آپ سے خدا کی نافرمانی نہ کرنے کا عہد کیا ہے۔ کہہ دو کہ خدائے تعالیٰ میرا ولی نعمت ہے۔ اس نے برس ہا برس مجھے اپنی نعمتوں سے نوازا ہے۔ اس نے مجھے صحت، سلامتی اور امن و سکون کی دولت عنایت کی ہے۔ اگر میں شکر گذاری میں قیامت تک بھی اس کی خدمت کروں تب بھی اس کی ایک مرحمت تک کا حق ادا نہ ہوگا۔ یہ مناسب نہیں کہ ایک چھوٹی سی شرط بھی اس کے ساتھ وفا نہ کروں۔ ان شاء اللہ شیطان دفع ہوگا اور رحمانی قوتیں غالب آئیں گی۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ یہ کام تمہارے روزمرہ کے کسی کام جیسے سفر، کسب معاش، تحصیل علم وغیرہ میں رخنہ انداز یا مخل نہ ہوگا۔ دن گذرنے تک اسی کیفیت کو برقرار رکھو۔ رات جو اپنے اعمال کا حساب کتاب (محاسبہ) کرنے کا بہترین وقت ہے، اس وقت اپنے نفس سے حساب لو اور دیکھو کہ تم اپنے اس عہد کے، جو تم نے اپنے خالق سے باندھا تھا کہاں تک پابند رہے ہو۔ کہیں تم نے کچھ خیانت تو نہیں کی؟ اگر تم اپنے وعدے کی پابندی کرنے میں پوری طرح کامیاب رہے ہو تو اس توفیقِ خیر کے لیے اس کا شکر ادا کرو اور سمجھو کہ تم نے اس راہ میں ایک قدم آگے بڑھایا ہے اور اس کی توجہ کا مرکز بنے ہو۔ ان شاء اللہ خدا امورِ دنیا و آخرت میں تمہاری رہنمائی کرے گا اور اس کے فضل سے آنے والے دن کی مشکلیں تم پر آسان ہوں گی۔ اگر تم کچھ دن تک اس طرح سے کرو گے تو امید ہے کہ یہی تمہاری عادتِ ثانیہ بن جائے گی اور یہ کام تمہارے لیے بہت آسان ہو جائے گا۔ بلکہ تم کو خدا کے احکام کی پابندی کرنے اور گناہوں کو ترک کرنے میں لذت بھی

محسوس ہونے لگے گی۔ یاد رکھو کہ ہر عمل کی جزا اسی دنیا میں ملنا ضروری نہیں ہے۔ پھر بھی نیک کام سے جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ خود ایک طرح سے اس کی جزا ہے۔ خدائے تبارک و تعالےٰ اپنے بندوں کو ایسی ذمہ داریوں سے کبھی زیر بار نہیں کرتا جن کی تکمیل انسان کے بس میں نہ ہو۔ کبھی وہ ایسا بوجھ ان پر نہیں لادتا جسے اٹھانا ان کی طاقت سے باہر ہو۔ یہ شیطان اور اس کی امت کا کام ہے جو تمہاری نظروں میں کسی کارِ نیک کو مشکل اور سخت بنا کر پیش کرتے ہیں اگر خدانخواستہ تم نے اپنے محاسبے کے موقعہ پر کبھی یہ محسوس کیا کہ اب تم میں ایک قسم کی سستی آچلی ہے اور فساد رخنہ انداز ہونے لگا ہے تو خدائے بزرگ و برتر سے اس کے لیے معافی مانگو اور پھر سے عہد کرو کہ کل سے تم اور زیادہ استقامت و مردانگی کے ساتھ مجاہدہ کرو گے یہاں تک کہ خدائے تعالےٰ توفیق اور سعادتوں کے دروازے تم پر کھول دے اور تم کو انسانیت کے صراطِ مستقیم پر چلائے۔

ذکر و فکر :

یہ فصل ان امور کے بارے میں ہے جو نفس اور شیطان سے مجاہدے میں انسان کی مدد کرتے ہیں۔ مجاہدہ کرنے والے سالک راہِ خدا کو چاہیے کہ ان پر خصوصی توجہ کرے، ان میں سے ایک ذکر (یا تذکر) ہے۔ اس مقام کو میں اسی تذکرے پر ختم کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی اس ضمن میں بہت سے مطالب قابل ذکر رہ گئے ہیں اس جگہ ذکر سے مراد ہے خدائے تعالےٰ کو یاد رکھنا اور انسان پر اس کی گوناگوں نعمتوں کا تذکرہ۔ یہ جان لو کہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے محسن کا احترام و اکرام کرے۔ اگر کوئی انسان اپنی کتاب ذات کا مطالعہ کرے تو وہاں ضرور یہ لکھا ہوا پائے گا کہ انسان کو اپنے اوپر احسان کرنے والے اور نعمتیں عطا کرنے والے کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ اسے یہ بھی پتہ چلے گا کہ عطا کی ہوئی نعمتیں جسقدر بڑی ہوں گی اور نعمتوں سے نوازنے والے کا احسان جتنا ہی بے غرض ہو گا، اسی مناسبت سے اس کا لحاظ و احترام فطرت کی نظر میں بڑھتا جائے گا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص تمہیں کسی مخصوص غرض کے پیش نظر ایک گھوڑا عطا کرتا ہے تو اس کے احسان کا مقابلہ اس دوسرے فرد سے کرو جو بغیر کسی غرض کے تمہیں ایک پورا گاؤں بخش دیتا ہے۔ دونوں کے لیے شکر گذاری کے جذبات میں بڑا فرق ہوگا۔ یا مثال کے طور پر اگر کوئی ڈاکٹر تمہیں اندھے پن کے عذاب سے بچاتا ہے تو اس کے لیے تمہارے دل میں فطری طور پر عزت اور احترام پیدا ہو گا لیکن اس سے کہیں زیادہ عزت اور احترام اس شخص کے لیے ہوگا جو تمہیں موت کے چنگل سے نجات دلائے۔ اب تم خود غور کرو کہ مالکوں کے مالک اللہ جل شانہٗ نے نظر آنے والی اور نظر نہ آنے والی اتنی نعمتیں تمہیں بخشی ہیں کہ اگر تمام انسان اور جن چاہیں بھی تو سب مل کر اس کا ایک شمہ بھی فراہم نہیں کر سکتے،

پھر بھی ہم ان سے بے پروا ہیں۔ مثال کے طور پر اس ہوا کو ہی لے لو جس سے ہم رات دن مستفید ہوتے رہتے ہیں اور جس پر ہماری اور دوسری ساری مخلوقات کی زندگی کا دارومدار ہے ہوا اگر پندرہ منٹ کے لیے بھی رُک جائے تو کوئی انسان یا جانور زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہ خود کتنی بڑی نعمت ہے۔ اگر دنیا کے تمام انسان اور جن مل کر بھی چاہیں تو اس سے مشابہ کوئی چیز بھی بنانے سے معذور ہیں۔ اسی طرح خدا کی دوسری نعمات کے بارے میں سوچو مثلاً ظاہری جسم کی صحت و سلامتی جس کے ظاہری حواس و وسائل آنکھیں کان، حس ذائقہ وغیرہ ہیں جس کی اندرونی صلاحیتوں میں فکر، تخیل، عقل وغیرہ شامل ہیں ان میں سے ہر ایک قوت بے پناہ فائدے رکھتی ہے اور یہ سب ہمارے مالک نے بغیر مانگے ہمیں عطا کی ہیں۔ صرف ان ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ ہماری ہدایت کے لیے انبیاء اور پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل کیں اور ہمیں بھلائی اور برائی کی راہوں میں تمیز کرنا سکھایا جنت اور جہنم، سعادت اور ضلالت کی راہیں روشن کیں۔ وہ ہر چیز جس کے ہم محتاج تھے، دنیا اور آخرت میں ہمارے لیے مہیا کی۔ حالانکہ وہ عبادت و اطاعت کا محتاج نہیں اور ہماری اطاعت گذاری یا نافرمانی اس کی ذات کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ یہ تو ہماری ہی اچھائی کے لیے ہے جو اس نے ہم کو اچھائیوں پر عمل پیرا ہونے اور برائیوں سے بچنے کا حکم دیا۔ ہم پر لازم ہے کہ ان نعمتوں اور دوسری بے شمار نعمتوں کا جن کا شمار بھی انسان کے بس میں نہیں شکر ادا کریں۔ ان کی جزئیات تک تو پہنچنے کا سوال ہی انسان کے لیے پیدا نہیں ہوتا۔ اب ہم یہ فیصلہ کریں کہ ایسے منعم کا احترام کرنا ہماری فطرت کا تقاضا ہے یا اس کے احکام کی حکم عدولی کرنا ہمارے لیے جائز ہے؟ ایسے ولی نعمت کا جتنا بھی شکر کیا جائے کم ہے۔ یہ انسانی فطرت کا حکم ہے کہ ہر بزرگ و عظیم شخصیت کا احترام کیا جائے۔ لوگ دنیا کے ثروت مندوں، بادشاہوں اور بڑوں کے جو بھی احترامات بجا لاتے ہیں وہ سب اس لیے ہیں کہ انھیں بزرگ اور عظیم سمجھا جاتا ہے۔ ان لوگوں کی بڑائی کا مقابلہ شہنشاہوں کے شہنشاہ اس مالک الملوک کی عظمت اور بڑائی سے کیا جا سکتا ہے؟ وہ صانع و خالق جس کی مخلوقات میں ہماری یہ دنیا حقیر ترین دنیا ہے اور اس کی کائنات کا سب سے چھوٹا جزو ہے، پھر بھی کسی موجود کی عقل اب تک اس کا احاطہ پوری طرح نہیں کر سکی۔ وہ اس عالم کا خالق عظیم ہے جس کی لامتناہیت کو ناپنا تو کجا جس کا تصور بھی کرنا انسانی عقل کے امکان سے باہر ہے۔ صرف اسی ایک نظام شمسی کو جو ان گنت منظومات شمسی میں سب سے چھوٹا اور غیر اہم ہے اس کے حدود کی وسعت کا دنیا کے بڑے سے بڑے ماہرین فلکیات بھی اب تک اندازہ نہیں کر سکے۔ کیا یہ رب العظیم جس نے صرف ایک اشارے سے ان تمام عالمین اور دوسرے ہزاروں ہزار مخفی عالموں کو خلق کیا ہے۔ ہماری عقل کی رو سے اور اس کتاب قدرت کی زبان کے اعتبار سے لائق احترام و عبادت نہیں ہے؟ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ اگر کوئی کسی کی غیبت کر رہا ہو اور اسی وقت وہ شخص خود وہاں آ جائے

ہو غیبت کرنے والا خاموشی اختیار کرلیتا ہے اور اس کے احترام میں اس کی غیبت کرنے سے احتراز کرتا ہے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ خدائے تبارک و تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔ وجود کے تمام دائرے اس کی نظر میں ہیں اس کا حکم ان پر چلتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہر جاندار اس کی نظر میں ہے۔ ہر عمل اس کے علم میں ہے۔ اس لیے اے نفس! اپنے آپ کو ہمیشہ اس کے مقدس وجود کے سامنے حاضر و ناظر سمجھ۔

کتنا بڑا ظلم اور کتنی عظیم معصیت ہوگی اگر اس کی دی ہوئی نعمتوں کا اس کے حضور کفران کیا جائے۔ اگر تمہارے دل میں شرم و حیا کا شائبہ بھی موجود ہے تو کیا تمہیں شرم سے پانی پانی نہ ہو جانا چاہیے؟ پس اے عزیز دوست! خدا کی عظمت اور اس کی عطا کی ہوئی نعمتوں کو اور رحمتوں کو یاد رکھ اور اس کے احکام کی نافرمانی کرنا چھوڑ دے اور اس عظیم جنگ میں شیطان اور اس کے لشکر پر فتح یاب ہو۔ اپنے دل کی مملکت کو ایک رحمانی اور حقانی مملکت میں تبدیل کر دے جہاں شیطان کی فوج کے بجائے حق تعالیٰ کے لشکر کی افواج کا ڈیرہ رہے تاکہ خدائے تبارک و تعالیٰ تجھے توفیق عطا کرے اور وہ تجھے ان خطرات سے محفوظ رکھے جو اپنے نفس کے ساتھ جنگ میں تجھے پیش آئیں گے دعا کر کہ اس ہولناک ترین جنگ کے میدان میں وہ تیری یاری کرے۔ یہ آنے والا امتحان جہادِ نفس ہے جو انسان کے اندرون میں برپا ہوتا ہے۔ یہ مجاہدے کی دوسری منزل ہے۔ جس کی طرف ہم آئندہ اشارہ کریں گے۔ دوبارہ اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ ہرگز ہرگز یہ امید نہ رکھو کہ خدائے تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا تمہارے کام آسکتا ہے۔ خود حق تعالیٰ سے تضرع و زاری کے ساتھ درخواست کرو کہ وہ اس مجاہدے میں تمہاری اعانت کرے اور تم اس کی مدد سے ان شاء اللہ نفس پر غالب آؤ۔ واللہ ولی التوفیق۔

دوسرا مقام : اس میں بھی کئی فصلیں ہیں۔

یہ جان لو کہ انسان کے نفس کی ایک علیٰحدہ مملکت ہے، یہ باطن کی دنیا ہے جو ملکوت کے ظہور و نفوذ کی دنیا ہے۔ اس دنیا میں نفس کی قوتیں دنیائے ظاہر کے مقابلے میں کہیں زیادہ طاقت کے ساتھ کارفرما رہتی ہیں لشکرِ رحمانی اور لشکرِ شیطانی میں اسی جگہ ٹکراؤ زیادہ سخت ہوتا ہے اور اس مقابلے کی اہمیت بھی زیادہ ہے۔ دنیائے ظاہر میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ اس دنیا کے اثرات ہی کا نتیجہ ہے۔ رحمانی اور شیطانی قوتوں میں سے جو بھی قوت وہاں غالب رہتی ہے اس عالم میں بھی اسی کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ علماء مشائخ اور اہل سلوک بھی اسی مقام کے جہاد کو زیادہ اہمیت کا حامل گردانتے ہیں اور اس کو تمام سعادتوں اور شقاوتوں اور انسانی بلندیوں اور گراوٹوں کا سرچشمہ بھی سمجھتے ہیں۔ اس مقام پر انسان کو بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ خدانخواستہ

ایسا نہ ہو کہ لشکر رحمانی کی ہار کی وجہ سے یہ مملکت اس کو نااہل شیطانی لشکروں کے حوالے کرنی پڑے
اور انسانِ مجاہد کو دائمی موت کا خطرہ لاحق ہو۔ یہ وہ خطرہ ہے جس کی تلافی بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ
اس حال کو پہنچے ہوئے انسان کو شافعین کی شفاعت سے بھی فیض حاصل نہ ہوگا۔ ارحم الرحمین
غضب کی نگاہ سے اسے دیکھتا ہے، بلکہ ہو سکتا ہے کہ شفاعت کرنے والے بھی اس کے
مخالف ہو جائیں۔ قابلِ افسوس ہے اس انسان کی حالت جس کی شفاعت کرنے والا ہی اس
سے خفا ہو جائے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ وہ کیسی سزا ہوگی جو اپنے ساتھ ایسے عذاب ایسے شکنجے
ایسی سختیاں اور بدبختیاں لائے جو غضبِ خداوندی اور اولیائے خدا کی دشمنی کی پاداش ہیں۔
ان کے آگے جہنم کی تمام آگ تمام زقوم اور تمام سانپ اور بچھو ہیچ ہیں۔ خدا نہ کرے ہمارے سر
وہ عذاب پڑے جس کی اہلِ ریاضت و سلوک خبر دیتے ہیں اور جو ان سب مصیبتوں اور عذابوں
سے جن کو ہم اپنے تصور میں لا سکتے ہیں سخت تر ہوگا۔ جن جہنموں کے بارے میں تم نے اب
تک سن رکھا ہے وہ سب اس عذاب اور اس جہنم کے آگے رحمت اور بہشت کی حیثیت رکھتے
ہیں۔ وہ جہنم اور بہشت جن کا بیان ہم اکثر کتابِ خدا اور انبیاء اور اولیائے خدا کی روایتوں میں
پڑھتے ہیں وہ صرف اعمال کے جہنم اور بہشت ہیں یعنی اچھے اور برے اعمال کی جزاء و سزا کے لیئے
ہیں۔ ان ہی کتابوں میں بعض مخفی اشارے اخلاق کی بہشت اور جہنم کی طرف بھی ملتے ہیں یہ اعمال کہ
بہشت و جہنم سے کہیں زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ کبھی جنتِ لقاء اللہ اور جہنم فراقِ الٰہی کا ذکر ملتا
ہے جو سب سے زیادہ اہم ہے۔ لیکن یہ سب در پردہ اشارے ان کے لیے ہیں جو انہیں سمجھنے
کے اہل ہیں۔ ہمارے تمہارے ایسے معمولی انسان ان اشاروں کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ لیکن
بہتر یہ ہے کہ ہم ان کا انکار نہ کریں جو کچھ خداوند تعالیٰ اور اس کے اولیاء نے کہا ہے اس پر ہمیں
ایمان رکھنا چاہیے۔ شاید یہ ایمانِ اجمالی ہی ہمارے لیے سودمند ثابت ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان
کا بغیر سوچے سمجھے، بے محل و بے جا انکار ہمارے لیے بہت نقصان دہ ثابت ہو۔ اس دنیا
میں رہتے ہوئے ہم ان نقصانوں کو سمجھ نہیں سکتے۔ اگر تم سنو کہ فلاں حکیم یا فلاں عارف یا
فلاں مرتاض ایسا کہتا ہے تو تم اسکو صرف اس لیے رد نہ کرو اور باطل نہ ٹھیراؤ کہ وہ تمہارے
ذوق سے مطابقت نہیں رکھتا یا تمہارے سوچنے کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔ ممکن ہے وہ چیز
قرآن سنت یا عقل پر مبنی ہو جس سے تم ناواقف رہے ہو۔ یہ بات اس طرح ہوگی کہ ایک
فقیہ دیات کے بارے میں فتویٰ دے جس کے بارے میں تم کچھ نہیں جانتے اور تم بغیر اس
کے منابع کو جانے اس کو رد کر دو۔ اگر کوئی خدا رسیدہ سالک یا معارفِ الٰہیہ کا عارف
جنت اور جہنم کے بارے میں کچھ کہے اور تم اصل مدارک کو پڑھے بغیر اس کی بات رد کر دو تو
یہ رویہ بھی پہلی مثال کا سا ہوگا، کسی کی توہین کرنا یا کسی کے ساتھ جسارت کرنا بہت آسان
کام ہے۔ کیونکہ اس کے لیے کسی علم کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سوچو کہ وہ شخص اس وادی کا

تہوار ہے اور اسی میدان کا مرد ہے۔ عین ممکن ہے اس نے کتاب خدا یا ائمہ اطہار علیہم السلام کی احادیث میں یہ بات دیکھی ہو جو کہہ رہا ہے اور تمہاری ان منابع تک رسائی نہ ہو۔ اس صورت میں تم بغیر کسی معقول عذر کے رسول ؐ کو جھٹلانے کے گنہگار ہو گے۔

بعد میں تم نہ کہہ سکو گے کہ تمہارا علم محدود تھا یا یہ کہ تم نے اہلِ منبر سے اس بات کے خلاف کچھ سنا تھا۔ یہ عذر قابلِ سماعت نہیں۔

جو کچھ بھی اچھے اخلاق اور نیکیوں کی بہشت اور برے اخلاق و کردار کے جہنم کے بارے میں کہا گیا ہے وہ ایسی مصیبتوں کی تفصیل ہے جن کے سننے کی طاقت بھی ہم میں نہیں ہے۔ پس اے عزیز دوست! فکر کر کوئی تدبیر سوچ، نجات کا راستہ اور اس عذاب سے چھٹکارہ پانے کا کوئی وسیلہ ڈھونڈھ! خدائے ارحم الراحمین سے پناہ کا طالب ہو۔ راتوں کی تاریکی میں تضرع وزاری کے ساتھ اس ذاتِ مقدس سے منت سماجت کر کہ وہ اس جہادِ نفس میں تمہاری مددگار ہو تاکہ تمہیں فتح مندی حاصل ہو اور تمہارے دل کی سرزمین شیطانی لشکر سے پاک ہو جائے تاکہ یہ گھر اپنے حقیقی مالک کے تصرف میں آسکے تاکہ خدائے تعالیٰ تمہیں اپنی رحمتوں، سعادتوں اور بہشتوں سے مالا مال کرے جنت اور اس کے محلات اور حوروں کی تم نے جو تعریفیں سنی ہیں، اس سعادت و بہشت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں۔ یہ خدا کی وہ لامتناہی سلطنت ہے جس کی خبر ملتِ بیضا کے منتخب اولیاء نے دی ہے۔ یہ سلطنت بالاتر ہے تمام اور چیزوں سے اس کے متعلق کسی انسانی کان نے نہ کچھ سنا ہے اور نہ کسی قلب بشر میں اس کا گذر ہوا ہے۔

قوائے باطنی :

خدائے تبارک و تعالیٰ نے اپنی حکمت اور قدرت سے عالمِ غیب اور باطنِ نفس میں ایسی قوتیں خلق فرمائی ہیں جن کے فوائد بے شمار ہیں۔ یہاں پر ہم ان میں سے تین کے بارے میں بحث کریں گے۔ یہ قوتیں ہیں قوت واہمہ (تخیل)، قوت غضبیہ اور قوتِ شہویہ۔ ان میں سے ہر ایک بے شمار فائدوں کی حامل ہے۔ یہ انسانی ذات اور نسل کے تحفظ اور دنیا و آخرت کے بنانے میں مدد دیتی ہیں۔ علماءؒ نے ان کا تفصیلی ذکر کیا ہے جس کی تفصیل میں جانے کی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں پر ہمارے لیے صرف اس بات کا ذکر کرنا لازم ہے کہ یہ تین قوا ہمارے تمام اچھے اور برے اطوار کا سرچشمہ ہیں اور اسی لحاظ سے ہماری تمام غیبی اور ملکوتی شکلوں کا منشاء اور مبداء۔ اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح خداوند تعالیٰ نے انتہائی کمال، خوبی اور نرالی ترکیب سے انسان کو اس دنیا میں ایک شکل و صورت عطا کی ہے، اسی طرح ہر ایک کے لیے ایک مخصوص شکل و صورت عالم غیب و ملکوت میں بھی خلق کی ہے۔ دنیا کے تمام فلسفی اور عالم ظاہر انسانی پیکر کو سمجھنے میں حیران ہیں۔ اس کے معنے علم الابدان و تشریح الاعضاء (انا

ترمی اور فزیالوجی) کی مدد سے بھی اب تک حل نہیں ہو سکے۔ اسی حسن ترکیب اور خوشش جمالی کی بنا پر خدائے برتر و عظیم نے انسان کو سب مخلوقات سے ممتاز فرمایا ہے۔ اسی طرح انسان کی دوسری صورت بھی بنائی جو اس کی نفسی صلاحیتوں اور باطنی عادتوں کی تابع ہے۔ حیات بعد ممات ہو یا عالم برزخ، ہر فرد اسی صورت کے ساتھ محشور ہوگا۔

اگر کسی شخص کی اندرونی صلاحیتیں قوا اور میلانات انسانی ہیں تو اس کی صورت اور شکل بھی انسان جیسی ہوگی۔ لیکن اگر کسی شخص کے ملکات اور میلانات انسانی نہیں بلکہ غیر انسانی ہیں تو اس کی ظاہری صورت بھی دوسری دنیا میں انسان جیسی نہیں ہوگی بلکہ اس کے مخفی قوا، ملکات اور میلانات کے مطابق غیر انسانی ہوگی۔ مثلاً اگر شہوت و بہیمیت کی قوتیں اس کے باطن پر غالب رہی ہیں اور اس کی مملکتِ باطن پر ان کا حکم چلتا رہا ہو تو دوسری دنیا میں اس کی شکل و صورت ان بہائم کی ایسی ہوگی جو اس کی حالت کے مناسب ہوں اور اگر غیظ و غضب کی قوت اس کی شخصیت پر حاوی ہو اور اس کی دنیائے باطن اسی قوت کے زیر نگین ہو تو اس شخص کی صورت غیبیہ ملکوتیہ غضبناک درندوں میں سے ایک کی ایسی ہوگی۔ اگر کوئی شخص واہمہ اور شیطانی تخیل کو اپنا ملکہ بنائے تو اس کا باطن شیطانی قوتوں کی آماجگاہ ہوگا اور وہ دھوکے بازی، بے ایمانی بہتان اور غیبت ایسے رذائل کا مرتکب ہوگا، جو شیطان کی خصوصیات ہیں۔ ان کی وجہ سے اس کی شکل و صورت اسی مناسبت سے کسی ایک شیطان کی جیسی ہوگی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی انسان میں دو یا دو سے زیادہ ملکات کا غلبہ ہو۔ اس صورت میں اس کی صورتِ ملکوتیہ دوسری دنیا میں کسی بھی حیوان کی سی نہیں ہوگی بلکہ وہ ایسی عجیب و غریب شکل اختیار کرے گا جو اتنی وحشتناک اور دہشت خیز ہوگی کہ اس دنیا میں اس کا تصور بھی محال ہے پیغمبر خدا[۳۹] سے منقول ہے کہ قیامت کے دن کچھ لوگ اس طرح سے محشور ہوں گے کہ ان کے مقابلے میں بندروں اور گوریلوں کی صورتیں بہتر ہوں گی۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس عالم میں ایک انسان کے کئی چہرے ہوں۔ کیونکہ وہ عالم اس دنیا کی طرح نہیں ہے کہ ایک چیز کی صرف ایک ہی شکل ہو۔ یہ بات نہ خلافِ عقل ہے نہ خلافِ فطرت۔ بعدِ مرگ انسان کی شکل کا دارومدار اسی کیفیت پر ہے جو کسی انسان کی روح کے نکلتے وقت اور اس کے عالم بالا اور برزخ میں داخل ہوتے وقت ہوگی جب روح جسد انسانی سے جدا ہوگی تو جو ملکات و صفات اس روح کے دنیا میں ہوں گے وہی ملکات آخرت میں مخصوص صورت اختیار کریں گے۔ اسی صورت میں برزخ کی آنکھیں اسے دیکھیں گی۔ جب وہ خود اپنی آنکھیں کھول کر خود اپنے کو دیکھے گا تو اسی صورت میں پائے گا بشرطیکہ اس کو آنکھیں ملی ہوں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جس شکل و صورت میں اور جس حال میں یہاں تھا وہاں بھی اسی حال میں جائے۔ خدای تعالیٰ فرماتا ہے اس کے بعض بندے حشر کے دن خدا سے پوچھیں گے کہ کیوں تو نے مجھے اندھا محشور کیا جب کہ میں دنیا میں آنکھیں رکھتا تھا۔ جواب میں خدا تعالیٰ فرمائے گا:

"چونکہ تو نے میری آیتوں کو فراموش کیا تھا اسی لیے آج تجھے فراموش کیا گیا۔"

اے بے چارے انسان! تو ظاہر بین آنکھیں رکھتا تھا لیکن تیری باطنی اور تیری ملکوتی آنکھ اندھی تھی۔ تو ایسی باطنی چشم بصیرت سے محروم تھا، جو خدا کی نشانیوں کو دیکھ سکتی۔ اے بے چارے شخص تو سیدھی قامت اور خوش شکل تو ضرور رکھتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا، عالم ملکوت و باطن کا معیار اس سے مختلف ہے۔ تجھے استقامت باطنی حاصل کرنی چاہیے تھی تاکہ روز قیامت سیدھا کھڑا ہو سکے۔ اپنی روح کو روحِ انسانی کی حالت میں باقی رکھ تاکہ تیری صورت برزخ اور آخرت کے عالم میں انسانی صورت رہے۔ کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ عالم غیب اور باطن جو رازوں کے افشاء ہونے اور حقیقی ملکات کے ظاہر ہونے کا مقام ہے۔ اسی ظاہری دنیا جیسا ہے جہاں ہر شک وشبہ، دوڑ دھوپ اور بناوٹ چل سکتی ہے؟ تیری آنکھیں کان، ہاتھ پیر اور تمام اعضاء اپنی ملکوتی زبانوں سے، بلکہ ان میں سے بعض اپنی ملکوتی شکلوں سے تیرے افعال کی گواہی دیں گے۔ اے دوست اپنے دل کے کانوں کو کھول لے اور کمر کو دامن ہمت سے کس کر باندھ لے اور اپنی بدبختی پر رحم کھا! شائد اس طرح تو اپنے آپ کو انسانی شکل میں باقی رکھ سکے اور اس دنیا سے ایک انسان کی شکل میں رخصت ہو سکے تاکہ اہلِ نجات اور اہلِ سعادت میں تیرا شمار ہو۔ اس بات کا یقین کر لے۔ ایسا نہ ہو کہ تو، یہ گمان کرے کہ یہ محض نصیحتیں اور موعظات ہیں۔ نہیں۔ یہ نچوڑ ہے بڑے بڑے حکماء کے دلائل اور اصحاب ریاضت کے کشف کا، جن کا ذکر اخبارِ صادقین و معصومین میں ملتا ہے لیکن، ان اوراق میں دلائل کی تفصیل میں جانے اور اخبار و احادیث صادقین کو نقل کرنے کی زیادہ گنجائش نہیں۔

جبلّی میلانات کی تعدیل

یہ سمجھنا چاہیے کہ اس کا بھی امکان ہے کہ واہمہ (تخیّل)، غضب اور شہوت کی قوتیں لشکرِ رحمانی سے متعلق ہوں اور انسان کی سعادت اور خوش بختی کا سبب بن سکتی ہوں، بشرطیکہ ان کو عقل سلیم اور انبیائے کرام کے دکھائے ہوئے راستے کا پابند بنایا جائے۔ (اس کے برخلاف) یہ بھی عین ممکن ہے کہ یہ شیطانی قوتیں بن جائیں اگر ان کو آزاد چھوڑ دیا جائے اور واہمہ (تخیّل) کو دوسری دو طاقتوں پر حکمرانی کرنے کا موقع دیا جائے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ انبیائے کرام میں سے کسی نے بھی کبھی شہوت، غضب اور واہمہ (تخیّل) کو پوری طرح کھلنے کی تعلیم نہیں دی اور کبھی بھی کسی پیغمبرِ خدا نے یہ تقاضا نہیں کیا کہ شہوت کو بالکل مار دیا جائے یا غضب کے دھارے کو بالکل روک دیا جائے یا واہمہ (تخیّل) کی قوت سے بالکل کام نہ لیا جائے بلکہ انھوں نے ہمیشہ ان جبلّی قوتوں کو لگام دینے، عقل کے مطابق کام کرنے اور قوانین الٰہی کے تابع رکھنے پر زور دیا ہے

اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک قوت دوسری قوتوں کو زیر کر کے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتی ہے۔ مثال کے طور پر درندہ صفت اور خود سر قوتِ شہویہ جب بے لگام ہو کر اپنا مقصد پانے پر کمربستہ ہوتی ہے تو محصنات (محرمات) کے ساتھ خانۂ کعبہ میں بھی زنا کا ارتکاب کرنے سے دریغ نہیں کرتی۔ اسی طرح غضب میں مبتلا اندھا اور سرکش نفس اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انبیاء اور اولیاء تک کے قتل سے باز نہیں رہ سکتا۔ یہی حال واہمہ کا ہے۔ جب نفس شیطانی تخیلات کی آماجگاہ بن جائے تو حصولِ مقصد کے لیے اس بات کی بھی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کے عمل سے سارے عالم کا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور دنیا میں فساد پھیل جائے گا۔

انبیائے کرام دنیا میں اس لیے بھیجے گئے اور ان پر آسمانی کتابیں نازل کی گئیں کہ دنیا میں اس طرح کی بے راہ روی کی روک تھام ہو سکے اور نفسِ انسانی کی تربیت قانونِ عقل و شرع کے تحت کی جائے تاکہ انسان عقل کے معیار اور شرع کے اصولوں پر چلے۔ خوش نصیب ہے وہ انسان جو اپنے آپ کو قوانینِ الٰہی اور عقلِ سلیم کی شرائط کے سانچے میں ڈھال لے۔ اسے نجات حاصل ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس کو روزِ قیامت کی تمام سختیوں سے، بدبختیوں سے اور ان ہیبت ناک کریہہ صورتوں سے پناہ میں رکھے گا جو اس کو برزخ میں، قبر میں، قیامت میں اور جہنم میں اس کے اخلاقِ فاسدہ کی پاداش میں نصیب ہونے والی ہیں۔

قوتِ تخیّل کی تہذیب

اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنے والے مجاہد کو اس مقام پر اور آئندہ دوسرے مقامات پر شیطان اور اس کے ہمراہیوں کو زیر کرنے کے لیے سب سے پہلے اپنے تخیّل کی اڑانوں کو قابو میں رکھنا سیکھنا چاہیے۔ انسانی تخیّل ایک پرندے کی طرح ہے جو ہر آن اڑنے کے لیے پر تولتا رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ جلد از جلد اس جگہ پہنچ جائے جہاں وہ جانا چاہتا ہے۔ یہ اڑان اس کے لیے بدبختیاں بھی لا سکتی ہے۔ تخیّل شیطان کا آلۂ کار بھی بن سکتا ہے اسی وسیلے سے وہ انسان کو لاچار بنا سکتا ہے اور اس کو بدبختیوں کے اندھیرے میں دھکیل سکتا ہے۔

ایک انسانِ مجاہد جس نے اپنی اصلاح کرنے اور اپنے باطن کو شیطانی طاقتوں سے پاک کرنے کا عزم کیا ہے، اس کو اپنے تخیّل کی باگ ڈور مضبوطی سے تھامے رہنے کی ضرورت ہے اس کو چاہیے کہ اپنے خیالوں کی پرواز کو اپنے قابو میں رکھے اور اس کو اپنی من مانی کرنے کی اجازت نہ دے۔ جب بھی اس کے دل میں فاسد اور گناہ آلودہ خیالات سر اٹھائیں اس کو چاہیے کہ فوراً اپنے خیالات کا رخ اچھی سمت میں موڑ دے اور اچھی چیزوں کا تصور کرے۔ شروع میں

یہ کام ذرا مشکل معلوم ہوگا اس لیے کہ شیطان اور اس کے ساتھی ان چیزوں کو اس کی نظروں میں شکل بنا کر پیش کریں گے۔ تھوڑی سی توجہ دینے سے یہ کام آسان ہو سکتا ہے۔ تجربہ کر کے دیکھ لو ممکن ہے کہ تھوڑی سی توجہ اور کوشش سے تمہارا تخیل اِدھر اُدھر بھٹکنے کی عادت چھوڑ دے جب بھی یہ دیکھو کہ تمہارے خیالات پست اور چھوٹی چیزوں کی طرف جھک رہے ہیں۔ اپنی توجہ ان کی طرف سے ہٹا لو اور دوسری پاک اور اچھی چیزوں کی طرف متوجہ ہو۔ اگر تمہیں اپنی کوششوں میں کامیابی نصیب ہو تو اس نیک توفیق کے لیے اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرو اور اپنی کوشش جاری رکھو۔ اللہ چاہے تو تم پر رحمتوں کے دروازے کھل جائیں گے اور توفیق خداوند تمہیں انسانیت کے صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت کرے گی اور اللہ کے راستے پر چلنا تمہارے لیے آسان ہو جائے گا۔ انشاء اللہ اس راہ کی مشکلیں سہل ہو جائیں گی۔ یہ دھیان رکھو کہ شیطان فاسد خیالات اور باطل تصورات تمہارے دماغ میں پیدا کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کے لشکر تمہارے باطن کی مملکت میں اچھی طرح قدم جما لیں۔ تم جو شیطان اور اس کی فوجوں سے جہاد کرنے چلے ہو اور اپنے دل کی مملکت کو رحمانی سلطنت بنانا چاہتے ہو، تم کو اس ملعون کی چال بازیوں سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ اور وہ خیالات جو خدا کی مرضی کے خلاف ہیں انھیں اپنے آپ سے دور بھگا دینا چاہیے تاکہ انشاء اللہ تعالےٰ اس اندرونی جنگ میں یہ اہم چوکی شیطان اور اس کے ساتھیوں کے قبضے سے آزاد ہو جائے۔ یہ چوکی ایک سرحدی چوکی کا درجہ رکھتی ہے۔ اگر تم یہاں کامیاب رہے تو آئندہ کامیابیوں کی امید بھی رکھ سکتے ہو۔

اے عزیز دوست! ہر لمحہ خدائے تبارک و تعالےٰ سے مدد مانگو اور بصد عجز و نیاز اپنی حاجت طلب کرو۔ یوں کہو: اے خدا! شیطان ایک بہت بڑا دشمن ہے، جو تیرے انبیاء اور اولیاء کو بھی بھٹکانے کی طمع رکھتا تھا اور رکھتا ہے۔ اے خدا! تو اپنے اس کمزور بندے کی جو باطل اوہام اور پست خیالات کے جال میں گرفتار ہے، اعانت کر تاکہ وہ اس قوی دشمن سے عہدہ برآ ہو سکے۔ خدایا! تو اس میدان جنگ میں ایسے مہیب دشمن سے جو میری سعادت اور انسانیت کے لیے خطرہ ہے محفوظ رکھ! تو میرا ساتھ دے تاکہ شیطانی لشکر کو تیری اس خاص مملکت سے نکال باہر کروں! توفیق عطا فرما کہ وہ گھر جو تیرے لیے مخصوص ہے، اس تک اس غاصب کے ہاتھ نہ پہنچ سکیں۔

موازنہ (یا احتساب)

موازنہ ان چیزوں میں سے ہے جو راہِ سلوک میں انسان کی مدد کرتا ہے اس کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے۔ ایک باعقل انسان کو چاہیے کہ شہوت و غضب اور واہمہ سے پیدا ہونے والی فاسد برائیوں کے نفع اور نقصان پر نظر رکھے۔ شیطان کی تابع ان برائیوں کے نفع اور نقصانات کا اچھی طرح حساب کرے اور ان کا موازنہ و مقابلہ خدا ق

خوبیوں اور فضائل سے کرے جو عقل اور شرع کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ ان دونوں طرح کے افعال کے بارے میں غور و خوض کرنے کے بعد اس کو یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ کونسا عمل بہتر ہے۔ مثال کے طور پر شہوت جو ایک بے لگام قوت ہے جو انسان پر غلبہ حاصل کر کے بہت ساری خرابیوں کو راہ دیتی ہے اور اس کے نتیجے کے طور پر دوسری بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور ایک طویل مدت کے اندر اس میں فسق و فجور کا رجحان مضبوط سے مضبوط تر ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد انسان کسی بھی گناہ کا ارتکاب کرنے سے پیچھے نہیں ہٹتا اور کسی بھی طریقے سے ہر قیمت پر اپنی شہوانی خواہشوں کی تسلی چاہتا ہے، خواہ اس کے نتائج کتنے ہی برے کیوں نہ ہوں اگر قوت غضب کو نفس کے معاملات میں کھلی چھوٹ دے دی جائے تو اس سے بھی دوسری بہت ساری برائیاں پیدا ہوتی ہیں مثلاً یہی کہ جو بھی کوئی دوسرا آدمی اس کے ہاتھ پڑ جائے وہ اس پر ظلم اور ستم کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ جو لوگ اس کی مرضی کے خلاف ذراسی مزاحمت کرتے ہیں انہیں زیر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ذراسی سختی پر بے آرامی اور شور و غل کرتا ہے اور ہر ممکن طریقے سے نقصان رساں اور ناملائم چیزوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ ان ساری مخالفتوں کو جو اس کے مقاصد کی تکمیل میں مانع ہو سکتی ہیں، پوری طرح سے ان کو کچلنے کی کوشش کرتا ہے، چاہے اس کے نتیجے میں کتنا ہی بڑا فساد برپا ہو۔ یہی حال اس شخص کا ہوتا ہے شیطانی قوت واہمہ جس کی روح میں اپنا اثر قائم کر چکی ہوتی ہے۔ وہ کسی بھی شیطانی طریقے سے اپنے شہوت اور غضب کے میلانات کی تشفی کرنا چاہتا ہے اور ناجائز طریقے سے بندگان خدا پر تسلط جمانا چاہتا ہے، خواہ اس مقصد کے حصول کے لیے ایک خاندان کو تباہ کرنا پڑے یا ایک شہر یا ملک کو اجاڑنا پڑے وہ کسی بات سے دریغ نہیں کرتا۔

یہ ان تینوں قوا کی کارگزاریوں کے نتائج ہیں جب کہ وہ شیطان کے زیر اثر ہوتے ہیں۔ اگر ہم صحیح انداز سے سوچیں اور اس طرح کے لوگوں کے حال پر غور کریں تو ہم یہ جان سکتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنی تمام آرزوں اور تمناؤں کی تکمیل کے باوجود قانع نہیں ہوتا۔ دوسری ہزاروں خواہشیں اس کے دل میں سر اٹھاتی ہیں۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

تمام آرزوں اور خواہشوں کا پورا ہونا اس دنیا میں ممکن نہیں۔ یہ عالم ایک "دار مزاحمت" ہے۔ اس کے عوامل ہمارے ارادوں کے خلاف کام کرتے ہیں اور ہماری خواہشوں کی تشفی میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں، پھر ہماری خواہشیں اور آرزوئیں بھی لامحدود ہیں۔ مثلاً انسان کی قوت شہوانیہ اس طرح کام کرتی ہے کہ اگر اس کو ایک شہر کی عورتیں مل جائیں تو وہ دوسرے شہر کی عورتوں

کی طرف مائل ہوتا ہے اور اگر ایک مملکت اس کے ہاتھ آجائے تو اس کو دوسری مملکت کی فکر لاحق ہوتی ہے۔ انسان ہمیشہ اس چیز کے پیچھے دوڑتا ہے جو اس کی دسترس میں نہیں ہوتی۔ حالانکہ یہ بات کہی گئی ہے کہ تمام خواہشوں کی تشفی محال اور خیال خام ہے۔ اس کے باوجود شہوت اور خواہش کا یہ تنور ہمیشہ دہکتا ہی رہتا ہے اور اس کی تپش ختم ہی نہیں ہوتی بلکہ ہر وقت بڑھتی ہی جاتی ہے اور انسان کبھی اپنی آرزو کو نہیں پہنچتا۔ قوت منصب بھی اسی طرح سے انسان کی فطرت میں خلق کی گئی ہے کہ اگر وہ ایک حکومت کا مالک مطلق بنا دیا جائے تو دوسری ایسی سلطنت کی طرف متوجہ ہوگا جو اس کو نہیں مل سکی اور جو کچھ وہاں سے مل سکے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ جو کچھ بھی ہاتھ آئے وہ اس کی طلب کو دن بدن بڑھاتا اور اکساتا ہی ہے، کم نہیں کرتا۔ اگر کسی شخص کو اس بات میں شک ہو تو وہ خود اپنے حال پر غور کرے اور ساتھ ہی اہل دنیا کے حالات کا جائزہ لے۔ غریب، امیر، طاقتور اور باحشمت ہر طرح کے لوگوں کی زندگیوں کو دیکھے تو یقیناً اسے میرے خیال سے اتفاق کرنا پڑے گا۔ بات بالکل صاف ہے کہ آدمی ہمیشہ اس چیز کی چاہت میں گرفتار رہتا ہے جو اس کی نہیں ہوتی اور اسے نہیں ملتی۔ یہ انسانی فطرت ہے جس کو اسلام کے مشائخ اور بڑے علماء و فلاسفہ سمجھا اس ضمن میں خصوصیت سے ہمارے استاد اور معارف الٰہیہ کے خزانہ دار، عارف کامل آقائی مرزا محمد علی شاہ آبادی کے خیالات قابل ذکر ہیں۔ لیکن یہاں ان کی شرح کا موقع نہیں۔

بہر حال! اگر بفرض محال انسان اپنے تمام مقاصد پا بھی لے تو کیا اسے ان سے لطف اندوز ہونے کا موقع مل سکتا ہے؟ اس کی جوانی اور اس کی قوتیں کتنے دن کے لیے ہیں؟ جب زندگی کی بہار خزاں کے دن دیکھتی ہے تو اس کے دل میں زندگی کی امنگ اور اس کے بدن میں طاقت باقی نہیں رہ جاتی۔ نشاط انگیز چیزیں اپنی لذت کھو بیٹھتی ہیں۔ اس کی بصارت، سماعت، حس لمس اور دوسری صلاحیتیں ناکارہ ہو جاتی ہیں۔ مختلف امراض اس کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ اس کا نظام ہاضمہ اور نظام تنفس وغیرہ ٹھیک سے اپنے کام انجام نہیں دے سکتے۔ سوائے آہ سرد اور درد و حسرت سے بھرے دل کے اس کے پاس کچھ باقی نہیں رہتا۔ انسان کو تمام جسمانی قوتوں سے کام لینے کی مہلت زیادہ نہیں ملتی! سن تمیز سے لے کر جب اس کو اچھے برے کی سوجھ بوجھ عطا ہوتی ہے، ان قوتوں کے تنزل تک طاقتور سے طاقتور انسان بھی تیس چالیس سال سے زیادہ ان سے حظ نہیں اٹھا سکتا۔ وہ بھی اس صورت میں کہ اس کو ان امراض اور بیماریوں سے سابقہ نہ پڑے جن کو ہم لوگ روز دیکھتے ہیں اور جلد ہی فراموش کر دیتے ہیں۔ اگر ہم یہ فرض کر بھی لیں کہ کوئی انسان ڈیڑھ سو سال تک جیتا ہے اور ان تینوں قوتوں یعنی شہویہ، غضبیہ اور وہمیہ کو بغیر کسی تکلیف اور بغیر کسی رکاوٹ

کا سامنا کیسے کام میں لاتا ہے۔ تب بھی اس مہلت مختصرہ کے بعد جو ہوا کے جھونکے کی طرح گزر جائے گی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ملا؟ ان گریزاں لذتوں کو حاصل کر کے تم نے اس جاوداں زندگی کا سودا کیا تو کیا حاصل ہوا؟ تمہارے پاس کیا اثاثہ محفوظ ہے جو اس لاچارگی اور بے چارگی کے دن تمہارے کام آئے؟ کیا تم بالکل تنہا نہیں رہ گئے؟ کونسی چیز ہے جو برزخ میں قیامت میں تمہارے کام آئے گی؟ تم ملائکہ اولیائے خدا اور اس کے انبیاءؑ کے سامنے کیا پیش کر سکو گے؟ بے شک تم نے چند "اعمال قبیحہ" ممنوعات اپنے دامن میں جمع کیے ہیں جو برزخ اور قیامت کے وقت ایسی شکلوں میں نظر آئیں گے جسے خدا کے سوا کوئی اور نہیں جانتا ہے کہ کیا ہوں گی۔ تم نے اپنے ساتھ بھی کوئی نیکی نہیں کی۔ تم نے "آتش دوزخ" عذاب قبر اور قیامت وغیرہ کے بارے میں جو کچھ بھی سنا اسے آتش دنیا کے معیاروں سے سمجھنے کی کوشش کی۔ سمجھ لو کہ تم غلطی پر ہو اور غلط قیاس آرائی کر رہے ہو۔ اس دنیا کی آگ اُس دنیا کی آگ کے مقابلے میں بہت ہی ہلکی اور دھیمی ہے۔ اس دنیا کی سختیاں اور مصیبتیں اُس دنیا کے عذابوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ تمہاری سمجھ بوجھ عالم آخرت کے بارے میں بہت ہی ناقص اور نا تمام ہے۔ یہ سمجھ لو کہ اگر اس دنیا کی تمام آگ ایک جگہ جمع کی جائے تب بھی وہ ایک انسانی روح کو جلانے میں ناکام رہے گی اور وہ آگ نہ صرف انسانی جسم کو جلا کر خاک کر دے گی بلکہ روح اور دل کو بھی بھسم کر دے گی۔ تم نے اب تک جس جہنم کے بارے میں سن رکھا ہے وہ تمہارے اپنے اعمال کا جہنم ہے جو تمہیں حقیقت بن کر وہاں نظر آئے گا۔ خدائے تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا۔ (سورہ کہف۔ آیت ۴۹)

(انھوں نے اپنے اعمال کو وہاں حاضر پایا)

تم نے اس دنیا میں جو کچھ بھی کیا ہے تمہیں اس کی سزا وہاں بھگتنی ہے۔ اگر تم نے یتیم کا مال ہڑپ کیا ہے اور مزے اٹھائے تو خدا ہی بہتر جانتا ہے اس صورت کے بارے میں جو تمہیں اس عالم میں اس جہنم میں نصیب ہوگی۔ وہ لذتیں جن کے مزے تم نے یہاں لوٹے، کیا حقیقت رکھتی ہیں؟ یہاں تم نے اپنے سخت و سست الفاظ سے بندگانِ خدا کے دل دکھائے، خدا ہی جانتا ہے کہ وہ اس کی کیا سزا دے گا۔ کیا تم وہیں جا کر دیکھنا چاہتے ہو کہ تم نے اپنے لیے کیسے عذاب کا انتظام کر رکھا ہے؟ جب تم کسی کی غیبت کرتے ہو تو ملکوتی شکل جو تمہیں عطا کی گئی تھی، تم سے واپس لی جاتی ہے اور اس کے بجائے تم کو نئی صورت سے دردناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

یہ اس جہنم کی بات ہے جو برے اعمال کا دوزخ ہے۔ یہ نسبتاً سرد، آسان ملائم اور گوارا ہوگا۔ یہ ان گنہگاروں کو نصیب ہوگا جو ملکات فاسدہ اور رذیلہ جیسے طمع، حرص، ذخیرہ اندوزی اور جھگڑالوپن کے شکار اور دنیوی چیزوں کی محبت میں گرفتار اور دوسری اخلاقی پستیوں کا

شکار تھے۔ خود اس دوزخ کا بھی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں عذاب کی صورتیں ایسی ہوں گی جنہیں ہمارا اور تمہارا ذہن تصور بھی نہیں کر سکتا۔ حالانکہ یہ خود نفسی کی گہرائی سے ظاہر ہوں گے۔ اہل جہنم ان کے عذاب سے گریزاں ہوں گے اور وحشت کریں گے۔ بعض روایات موثقہ میں ہے کہ جہنم میں ایک وادی جو متکبروں کے لیے مخصوص رکھی گئی ہے اس کا نام "سقر" ہے کہا جاتا ہے کہ ایک بار "سقر" نے خدائے تعالیٰ سے گرمی کی شدت اور حرارت کی شکایت کی اور خدا سے تھوڑی سی مہلت مانگی تاکہ وہ سانس لے سکے۔ جب اسے امان ملی اور اس نے سانس لی تو اس کے اثر سے جہنم بھی تپ اٹھا۔

بعض ملکات اپنے برے نتائج سے انسان کو جہنم میں داخلے کا مستحق بناتے ہیں۔ کیونکہ وہ انسان سے اس کا ایمان چھین لیتے ہیں مثلاً حسد جس کے لیے روایات صحیحہ میں آیا ہے کہ ایمان کو حسد اس طرح سے ختم کر دیتا ہے جیسے ایندھن کو آگ کھا جاتی ہے۔ روایات صحیحہ کے مطابق دنیا، اقتدار اور دولت کی ہوس کی مثال ایمان کے لیے ایسی ہے جیسے دو بھیڑیوں کو ایسے گلے میں چھوڑ دیا جائے جس کا کوئی رکھوالا نہ ہو۔ ایک ان بھیڑوں پر سامنے سے حملہ آور ہو اور دوسرا پیچھے سے تو جلد انھیں ہلاک نہیں کرتے اور بہت جلد سب بھیڑوں کا خاتمہ کر دے۔ دنیاوی چیزوں کی لالچ اور محبت انسان کا ایمان سلب کر لیتی ہے اور اس کی یہ برائیاں خدا نہ کرے اس کو برے اخلاق اور گنہگاریوں کے ایسے راستے پر لے جائیں کہ اس کا ایمان ختم ہو جائے اور وہ ایک کافر کی موت مرے اور اسے کافروں اور باطل عقائد کے جہنم میں ڈالا جائے۔ یہ جان لو کہ عقائد باطلہ کا جہنم دوسرے جہنموں سے زیادہ سخت زیادہ گرم اور زیادہ تاریک ہے۔

اے دوست! یہ بات سائنس کے ذریعے بھی ثابت ہو چکی ہے کہ شدت کے درجے لامتناہی ہیں۔ جتنا تم تصور کر سکتے ہو اور جس قدر دوسروں کا تصور پہنچ سکتا ہے۔ جہنم کے عذاب کی شدت ان سب تصورات سے بڑھ کر ہوگی۔ کیا تم نے حکماء کے دعوں کے بارے میں نہیں سنا؟ کیا اہل ریاضت پر جو چیزیں منکشف ہوتی ہیں ان پر تم یقین نہیں رکھتے؟ خدا کے فضل سے تم ایک مومن ہو اور انبیائے صلوات اللہ علیہم پر یقین رکھتے ہو۔ تم ان تمام حدیثوں اور اخبار معتبرہ کو جن پر امامیہ فرقے کے تمام علماء ایمان رکھتے ہیں صحیح جانتے ہو اور ائمہ علیہم السلام کی مناجات اور دعائے ابوحمزہ ثمالی کو پڑھ چکے ہو۔ ذرا ان کے مضامین پر غور کرو اور ان کے جملوں کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرو۔ کسی طویل دعا کو تیزی سے اس کے معانی پر غور کیے بغیر ایک دفعہ میں پڑھنا ضروری نہیں۔ میرے اور تمہارے ایسے لوگوں کو امام سجاد علیہ السلام جیسی خصوصیات عطا نہیں کی گئی ہیں کہ اتنی طویل دعاؤں کو ایک بار میں پڑھ لیں۔ ہر رات ایک تہائی یا ایک چوتھائی دعا اس کے معنوں پر غور

کرتے ہوئے پڑھ لیا کرو۔ اس کو پڑھتے ہوئے ممکن ہے کہ تم پر ایک کیفیت طاری ہو جائے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ ضروری ہے کہ قرآن کی آیتوں پر غور کرو اور دیکھو کہ اہل جہنم کے لیے کس طرح کا عذاب مخصوص کیا گیا ہے۔ وہ لوگ خدا سے موت کی دعائیں مانگتے ہیں لیکن افسوس کہ موت بھی ان کے دکھ کا مداوا نہیں کرتی۔ دیکھو خدائے تعالیٰ کیا فرماتا ہے:

یَاحَسْرَتیٰ علیٰ مافَرَّطْتُ فی جَنْبِ اللّٰہِ وَاِنْ کُنْتُ لَمِنَ السَّاخِرِیْنَ - (الزمر آیت ۵۶)

حسرت ہے میرے حال پر کہ میں خدا سے بے خبر تھا اور میں بے شک مذاق اڑانے والوں میں تھا۔

یہ کس قماش کی حسرت اور افسوس ہوگا جس کا ذکر اللہ تعالےٰ اس طرح سے کر رہا ہے اس طرح کی آیتوں پر غور و تامل کیے بغیر تیزی سے مت گزر جاؤ:

یَوْمَ تَرَوْنَہَا تَذْہَلُ کُلُّ مُرْضِعَۃٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَہَا وَتَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی وَمَا ہُمْ بِسُکٰرٰی وَلٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیْدٌ (س۔ حج آیت ۲)

ترجمہ: اس روز تم دیکھو گے ہر عورت جو دودھ پلا رہی تھی، اس نے اپنے بچے کو پریشانی میں چھوڑ دیا اور ہر حاملہ عورت نے اپنا بوجھ ہلکا کر دیا (یعنی حمل گرا دیا)، اور تم دیکھو گے مردوں کو نشے کے عالم میں کبھی انھیں نشہ نہ ہوگا کیونکہ اللہ کا عذاب شدید ہوگا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کا نقشہ کھینچ رہا ہے، اے دوستو! ذرا تو خیال کرو کہ قرآن کریم نعوذ باللہ کوئی قصہ کہانی کی کتاب نہیں ہے اور تم سے مذاق تو نہیں کر رہا ہے۔ دیکھو تو قرآن کیا کہتا ہے۔ یہ ایسا عذاب ہوگا کہ لوگ اپنے عزیزوں کو بھول جائیں گے۔ اور حاملہ عورتوں پر سے ان کا بوجھ اتار دیا جائیگا۔ وہ کس طرح کا عذاب ہوگا، اسے خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم جیسے انسانوں کی عقل اس کے تصور سے قاصر ہے۔ اگر آئمہ اہل بیت اطہار علیہم السلام کی احادیث اور ان کی کتابوں کو پڑھا جائے اور ان پر غور و فکر کیا جائے تو بات سمجھ میں آنے گی کہ اس دنیا کی عذاب کا منظر اس دنیا کے عذابوں سے بالکل مختلف ہوگا۔ اس عالم کے عذابوں کا اپنی موجودہ دنیا کے کوائف سے قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

ابن بابویہ شیخ صدوق سے منقول حدیث

میں یہاں پر شیخ صدوق کی روایت کی ہوئی ایک حدیث نقل کرتا ہوں تاکہ اس بات کا اندازہ ہو کہ یہ مصیبت کس قدر سخت ہوگی۔ یہ حدیث انسانی اعمال کے جہنم سے متعلق ہے جو

سب سے زیادہ سرد ہے۔ میں یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ شیخ صدوق وہ ہستی ہیں کہ تمام بڑے علماء ان کے سامنے اپنے چھوٹے ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔ ان کی پیدائش امام علیہ السلام کی دعا سے ہوئی تھی اور انہیں امام زمان عجل اللہ فرجہ بھی بہت عزیز رکھتے تھے امامیہ فرقے کے بہت سے علماء مختلف واسطوں سے شیخ صدوق سے احادیث نقل کرتے ہیں۔ ہمارے اور شیخ علیہ الرحمۃ کے درمیان جتنے بزرگ راوی ہیں سب ثقات میں شمار ہوتے ہیں۔ یہاں ان کی سند سے ایک حدیث نقل کی جاتی ہے جو بھی اہل ایمان میں سے ہوگا ضرور اس حدیث پر عقیدہ رکھے گا۔

روى الصدوق باسناده عن مولينا الصادق عليه السلام، قال بينا رسول الله (ص) ذات يوم،

قاعداً اذ أتاه جبرئيل، وهو كئيب، حزين، متغير اللون، فقال رسول الله يا جبرئيل - مالي اراك كئيباً حزيناً؟ فقال يا محمد وكيف لا اكون كذلك وانما وضعت منافيخ جهنم اليوم، فقال رسول الله وما منافيخ جهنم يا جبرئيل؟ فقال ان الله تعالى امر بالنار فأوقد عليها الف عام - حتى احمرت، ثم امر بها فأوقد عليها الف عام حتى ابيضت، ثم امر بها فأوقد عليها الف عام حتى اسودت وهي سوداء مظلمة فلو أن حلقة من السلسلة التي طولها سبعون ذراعا وضعت على الدنيا لذابت الدنيا من حرها ولو ان قطرة من الزقوم والضريع قطرت في شراب اهل الدنيا لماتوا من نتنها، قال فبكى رسول الله (ص) وبكى جبرئيل فبعث الله اليهما ملكا فقال ان ربكما يقرأ كما السلام ويقول انى قد آمنتكما من ان تذنبا ذنبا اعذبكما عليه۔

ترجمہ: شیخ صدوق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا کہ ایک روز رسول اکرم (ص) بیٹھے ہوئے تھے کہ جبرئیل امین افسردہ اور محزون چہرہ کی رنگت اڑی ہوئی رسول خدا (ص) کے حضور وارد ہوئے۔ رسول (ص) نے فرمایا کہ اے جبرئیل کیا سبب ہے کہ میں تمہیں اس وقت افسردہ و محزون دیکھ رہا ہوں؟ کہنے لگے کہ اے محمد کیوں میں افسردہ نہ ہوں جب کہ میں نے آج دیکھا ہے کہ جہنم کی سانسوں کو پوری طرح بھڑکا دیا گیا ہے۔ حضرت رسول (ص) نے سوال کیا "جہنم کی سانسوں سے کیا مراد ہے؟" جبرئیل امین نے عرض کیا اس

سے مراد وہی آگ ہے جو خدائے عزّوجل کے حکم سے دھکائی گئی تھی، ایک ہزار سال تک وہ سرخ رہی، اس کے بعد حکم ہوا اور دھکاؤ! تب وہ ایک ہزار سال تک سفید رہی۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے حکم فرمایا کہ ایک ہزار سال تک اس کو اور دھکایا جائے کہ وہ سیاہ ہو جائے۔ اب جب کہ وہ سیاہ اور تاریک ہے۔ اس کی بلندی ستر ذراع ہے۔ اگر اس آگ کا صرف ایک شعلہ اس دنیا پر گرایا جائے تو وہ ساری کائنات کو پگھلا کر سیال بنا دے گا۔ اگر اس کے زقوم (جہنّم کا ایک درخت جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے، اور ضریع (ایک نہایت کڑوی اور گرم شئے جو جہنّمیوں کی غذا ہوگی) کا ایک قطرہ اس دنیا کے تمام خزانہ ہائے آب میں ٹپکا دیا جائے تو اس کی بدبو سے تمام انسان (اور جاندار) مرجائیں گے۔ یہ سنکر رسولِ خدؐا رونے لگے اور جبرئیل پر بھی ان کے ساتھ گریہ طاری ہوا۔ یہ نظارہ دیکھ کر خدائے تعالےٰ نے ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا۔ اس نے نازل ہوکر ان دونوں سے کہا کہ "خدا نے تمہیں سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ تم دونوں کو گناہوں سے نجات دی اور نتیجے کے طور پر اس عذاب سے بھی امان دی ہے"۔

میرے عزیز دوست! اس حدیث شریف کی طرح بہت ساری حدیثیں موجود ہیں۔ جہنّم کا وجود اور اس کا دردناک عذاب دنیا کے تمام مذاہب میں بہت صراحت سے بیان ہوا ہے اور اس کی حقیقت اس دنیا میں بھی سبھی اصحابِ مکاشفہ اور اربابِ دل پر کشف ہو چکی ہے۔ اگر کوئی ٹھیک سے تصوّر کرے اور اس حدیث کے حوصلہ شکن مضمون پر غور کرے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ دیوانہ وار جنگل کی طرف بھاگ نکلے۔ آخر کیا بات ہے کہ ہم لوگ اس طرح خوابِ غفلت میں مگن اور بدحالت کی دنیا میں گم ہیں۔ کیا رسولِ خدؐا اور جبرئیل کی طرح ہم پر بھی فرشتہ نازل ہوا ہے۔ اور ہم کو عذابِ خدا سے امان کا مژدہ سنایا گیا ہے؟ حالانکہ خود رسولِ خدؐا اور تمام اولیائے اللہ خوفِ خدا سے آخر دم تک بے تاب رہے۔ وہ اس خوف سے کھانا پینا اور سونا تک بھول گئے تھے۔ امام معصوم حضرت علی ابن الحسین علیہ السلام کی مناجاتیں، آہ و زاری، عجز و نیاز پڑھنے والے کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو کافی ہیں۔ آخر ہمیں کیا ہو گیا ہے جو کسی طرح کی حیا محسوس نہیں ہوتی؟ صد افسوس ہم پر کہ ہم خدا کے حضور میں دعا مانگتے وقت بھی اس کے قوانین اور اس کے محرّمات اور نوامیس کی اس قدر ہتک کرتے ہیں۔ افسوس ہم پر اور ہماری غفلت پر! ہم پر اور سکراتِ موت کی شدّت پر افسوس! صد افسوس اس حال پر جو برزخ میں ہمارا ہوگا۔ وائے ہو وہاں کی سختیوں پر! افسوس قیامت کے دن اور اس کے اندھیروں پر! صد افسوس جہنّم میں ہماری حالت پر اور وہاں کے عذاب اور سختیوں پر!

اخلاقی امراض کا علاج

اے عزیز دوست! خوابِ غفلت سے بیدار ہو۔ اپنی کوتاہیوں سے ہوشیار رہو اور اپنے آپ میں ہمت پیدا کرو اور اس مہلت سے فائدہ اٹھاؤ جب تک کہ زندگی باقی ہے جب تک کہ تمہارے قوا تمہارے بس میں ہیں، جب تک کہ جوانی قائم ہے، اس فرصت کو غنیمت جانو۔ اس سے قبل کہ اخلاقِ فاسدہ اور ملکاتِ رذیلہ تم پر غلبہ پالیں کچھ ان کے علاج کی تدبیر نکالو۔ اخلاقی فسادوں اور برائیوں کو دور کرنے کا کوئی راستہ تلاش کرو شہوت اور غضب کے شعلے کو بجھانے کی کوئی سبیل نکالو۔ بہترین علاج جو ماہرینِ اخلاق اور اہلِ سلوک نے اخلاقی برائیوں کو دور کرنے کے لیے تجویز کیا ہے وہ یہ ہے کہ جب بھی اپنے آپ میں تمہیں ان اخلاقی برائیوں میں سے کوئی برائی نظر آئے اس کے خلاف مردانہ وار جدوجہد کرو اور اپنے نفس کے خلاف کچھ دن تک مسلسل جہاد کرو اور اس گمراہ کی خواہشات کو کچلتے رہو۔ اپنے خدا سے مدد مانگو کہ وہ تمہیں اس مجاہدے میں ثابت قدم رہنے کی طاقت عطا فرمائے۔ کچھ مدت کے بعد دیکھو گے کہ وہ عادت بد دور ہو گئی ہوگی اور شیطان اور اس کا لشکر اس محاذ سے فرار ہو چکا ہوگا اور خدائی اور رحمانی قوتیں اس کی جگہ لے چکی ہوں گی۔

اخلاقی برائیوں میں سے ایک برائی جو انسان کی ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے اور جو فشارِ قبر کا باعث ہوتی اور انسان کو دونوں جہان کے عذاب میں مبتلا کرتی ہے وہ بدسلوکی ہے۔ اپنے گھر والوں کے ساتھ، اپنے پڑوسیوں کے ساتھ، اپنے رفقاء کے ساتھ، دکانداروں اور محلے والوں کے ساتھ یہ بدخلقی شہوت اور غضب کی پیداوار ہے۔ انسان مجاہد کو چاہیے کہ مسلسل اس کے سدِّباب کی کوشش کرے اور اپنے غیظ و غضب کے جذبات کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرے جب بھی اسے غصہ آئے اور اس کے دل و دماغ سے غصے اور طیش کے شعلے لپکنے لگیں جو اسے بدگفتاری اور تند زبانی پر اکسائیں تو انسان مجاہد کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس کے میلان کے خلاف قدم اٹھائے اور برائی کے خراب نتائج اور اپنی عاقبت کی خرابی کے بارے میں سوچے اور غصے اور بدزبانی کے بجائے نرمی کو کام میں لائے۔ اپنے دل میں شیطان پر لعنت بھیجے اور خدا سے پناہ مانگے۔

میرے دوست! میں یقین دلاتا ہوں کہ اگر تم اس طرح سے عمل کرتے رہے اور کئی بار اس عمل کو دہراتے رہے تو یہ عادت بالکل ختم ہو جائے گی اور تمہارا مزاج بالکل تبدیل ہو کر خوش مزاجی اور خوش خلقی اختیار کرنے لگے گا۔ نیک خلقی تمہاری فطرت بن جائے گی، لیکن اگر تم نے اپنی مرضی کے مطابق عمل کیا تو یہ سمجھ لو کہ اس دنیا میں بھی تمہارے لیے

اور نابودی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ میں اس غضب سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں جو اگر کسی انسان میں پیدا ہو، ایک پل میں اس کی دونوں دنیائیں تباہ کر ڈالتا ہے۔ غصہ روح کے قتل کا باعث ہوتا ہے۔ اس کا اندیشہ ہے کہ شاید کبھی کوئی فرد غصے کی شدت میں خدائی قوانین کے متعلق کوئی اول فول بک دے۔ جیسا کہ میں نے اکثر لوگوں کو غصے کی حالت میں کفر بکتے سنا ہے۔

حکماء اور فلاسفہ نے کہا ہے کہ وہ کشتی جو سمندر کی خطرناک موجوں میں گھری ہوئی ہو اور جس کا کوئی کھینچنے والا نہ ہو اس کی نجات آسان ہے بہ نسبت اس شخص کے جو غصے کے عالم میں ہو۔ اگر خدانخواستہ تمہارا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو علمی مباحثوں میں جھگڑا کرتے ہیں اور آپے سے باہر ہو جاتے ہیں، جیسا کہ طلباء میں سے کئی اس بری عادت کے شکار ہیں تو تمہیں اپنے غصے کا مقابلہ کرنا چاہیے اپنے میدانِ نفس کے خلاف کچھ دن تک عمل کرو، خاص طور سے ان جلسوں کے موقعہ پر جہاں علماء اور عوام یکجا ہوتے ہیں۔ اگر تم یہ دیکھو کہ جو شخص تمہاری مخالفت کر رہا ہے، وہ سچائی پر ہے تو اپنی غلطی کا اعتراف کر لو اور اپنے مخالف کی صداقت کی تصدیق کرو امید ہے کچھ دنوں میں تمہیں اس برائی سے چھٹکارہ مل جائے گا خدا نہ کرے کہ بعض اہل علم اور اربابِ کشف کا وہ قول تم پر صادق آئے جس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ ہمارے مکاشفات میں سے ایک میں یہ کشف ہوا ہے کہ اہلِ جہنم کا وہ جھگڑا جس کی اطلاع خداوند تعالےٰ نے دی ہے، دراصل علماء اور محدثوں کا جھگڑا ہے۔ اگر تمہیں اس بیان کی صحت کا احتمال بھی ہے تو تمہیں چاہیے کہ پوری کوشش کرو کہ اس بری خصلت سے نجات پاؤ۔ ذرا ذیل کے بیان کو توجہ سے پڑھو:

روی عن عدۃ من الاصحاب انہم قالوا: خرج علینا رسول اللہ (ص) یوماً ونحن نتماری فی شیءٍ من امر الدین فغضب غضباً لم نشاھد مثلہ الی ذلک الیوم وقال: لقد ھلک الذین من قبلکم لانہم لم یترکوا المراء، ان المؤمن لا یماری ولا یجادل فانّ المماری قد تمت خسارتہ ذروا المراء فان المماری لا اشفع لہ یوم القیٰمۃ ذروا المراء فانی زعیم بثلٰث ابیات فی الجنۃ وریاضھا واوسطھا واعلاھا لمن ترک المراء وھو صادق، ذروا المراء فان اول ما نھانی عنہ ربی بعد عبادۃ الاوثان المراء۔

"رسولِ خدا کے اصحاب میں سے کچھ لوگوں کی یہ روایت ہے کہ ایک روز رسول خداؐ ایسے وقت میں ہماری مجلس میں وارد ہوئے جب کہ ہم امورِ دین میں سے کسی مسئلہ پر آپس میں جھگڑے کی حد تک بحث و تکرار کر رہے تھے۔ پیغمبر اسلامؐ اس قدر غضبناک ہوئے کہ اس وقت تک کبھی ہم نے انھیں اتنے غصّے میں نہیں دیکھا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے کے لوگ اس لیے ہلاک کیے گئے تھے کہ انھوں نے بحث جدال کی عادت ترک نہیں کی تھی۔ مرد مومن کبھی جھگڑا نہیں کرتا.......... اس جدال کی عادت کو چھوڑ دو۔ میں کسی جھگڑالو انسان کی شفاعت نہیں کروں گا اور خدائے متعال نے بت پرستی سے منع کرنے کے بعد کسی چیز سے منع کیا ہے تو وہ اسی طرح کی جدال ہے۔ اس کے بعد رسولؐ نے فرمایا کہ کوئی مومن ہرگز حقیقت کو نہیں جان سکتا جب تک کہ بحث و جدال کی عادت ترک نہ کرے، خواہ وہ کتنا ہی حق پر کیوں نہ ہو۔"

اس بارے میں بہت ساری حدیثیں آئی ہیں۔ کتنی بری بات ہے کہ ایسی معمولی سی چیز کے لیے، جس سے نہ کوئی فائدہ ہو اور نہ جس کی کوئی اہمیت، ایک شخص اپنے آپ کو رسول اکرمؐ کی شفاعت سے محروم کرے۔ اگر نیک ارادے سے علمی مذاکرہ کیا جائے تو افضل ترین عبادتوں اور طاعتوں میں سے ہے اگر یہ عبادت گناہِ اعظم میں تبدیل ہو جائے تو انسان کی ساری ریاضت بے کار ہے۔ اس لیے انسان کو اپنی ہر اخلاقی برائی پر توجہ کرنی چاہیے اور اپنے نفس کی مخالفت کے ذریعے ان خرابیوں کو اپنی روح کی مملکت سے نکال باہر کرنا چاہیے جب زبردستی قابض ہونے والا غاصب نکال دیا جائے تو صاحب خانہ اپنے گھر کو بسالے گا۔ اس میں زیادہ زحمت کی ضرورت بھی نہیں۔

اختتام : چونکہ اس مقام پر پہنچ کر مجاہدۂ نفس کا بیان مکمل ہوگیا۔ اس مرحلے پر انسان ابلیسی طاقتوں کو اپنی مملکت سے نکال باہر کرنے میں کامیاب ہوگیا، جس کے نتیجے میں اس کی روح کی مملکت خدا کے فرشتوں کا مسکن اور عباد الصالحین کا معبد قرار پاتی ہے، اس لیے اس کے بعد سلوک الی اللہ کے تمام کام آسان ہو جاتے ہیں اور انسانیت کی راہ مستقیم پوری صاف اور روشن نظر آنے لگتی ہے۔ اب تمام جنتوں اور برکتوں کے دروازے اس پر کھول دیے جاتے ہیں اور جہنّم کے تمام در اور دریچے اس پر بند کیے جاتے ہیں۔ اب خدائے تبارک و تعالےٰ اپنے بندے کو لطف و کرم کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کا شمار اپنے ایمان والے بندوں، اہلِ سعادت اور اصحاب یمین میں کرتا ہے۔ معارفِ الٰہیہ کا راستہ جو تمام جن و انس کی خلقت کی غائیت اور مقصد ہے اس کے لیے ہموار ہو جاتا ہے اور اس پُرخطر راستے میں خدائے تبارک و تعالےٰ اس کی دستگیری کرتا ہے۔
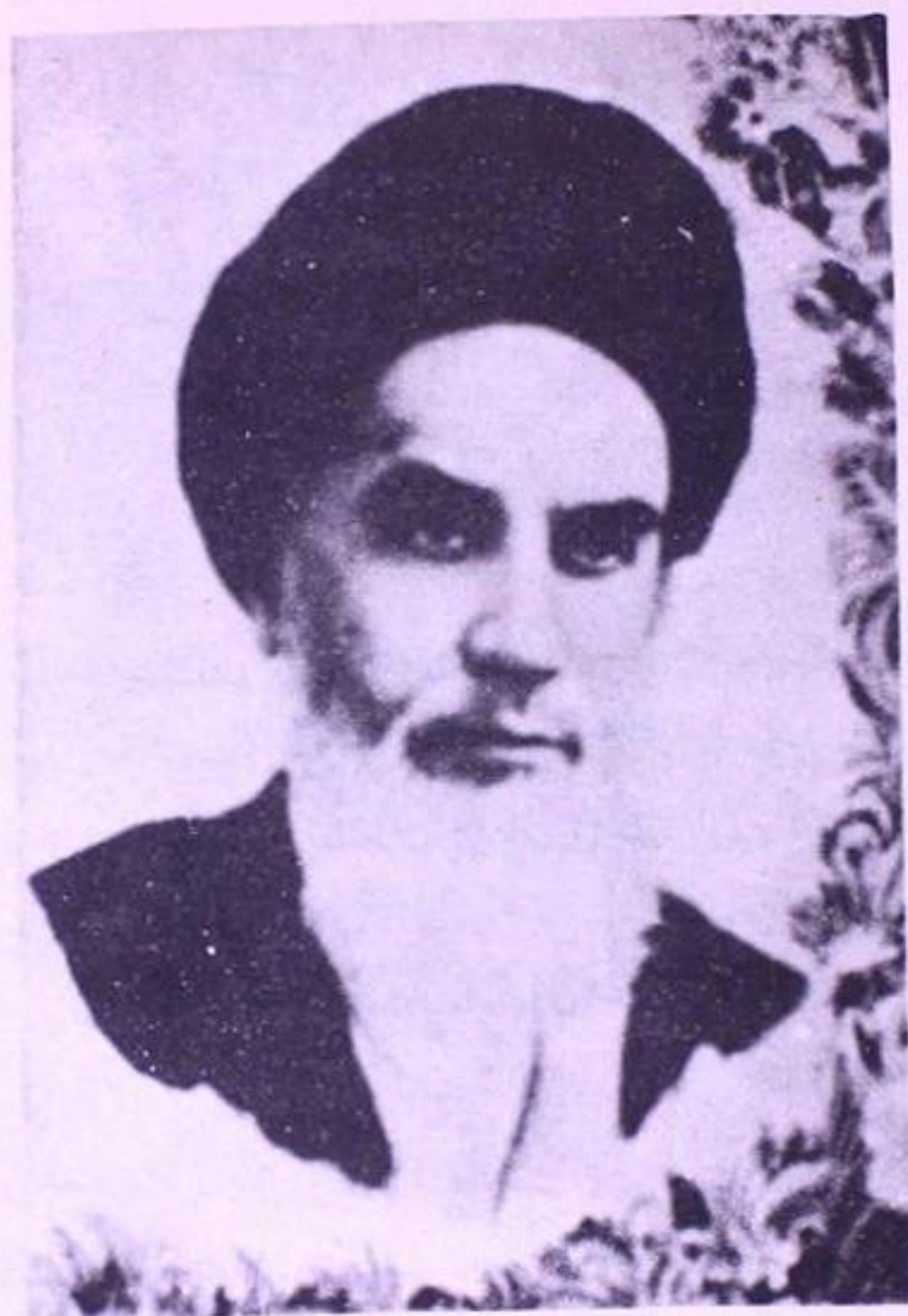
حسنِ آگہی

دُروسِ فقہیّہ

"شریعتِ اسلامیہ کا ڈھانچہ، انسانی معاشرے کی تنظیم اور استحکام کے مضبوط ترین قلعہ کی حیثیت رکھتا ہے انسانی معاشرے کی تنظیم و استحکام کی ظاہری عملی شکل "بنائے حکومت" ہے۔ چنانچہ شریعت اسلامیہ میں "بنائے حکومت" کے جملہ تقاضوں کی پذیرائی بھی ہے۔ البتہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس کی تعبیر و توضیح، قرآن مجید کی بنا کردہ تحریکِ فکر و تحقیق —— تفقّہ یا اجتہاد کے تحت —— عہد بعہد ارتقائی سفر طے کرتی رہی ہے اور اجتہاد کے ارتقائی سفر میں کئی مرحلوں سے گزر کر نظریہ "ولایت فقیہ" کی واضح اور حتمی شکل میں سامنے آئی ہے۔

اس کی "منکشف حتمیت" ہی کی بنا پر امامِ اُمّت آیت اللہ خمینی طاب ثراہ نے اس موضوع پر اپنی بحث کا آغاز اس جملہ سے فرمایا ہے کہ —— "ولایتِ فقیہ ایک ایسا موضوع ہے جس کا تصور ہی موجب تصدیق بن جاتا ہے۔"

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ "ولایتِ فقیہ" کے موضوع پر شروع ہی سے مستقل طور پر کچھ زیادہ نہیں لکھا گیا بلکہ جو کچھ بھی لکھا گیا وہ محض ضمنی طور پر۔ آیت اللہ عظمیٰ شیخ محمد حسین نائینیؒ کی کتاب "تنبیہ الامہ" غالباً اس موضوع پر لکھی جانے والی پہلی مستقل تصنیف تھی۔ اور دوسری آیت اللہ عظمیٰ خمینی طاب ثراہ کی پیشِ نظر کتاب ہے جو حوزۂ علمیہ نجف میں ان کے اُن بارہ دروس پر مشتمل ہے جو ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۸۹ھ سے یکم ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ تک دیئے گئے۔ اور "الحکومۃ الاسلامیہ" کے نام سے عربی میں اور "حکومتِ اسلامی یا ولایتِ فقیہ" کے نام سے فارسی میں مستقل کتابی شکل میں شائع ہوئے۔

اس کتاب کی اشاعت کے کچھ ہی دنوں بعد "جامعۃ المنتظر" لاہور کے پرنسپل علامہ صفدر حسین نجفی نے پاکستان سے اس کا اُردو ترجمہ شائع کر دیا تھا۔ یہاں ہم اُنھیں کے ترجمہ کو پیش کر رہے ہیں۔

(ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

"ولایت فقیہ" ایک ایسا موضوع ہے جس کا تصور ہی موجبِ تصدیق
بن جاتا ہے استدلال کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ہر شخص عقائد واحکام

اسلام کو کم از کم اجمالاً تو جانتا ہی ہے۔ جب ولایت فقیہ کا تصور کرتا ہے تو فوراً اس کی تصدیق ہو ہی جائے گی اور خود وہ سمجھ لے گا کہ یہ بدیہی اور ضروری ہے۔ آج کل ولایت فقیہ پر زیادہ توجہ نہ ہونے کی علت مسلمانوں کی اجتماعی حالت عموماً اور حوزہ ہائے علمیہ کے خصوصاً حالات اس کے مقتضی ہیں کہ ہم مسلمانوں کی اجتماعی حالت اور حوزہ ہائے علمیہ کی وضع ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے جس کی طرف میں اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔

ابتدا میں راہِ اسلام کی ترقی میں کانٹے یہودی تھے۔ ابتدا ہی سے افکارِ اسلامی کے خلاف ان کی تبلیغات ایسی شروع ہوئیں کہ جو اب تک باقی ہیں اور آپ خود بھی دیکھ رہے ہیں۔ اس کے بعد نوبت ایک ایسے گروہ کی آئی جو یہودیوں سے بھی بدتر تھے۔ انھوں نے تین سو سال یا کچھ زیادہ مدت سے اسلامی حکومتوں میں اپنے اثر و رسوخ کا استعمال شروع کر دیا۔ اپنے مقصد کے حصول کرنے کے لیے ان لوگوں نے ایسے حالات پیدا کرنے شروع کر دیئے اور ایسی راہیں ہموار کرنی شروع کر دیں کہ اسلام ہی فنا ہو جائے۔ یہ گروہ لوگوں کو اسلام سے اسلئے دور نہیں کرنا چاہتا تھا کہ عیسائیت کی جڑیں مضبوط ہو جائیں۔ کیونکہ درحقیقت ان کو نہ تو اسلام سے کوئی عقیدت تھی اور نہ ہی عیسائیت سے کوئی لگاؤ تھا۔ البتہ اس مدت میں اور صلیبی جنگوں کے درمیان اس بات کا شدید احساس ہو گیا تھا کہ ان کے مادی منافع اور سیاسی اقتدار کے اثر و نفوذ میں سب سے بڑی رکاوٹ اسلام اور اس کے احکام ہیں۔ لہٰذا اسلام کے خلاف تبلیغات اور دسیسہ کاری کا شروع کر دیا۔

حوزہ ہائے روحانیت کے نکلے ہوئے مبلغین، یونیورسٹیوں، حکومت کے تبلیغی مشن، انتشاراتی بینک، استعماراتی حکومتوں میں کام کرنے والے مستشرقین ان سبھوں نے حقائقِ اسلام میں تحریف کی ہے۔ حد یہ ہے کہ نہ صرف بہت سے لوگ بلکہ پڑھا لکھا طبقہ بھی اسلام کے حقائق سے ناواقف اور اشتباہات کا شکار ہے۔

اسلام حق و عدالت کے خوگر مجاہدین کا دین ہے۔ حریت پسندوں کا دین ہے، استعماری قوتوں کے خلاف جنگ کرنے والوں کا دین ہے۔ لیکن

ان لوگوں نے اسلام کا تعارف دوسری طرح سے کرایا اور اب بھی کرا رہے ہیں۔ عام انسانی ذہنوں میں اسلام کا جو ناقص اور غلط تصور پیدا کیا گیا ہے، حوزہ ہائے علمیہ میں جو ناقص تصور پیش کیا جاتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کی انقلابی و حیاتی خاصیت کو اسلام سے چھین لیا جائے مسلمانوں کے جذبۂ حریت و آزادی کو ختم کر دیا جائے۔ ان کی ساری کوشش یہ ہے کہ مسلمان ایسی حکومت نہ قائم کرنے پائیں جو ان کے سعادت کی ذمہ دار ہو اور ایسی زندگی نہ بسر کر سکیں جو شایانِ شان انسان ہے۔ مثال کے طور پر، وہ یہ تبلیغ کرتے ہیں کہ اسلام جامع دین نہیں ہے۔ اسلام زندگی کا مذہب نہیں ہے۔ اسلام کے پاس نظامِ زندگی نہیں ہے، طرزِ حکومت اور حکومتی قوانین نہیں ہیں۔ اسلام تو صرف حیض و نفاس کا مذہب ہے۔ کچھ اخلاقی قدریں ہیں مگر جامعہ کے ادارے اور زندگی کے لئے اسلام کے پاس کچھ نہیں ہے اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ان کی غیر واقعی تبلیغات کا اثر ہو رہا ہے۔ اس وقت عام انسانوں کا تذکرہ تو جانے دیجئے یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل افراد، بہت سے اہلِ علم بھی اسلام کو نہیں سمجھے ہیں۔ اسلام کے بارے میں غلط تصور رکھتے ہیں۔ جس طرح لوگ کسی اجنبی مسافر کو نہیں پہچانتے۔ اسی طرح اسلام کو بھی نہیں پہچانتے۔ اسلام دنیا میں مسافروں کی زندگی بسر کر رہا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام کا صحیح تصور پیش کرنا چاہے تو لوگوں کو یقین نہیں آتا کہ اسلام میں یہ بھی ہو سکتا ہے؟ مگر استعمار زدہ افراد فوراً اس کے خلاف ہنگامہ کرنے لگتے ہیں۔

واقعی اسلام اور لوگوں کے پیش کردہ اسلام میں کتنا فرق ہے؟ اس کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ نیز قرآن و کتب احادیث اور رسالہ ہائے عملیہ میں کتنا فرق ہے؟ اس کی طرف بھی متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ دستور و احکام کا سرچشمہ قرآن و حدیث اور مجتہدینِ کرام کے رسالہ ہائے عملیہ میں جامعیت اور اجتماعی زندگی میں اثرانداز ہونے کے لحاظ سے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ قرآن کی وہ آیات جن میں اجتماعیات کا درس دیا گیا ہے۔ ان آیات کی بہ نسبت جو عبادات سے متعلق ہیں، ننانوے فیصدی سے بھی زیادہ ہیں۔

اسی طرح حدیث کی کتابوں کے پورے ایک دورے میں — جو تقریباً پچاس کتابوں پر مشتمل ہوتا ہے، اور جس میں تمام احکامِ اسلام موجود ہیں — صرف تین چار کتابیں عبادات اور عبد و معبود کے مابین روابط پر مشتمل ہوتی ہیں، کچھ اخلاقی احکام بھی ہوتے ہیں

ورنہ باقی پورے کا پورا دورۂ حدیث اجتماعیات، اقتصادیات، حقوق و سیاست، واتدبیر جامعہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ آپ حضرات جوان ہیں اور انشاء اللہ مستقبل میں اسلام کے لیے مفید ہوں گے۔ میں جو مختصر مطالب آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں، ان کو اپنی پوری زندگی کا وظیفہ بنائیے اور قوانین اسلام کے پہچنوانے میں باقاعدہ کوشش فرمائیے آپ جو طریقہ مناسب سمجھیں تحریراً، تقریراً لوگوں کو بتائیے کہ اسلام اپنے ابتدائی دور ہی سے کن مشکلات سے گزرتا رہا ہے اور آج بھی اس کے کتنے دشمن ہیں اور اس کے لئے کتنی مصیبتیں ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ حقیقت و ماہیتِ اسلام مخفی رہ جائے اور لوگ یہ سوچنے لگیں کہ عیسائیت کی طرح اسلام بھی حق و خلق کے درمیان رابطہ کے لیے صرف چند انگلیوں پر گننے والا دستور رکھتا ہے اور مسجد و کلیسا میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جس وقت مغرب کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اس کے باشندے وحشیوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ امریکہ نیم وحشی سرخ پوستوں کی سرزمین تھی اور دو عظیم سلطنتیں ایران و روم استکوم استبداد تھیں۔ طاقتوروں کی حکومت تھی۔ جمہوریت و قانون نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ اس وقت خداوند عالم نے اپنے رسول کے ذریعہ ایسے قوانین بھیجے کہ ان کی عظمت کو دیکھ کر انسانیت جھوم اٹھی۔ اسلام تمام امور کے لئے قانون رکھتا ہے حد یہ ہے کہ نطفہ منعقد ہونے سے پہلے اور مرنے کے بعد تک کے سارے احکام اسی طرح دامنِ اسلام میں محفوظ ہیں۔ جس طرح وظائف عبادی اجتماعی، حکومتی قانون موجود ہیں۔ حقوق اسلام روز افزوں ترقی پانے والے جامع و کامل حقوق کا نام ہے۔ احکام قضا و معاملات و حدود و قصاص سے لے کر ملتوں کے درمیان کے روابط، صلح و جنگ کے مقررات، عمومی و خصوصی بین المللی حقوق پر اب تک جو کتابیں لکھی جا چکی ہیں وہ تو احکام و نظام اسلام کے ایک شمہ کے برابر ہیں۔ کوئی ایسا حیاتی موضوع نہیں ہے جس کے لئے اسلام نے کوئی حکم نہ بیان کیا ہو۔

مخالفینِ اسلام نے ہماری نوجوان و روشن فکر نسل کے مسلمانوں کو یہ سمجھا کر اسلام سے منحرف کر دیا ہے کہ اسلام کے پاس کچھ نہیں ہے۔ اسلام چند حیض و نفاس

ع۱ یہ کتاب سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ علامہ روح اللہ خمینی مدظلہ کے ان تقریرات کا مجموعہ ہے۔ جو حوزۂ علمیہ نجف اشرف میں طلاب کے سامنے آپ نے فرمائی ہیں۔ ۱۲ مترجم

کے احکام کا مجموعہ ہے۔ ملاؤں کو بس حیض و نفاس ہی پڑھنا چاہیئے۔ جو اہلِ علم نظریات و نظام و جہان بینی اسلام کی ترویج کی فکر نہیں کرتے اور اپنے قیمتی اوقات کو برباد کرتے ہیں اور (فصول) اسلام کو فراموش کر بیٹھے ہیں، وہ تو اس قسم کے اعتراضات اور حملوں کے شکار رہیں گے ہی۔ لیکن سچ بتائیے، کیا ساری خطا مخالفینِ اسلام کی ہی ہے؟ کیا ہمارے علماء کی بھی خطا نہیں ہے؟ مخالفین نے تو اپنے سیاسی و اقتصادی اغراض کے ماتحت چند سالوں سے اس کی بنیاد رکھی ہے اور حوزہ ہائے روحانیت کی کمزوری و اہمال کی وجہ سے ان کی ہمت افزائی ہوتی ہے۔ ہمارے علماء نے نادانستہ طور ان کے مقاصد کی مدد کی ہے۔ اور اسی لئے آج حالات اتنے بدتر ہو گئے ہیں۔

کبھی یہ کہہ کر وسوسہ پیدا کرتے ہیں، احکام اسلام ناقص ہیں۔ مثلاً دادرسی اور قضاوت کے قانون جیسا کہ ہونا چاہیئے۔ اسلام کے پاس نہیں ہے۔ اسی قسم کی تبلیغ اور وسوسہ کی وجہ سے انگریزوں کے پٹھو اپنے آقاؤں کی حسبِ ہدایت اساس مشروطہ کا مذاق اڑاتے ہیں اور لوگوں کو کچھ ایسے شواہد و اسناد جو ان کے پاس ہیں ان کے ذریعہ سے دھوکا دیتے ہیں۔ اس طرح اپنے سیاسی جرائم کی ماہیت سے لوگوں کو غافل بنا دیتے ہیں۔ مشروطہ کی ابتدا میں جب قانون بن رہا تھا اور اس اساسی قانون کو مدون کرنے کا ارادہ کیا جا چکا تھا تو بلجیک کی سفارت سے بلجیکی مجموعۂ قانون کو قرض لیا گیا اور چند آدمیوں نے۔ جن کا نام میں اس وقت لینا مناسب نہیں سمجھتا ہوں۔ اسی کے لحاظ سے قانون اساسی کو تحریر کیا اور اس کی خامیوں کو فرانس اور انگریز کے قانون سے دور کیا اور قوم و ملت کو دھوکا دینے کے لئے کچھ اسلامی احکام بھی شامل کر دیئے ان لوگوں سے قوانین کو اخذ کر کے ہماری ملت کے سر تھوپ دیا۔ بادشاہی، ولی عہدی اور اسی قسم کے دوسرے قانون کس اسلام سے لیے گئے ہیں؟ یہ سب قانون الٰہی قانون کے مخالف ہیں اور حکومتِ اسلامی کو ختم کرنے والے ہیں۔ یہ سلطنت و ولی عہدی وہی تو ہے جس کو صدیوں پہلے اسلام نے ختم کر دیا تھا۔ صدر اسلام میں ایران و مشرقی روم، مصر، یمن وغیرہ سے اس کی بساط تو اسلام لپیٹ چکا تھا۔ حضور اکرمؐ نے بادشاہِ روم، ہرکیولس، بادشاہ ایران کو جو خطوط تحریر فرمائے تھے۔ اس میں ان سے کہا تھا شاہنشاہی طرزِ حکومت کو ختم کر دو۔ خدا کے بندوں کو اپنی پرستش پر آمادہ مت کرو۔ لوگوں کو خدائے واحد و لاشریک کی عبادت کی طرف آمادہ کرو۔ سلطنت و ولیعہدی

وہی باطل و منحوس طرزِ حکومت ہے جس کے خلاف سید الشہداء نے کربلا میں جنگ کی تھی۔ یزید کی ولی عہدی کو قبول نہیں قرار دیا۔ اس کی سلطنت کا اعتراف نہیں کیا۔ تمام مسلمانوں کو بھی یزید کے خلاف آمادہ کیا۔ اپنا گھر بار لٹا دیا شہادت قبول کر لی مگر یزید کی باطل حکومت کو تسلیم نہیں کیا۔ سلطنت و ولی عہدی کو اسلام سے کیا ربط؟ اسلام میں بادشاہت و ولی عہدی نہیں ہے۔ اگر اسلام کے نقص کا یہی مطلب ہے تو واقعی اسلام ناقص ہے اور یہ نقص ایسا ہی ہے جیسا کہ اسلام میں شراب خواری، سود خواری کے طریقے نہیں بنائے گئے کیونکہ یہ ساری چیزیں اسلام کی نظر میں حرام ہیں۔ استعماری قوتوں کے پٹھو حاکم (ممالک) اسلامی میں جو اس قسم کے احکام کو رواج دینا چاہتے ہیں، وہی لوگ اسلام کو ناقص سمجھتے ہیں اور وہ لوگ مجبور ہیں۔ وہ اس قسم کی چیزوں کے لئے انگریزی، فرانسی، بلجیک اور آخر میں امریکہ کے قانون سے مدد لیں اور اسلام کا اس قسم کے بیہودہ و ناجائز کاموں کے لیے راستے نہ معین کرنا اسلام کا کمال ہے یہ تو اسلام کے لیے باعثِ فخر ہے۔

انگریزوں کی استعماری حکومت نے مشروطہ کے آغاز میں جو تمہید رکھی تھی اس کے دو مقصد تھے۔ ایک تو اسی وقت ظاہر ہو گیا کہ روس کا اثر و نفوذ ایران سے ختم ہو جائے اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ غربی قوانین نافذ کر کے احکام اسلام کو میدانِ عمل سے خارج کر دیا جائے۔ ہماری اسلامی حکومت کے لیے اجنبی قوانین کے اجراء نے بہت زیادہ مشکلات پیدا کر دئے۔ عدلیہ میں باخبر حضرات بہت سے ایسے ہیں جن کو عدالت کے طریقۂ کار سے بہت شکایت ہے۔ اگر کوئی بیچارہ ایرانی عدالت یا اس قسم کے دوسرے ممالک کی عدالت میں اپنا حق حاصل کرنا چاہے تو اس کے لیے عمرِ نوح درکار ہے۔ ایک بہت ہی (منجھے ہوئے) قسم کے وکیل جن کو میں نے اپنی جوانی میں دیکھا تھا۔ کہا کرتے تھے کہ کسی بھی دو فریق کے مقدمہ کو عدالت کے قوانین کی بناء پر تمام عمر چلا سکتا ہوں اور میرے بعد میرا لڑکا بھی اپنی عمر بھر چلا سکتا ہے۔ آج کل کا قصہ واقعی ایسا ہی ہے۔ عدلیہ کے موجودہ قوانین سوائے زحمت اپنے کام و زندگی سے باز رہنے، غیر شرعی طریقہ سے استفادہ کرنے کے علاوہ کوئی نتیجہ نہیں رکھتے۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی اپنے واقعی حق کو حاصل کر لے اور اب تو جھگڑوں کے فیصلے کے لیے تمام (جہات) کی رعایت ضروری ہے۔ یعنی یہ کوشش کرنا کہ حق حقدار تک پہنچ جائے آج کل صرف اسی پر اکتفا نہیں کرنا چاہئیے بلکہ لوگوں کا کام برباد نہ ہو

کیفیتِ زندگی میں خلل نہ پڑنے پائے، مدعی و مدعا علیہ کی مشغولیتوں کا لحاظ رکھا جائے یہ سب چیزیں بھی دیکھنی ہوں گی۔ یعنی جتنی جلدی اور سادہ طریقے سے صحیح کام ہو وہی بہتر طریقہ ہے۔ پہلے جن جھگڑوں کو قاضی شرع دو تین دن کے اندر حل کر دیا کرتے تھے وہ آج کل بیس سال میں بھی فیصل نہیں ہو پاتے اور مقدمہ کے فیصل ہونے تک جوانوں، بوڑھوں، حاجت مندوں کو روزانہ صبح سے شام تک عدالتوں کا چکر لگانا پڑتا ہے اور میزوں کے پشت پر سرگرداں و پریشان رہنا ضروری ہے۔ مگر پھر بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ ہوا کیا؟ البتہ چالاک اور رشوت دینے والے افراد اپنے کام کو چاہے وہ ناحق ہی ہو بہت جلد ختم کرا لیتے ہیں۔ ورنہ ساری زندگی نجات ملنی مشکل ہے۔

یہ لوگ، اپنے اخباروں اور کتابوں میں لکھا کرتے ہیں: "اسلام میں جرائم کی سزا بہت سخت ہے"۔ ایک بے حیا نے یہاں تک لکھ دیا کہ "سخت سزا بدو ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور یہ بدوؤں کی سختی ہے جو اس قسم کے احکام نافذ کئے گئے۔ مجھے تعجب ہوتا ہے آخر ان لوگوں کا اندازِ فکر کیا ہے؟ زاویہ نظر کیا ہے؟ ایک طرف تو دس گرام ہیروئین کے خاطر متعدد اشخاص کو یہ کہہ کر قتل کر دیتے ہیں کہ یہ قانون ہے۔ کچھ دنوں پہلے دس آدمیوں اور ابھی حال ہی میں ایک آدمی کو دس گرام ہیروئین کی خاطر قتل کر دیا گیا ——— اتفاق سے مجھے یہ اطلاع ملی تھی ——— انسانیت کے خلاف قوانین جب یہ لوگ بناتے ہیں تو اس میں سختی نہیں ہوتی لیکن یہ کہہ دیتے ہیں فساد روکنے کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے۔ میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ لوگوں کو ہیروئین بیچنا چاہیئے۔ لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ اس کی سزا یہ نہ ہونی چاہیئے۔ اس کی روک تھام ضروری ہے۔ مگر سزا مناسب ہونی چاہیئے ——— لیکن اسلامی قاعدے سے اگر شراب خوار کو اسی تازیانے مارے جائیں تو یہ سزا سخت ہے لیکن دس گرام ہیروئین کے لیے سزائے قتل سخت نہیں ہے۔ حالانکہ معاشرہ میں زیادہ تر برائیاں شراب خواری ہی کے نتیجہ میں ہوتی ہیں۔ راستوں کے ایکسیڈنٹ، خودکشی، وارداتِ قتل قسم کے جرائم زیادہ تر شراب خواری کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ لوگوں کا بیان ہے شراب کے رسیا ہی ہیروئین کے عادی ہو جاتے ہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود شراب خواری اس لیے بری نہیں ہے کہ مغرب میں اس کا بہت استعمال ہوتا ہے۔ اسی لیے آزادانہ شراب کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ اگر فحشاء (برائیاں) مثلاً شراب خوری

تو روکنے کے لیے اتنے کوڑے کی سزا اور زنا روکنے کے لیے سو تازیانے معین
کئے جاتے ہیں یا شوہر دار عورت کے زنا پر اور بیوی والے شخص کے زنا پر رجم کا حکم دیا جائے
تب تو واصیبتا اور واویلا مچایا جاتا ہے کہ کتنا سخت حکم ہے اور عرب کی مزاجی کیفیت ہے
حالانکہ اسلام کے جزائی احکام ایک بہت بڑی قوم کو مفاسد سے بچانے کے لیے آئے ہیں
آج جو برائیوں کی آتش اتنی بھڑکی ہے کہ نسلیں غیر محفوظ ہیں جوانوں کے اخلاق فاسد ہیں۔
یہ سب ان ہی عیاشیوں کا نتیجہ ہے جس کے لیے نت نئے طریقے ایجاد کئے جاتے ہیں۔ اب
اگر انسانوں کی نسلوں کو محفوظ اور ان کے اخلاقیات کو سدھارنے کے لیے کسی مجرم کو اسلام
مجمع عام میں سزا دینے کا حکم دیدے تو کیا یہ احکام اسلام کی سختی ہے؟ کیا عقلاً ایسا نہ
ہونا چاہیئے تھا؟

اور ذرا دوسری طرف ملاحظہ فرمائیے۔ تقریباً دس سال پہلے ویتنام میں امریکہ
نے جو کشتوں کے پشتے لگا دئے۔ ہزاروں بے گناہوں کا خون بہایا۔ اس میں کوئی حرج
نہیں ہے۔ نہ یہ سختی ہے۔ اور اگر اسلام لوگوں کو ایسے قوانین کا پابند کردے جو انسان
کے لیے مفید ہیں اور دفاع یا جنگ کا حکم دیدے اور چند فاسد اور مفسد قسم کے لوگوں کو
قتل کردے تو یہ قابل اعتراض ہے کہ یہ جنگ کیوں ہوئی؟ یہ تو ظلم ہے۔ بربریت ہے۔
وغیرہ وغیرہ ...... یہ سب چند صدی پہلے کا پروگرام ہے جس پر رفتہ رفتہ عمل کر
کے مغرب والے اپنے مقاصد میں کامیاب ہو رہے ہیں۔

شروع شروع میں جب کسی جگہ کوئی مدرسہ کھولا گیا اور ہم نے سکوت اختیار کیا
ہم جیسے دوسروں نے بھی غفلت برتی اور مخالفت نہیں کی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ
ان کی تعداد بڑھ گئی اور اب یہ عالم ہے کہ کوئی قصبہ یا دیہات ایسا نہیں ہے جہاں
ان کے مبلغین نہ ہوں اور وہ ہمارے بچوں کو نصرانی یا بے دین نہ بنا رہے ہوں۔

ان لوگوں کا پروگرام ہی یہ ہے کہ ہم کو پس ماندہ رکھیں اور ہماری یہی زبوں حالی باقی
رہے تاکہ ہمارے سرمایہ سے، ہمارے زیر زمین خزانوں سے، پٹرول سے ہماری دولتوں سے
فائدہ حاصل کریں۔ ہم کو بیچارگی کی زندگی بسر کرنی پڑے۔ ہمارے فقراء اسی بدبختی و
زبوں حالی میں مبتلا رہیں اور اس اسلام سے آشنا نہ ہوں جس نے فقر و فقراء کے مسائل
کو حل کیا ہے۔ ان لوگوں نے جو نقشہ بنایا تھا وہ اتنا وسیع تھا کہ اس کے اثر سے ہمارے

حوزہ ہائے علمی و دینی بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ چنانچہ اگر کوئی حکومت اسلام کے بارے میں گفتگو کرنا چاہے تو تقیہ کرے اور استعمار زدہ لوگوں کی مخالفت برداشت کرے
چنانچہ جب اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا تو ایرانی سفارت کے عمال میں بڑا ہیجان برپا ہوا اور وہ حرکت مذبوحانہ کرنے لگے اور اپنے کو پہلے سے بھی زیادہ ذلیل و رسوا کر لیا۔
اب تو حالت یہ ہو گئی ہے کہ فوجی لباس کو خلاف مروت و عدالت سمجھا جانے لگا ہے حالانکہ ہمارے ائمہ خود بھی سپاہی تھے سردار تھے جنگی تھے۔ جنگوں میں جیسا کہ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ فوجی لباس میں شرکت کرتے تھے اور مقابل کو قتل کرتے تھے۔ خود امیر المومنینؑ اپنے سر پر خود، جسم مبارک پر زرہ اور شمشیر حمائل فرماتے تھے۔ امام حسنؑ و امام حسینؑ بھی یوں ہی کرتے تھے۔ زمانہ نے فرصت نہ دی ورنہ حضرت امام محمد باقرؑ بھی اسی طرح ہوتے اور اب حالت یہ ہو گئی ہے سپاہیانہ لباس خلاف عدالت سمجھا جاتا ہے ہم اگر حکومتِ اسلامی بنانا چاہیں تو اسی عمامہ اور عبا قبا میں بنائیں۔ ورنہ خلاف مروت و عدالت ہو گا۔ یہ سب اجنبیوں کی تبلیغ کا اثر ہے جس نے ہم کو آج اس نوبت پر پہنچا دیا ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ ہم اگر کہیں کہ اسلام بھی حکومتی قوام رکھتا ہے تو اس کے لئے دلیل و برہان سے ثابت کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اجنبیوں نے اپنی تبلیغات اور مبلغین کے واسطے سے اس کی بنیاد رکھی۔ اسلام کے قضائی اور سیاسی قانون کو نافذ ہونے سے روک کر اس کی جگہ مغربی قوانین نافذ کر کے اسلام کو چھوٹا اور اس کو اسلامی معاشرہ سے خارج کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ہے ہماری وضع۔

ابھی تک تو استعمار کی خرابیوں کا ذکر کیا لیکن ذرا اپنے معاشرہ کے بعض افراد کا بھی تذکرہ کروں۔ ان کی خرابی یہ ہے کہ استعماری حکومتوں کی علمی و صنعتی ترقی دیکھ کر یہ لوگ خود باختہ ہو گئے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ اپنے عقائد و قوانین کو الگ کر کے ہی علمی و صنعتی ترقی کی جا سکتی ہے۔ مثلاً مغربی دنیا کے لوگ چاند تک پہنچ گئے۔ ان کو خیال ہوا۔ ہم بھی اپنے عقائد چھوڑ کر ان کے عقائد اختیار کر لیں تو ایسے ہو سکتے ہیں لیکن ذرا سوچئے چاند پر جانے کو قوانینِ اسلامی سے کیا ربط؟ اگر ایسا ہوتا تو چاند تک جانے والی حکومتوں کے عقائد سے جن حکومتوں کو اختلاف ہے وہ کیوں کر علمی و صنعتی ترقی میں ان کا مقابلہ کرتیں؟ اور تسخیر فضا میں ان کے ساتھ ساتھ کیونکر شریک ہو سکتیں۔ ان کے

یہاں بھی تو اختلافِ عقائد ہے کہ نہیں؟ وہ تو مریخ پر جانا چاہتے ہیں؟ کہکشاؤں میں جانا چاہتے ہیں۔ اس ساری ترقی کے باوجود یہ لوگ نہ تو فضائل اخلاقیات سے متصف ہیں اور نہ اپنے اجتماعی مشکلات کو حل کرنے پر قادر ہیں۔ کیونکہ ان کی اجتماعی مشکلات و بدبختیوں کا علاج اعتقادی اور اخلاقی قدروں میں پوشیدہ ہے۔ مادی طاقت میں ترقی یا تسخیر فضا سے ان کا حل نہیں تلاش کیا جا سکتا۔ ثروت و قدرت مادی و تسخیر فضا کے لئے اسلامی ایمان و اعتقاد و اخلاق کی ضرورت ہے تاکہ تکمیل میں توازن باقی رہے اور انسانی خدمت انجام دی جا سکے۔ نہ یہ کہ بانے جان بن جائے۔ ہمارے پاس ایسا اعتقاد ایسے اخلاقیات اور ایسے قوانین ہیں۔ اس لیے اگر دنیا کہیں جائے یا کوئی چیز بنائے تو اس کی وجہ سے ہم کو ایسے دین و قوانین سے دست بردار نہیں ہونا چاہئے۔ جو انسانی زندگی کی ضامن اور دنیا و آخرت میں احوال بشر کا مایۂ افتخار ہے۔

ہمارے دشمن اور استعمار گروں کی یہی برابر تبلیغ ہے۔ "اسلام کوئی حکومت نہیں رکھتا، تشکیلاتِ حکومت اس کے پاس نہیں ہے اور بالفرض اگر ہے بھی تو مجری نہیں ہے۔ اسلام محض قانون بنانے والا ہے۔ ظاہر ہے اس قسم کی تبلیغات مسلمانوں کو سیاست اور اساسِ حکومت سے دور رکھنے کے لیے ان کے پروگرام کا ایک جزو ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ ہمارے معاشرہ کے بعض افراد بھی اس سے متاثر ہیں۔ حالانکہ ان کو متاثر نہ ہونا چاہئے۔ مخالفین کے نعرے ہمارے بنیادی عقائد کے مخالف ہیں ہمارا تو عقیدہ ہے کہ پیغمبرؐ کو ایک نائب معین کرنا واجب ہے اور حضور نے ایسا کیا بھی ہے۔ لیکن کیا تعیینِ خلیفہ صرف بیانِ احکام کے لیے ہے؟ ۔ بیانِ احکام کے لیے خلیفہ کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو خود پیغمبرؐ احکام کو بیان کر کے تمام احکام کو ایک کتاب میں لکھ کر لوگوں کے حوالے کر دیتے کہ اسی پر عمل کر لیا کرو۔ مگر پیغمبرؐ نے ایسا نہیں کیا جس کا مطلب یہی ہے کہ عقلاً تعیین خلیفہ حکومت کے لیے ہے۔ ہم کو اجرائے قانون کے لیے خلیفہ کی ضرورت ہے قانون کے لیے اجراء کرنے والے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ساری دنیا میں یہی ہو رہا ہے صرف قانون کا بنا دینا سعادتِ بشر کی ذمہ داری پوری نہیں کر سکتا۔ وضعِ قانون کے بعد اجراء کرنے والوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی حکومت یا تشریع میں اجراء کرنے

والوں کا نہ ہونا عیب ہے۔ اسی لیے اسلام نے وضعِ قانون کے ساتھ اجراء کرنے والوں کا بھی انتظام کیا۔ آخر "ولی الامر" اجراءِ قانون کرنے والا ہی تو ہوتا ہے اگر پیغمبرِ اسلام اجراء قانون کرنے والے کا تعین نہ کرتے تو کارِ رسالت نامکمل رہ جاتا اجرائے احکام کی قوتِ مجریہ کی ضرورت و اہمیت ہی سبب بنی ہے کہ تعینِ جانشین اتمامِ رسالت کا مراوف ہوجائے۔ رسولِ خدا کے زمانہ میں فقط قانون ہی نہیں بیان کیا جاتا تھا بلکہ خود آنحضرتؐ قانون کا اجراء بھی فرماتے تھے، چور کا ہاتھ بھی کاٹتے تھے حد جاری فرماتے تھے۔ رجم کرتے تھے۔ خلیفہ کا بھی یہی کام ہے۔ بس خلیفہ کا کام وضعِ قانون نہیں ہے بلکہ خدا و رسولؐ کے احکام کا اجراء کرنا ہے۔ اس لیے تشکیلِ حکومت ضروری ہے اور تشکیلِ حکومت کی ضرورت کا اعتقاد ولایت کے جزئیات میں سے ایک جزء ہے۔ اسی لیے تشکیلِ حکومت کے لیے بھی کوشش کرنی چاہیئے۔ ذرا توجہ کیجئے۔ مخالفین نے جس طرح اسلام کی غلط تبلیغ کی ہے، آپ کا فریضہ ہے کہ اسلام کی اور ولایت کی صحیح تبلیغ کریں اور لوگوں کو بتائیں کہ ہم ولایت کا اعتقاد رکھتے ہیں یہ رسولؐ نے جو تعینِ خلیفہ کیا خدا نے اپنے نبیؐ کو تعین جانشین اور مسلمانوں کے لیے ولی امر معین کرنے کا حکم دیا۔ ہم اس پر بھی عقیدہ رکھتے ہیں۔ لہذا ہمیں تشکیلِ حکومت کی ضرورت پر بھی عقیدہ رکھنا چاہیئے اور ہمیں ایسی حکومت کے قیام کی کوشش کرنی چاہیئے۔ حکومت اسلامی کی تشکیل کی ضرورت کی راہ میں مبارزہ اعتقادِ ولایت کا لازمہ ہے۔ آپ کا فریضہ ہے کہ قوانینِ اسلام اور اس کے فوائد کو لکھیں چھاپیں۔

یہ نہ بھولیئے کہ حکومتِ اسلامی کی تاسیس کی ذمہ داری آپ کے سر پہ ہے۔ اپنے پر بھروسہ کیجئے اور یقین رکھیئے کہ آپ اپنے مشن میں کامیاب ہوں گے۔ استعماری قوتوں نے تین چار سو سال پہلے سے زمین ہموار کی تھی۔ انھوں نے صفر سے شروع کیا تھا۔ آج اس منزل تک پہنچے ہیں۔ ہم بھی صفر سے شروع کریں۔ چند مغرب زدہ اور استعماری پٹھوؤں سے خوف زدہ نہ ہوں۔ انشاء اللہ کبھی نہ کبھی مقصد تک پہنچیں گے۔

لوگوں میں اسلام کی تبلیغ کیجئے تاکہ جوانوں کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ علماء تو نجف اشرف یا قم کے گوشے میں بیٹھ کر صرف حیض و نفاس کے احکام پڑھتے ہیں۔ ان کو سیاست سے کیا ربط؛ دیانت کو سیاست سے الگ ہونا چاہیئے۔ یہ نعرہ کہ "دیانت کو سیاست سے الگ ہونا چاہیئے۔ اور علمائے اسلام کو امور اجتماعی و سیاسی میں دخل

نہیں دینا چاہیئے" استعمار گروں کا ہے۔ یہ بے دینوں کا مقولہ ہے۔ کیا پیغمبر اسلام کے زمانہ میں دیانت سیاست سے الگ چیز تھی؟ کیا اس زمانے میں علماء الگ تھے؟ سیاسی لیڈر الگ تھے؟ کیا خلفائے حق ۔ بلکہ خلفائے باطل ۔ کے زمانے میں دونوں چیزیں الگ الگ تھیں ۔ کیا حضرت علیؑ کے زمانے میں سیاست دیانت سے جدا تھی؟ یہ تو استعمار گروں نے اور انکے پٹھوؤں نے پروپیگنڈہ کر رکھا ہے تاکہ دین کو امورِ دنیا کے تصرف سے اور جامعۂ مسلمین کی تنظیم سے الگ رکھیں اور ضمناً علماء کرام کو حریت پسندوں اور رجال آزادی سے الگ رکھیں جب یہ ہو جائیگا تو یہ لوگ عوام پر مسلط ہو جائیں گے۔ اور ہماری دولت لوٹ لیں گے۔ ان کا صرف یہی مقصد ہے۔

اگر ہم مسلمان صرف نماز و دعا میں مشغول رہیں تو نہ استعمار گر اور نہ ان کی حکومتیں ہم سے کوئی تعلق رکھیں گی اور نہ ہمارے در پے آزار ہوں گی۔ آپ چاہے جتنی اذان کہیئے، نماز پڑھیئے اور یہ ڈاکو آکر لوٹ لے جائیں آپ حوالہ خدا کر کے خاموش ہو جایئے لاحول ولا قوۃ۔ اگر ہماری منطق یہی رہی تو ان لوگوں کو ہم سے کوئی واسطہ ہی نہ ہوگا۔ اس کم بخت ۔ نظامی انگلیس در زمان اشغال عراق ۔ نے یہی تو پوچھا تھا کہ یہ جو اذان کہی جارہی ہے اس سے انگلستان کی حکومت کو تو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا؟ کہا گیا " نہیں "۔ تو اس نے کہا۔ " چھوڑو۔ پھر جو جی چاہے کہے" اگر آپ استعمار گروں کی سیاست سے کوئی واسطہ نہ رکھیں اور اسلام کے صرف ان ہی احکام کو جن کو ہمیشہ سے پڑھتے آئے ہیں ۔ پڑھئے ' اس سے آگے نہ بڑھئے تو وہ لوگ آپ سے کوئی واسطہ نہ رکھیں گے۔ آپ دل بھر کر نماز پڑھئے۔ وہ تو آپ کا تیل چاہتے ہیں آپ کی نماز سے ان کو کیا غرض؟ وہ ہمارا تعاون چاہتے ہیں ۔ ہماری حکومتوں کو اپنے مال کا بازار بنانا چاہتے ہیں۔ اسی لیے ان کے بنائے ہوئے حکام ہم کو صنعتی ترقی سے روکتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں ' ہم آدمی نہ بنیں ۔ وہ آدمی سے ڈرتے ہیں ۔ اگر ایک آدمی پیدا ہو گیا تو اس سے ڈریں گے کیونکہ خطرہ یہ ہے کہ یہ شخص اپنا جیسا دوسرا بھی بنائیگا اور ایسی بنیاد رکھ جائیگا جس سے ان کی حکومت درہم و برہم ہو جائے ۔ اسی لیے جب کبھی آدمی پیدا ہوا ' اس کو یا تو قتل کر دیتے یا جیل میں سڑا دیتے ہیں یا ملک بدر کر دیتے ہیں یا سولی پر چڑھا دیتے ہیں سیاسی ہونے کا الزام رکھ کر چڑھا دیتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ ملا ہے۔ یہ سیاسی ہے۔ آخر پیغمبر بھی تو سیاسی تھے۔ یہ اسلام دشمنوں کی تبلیغ آپکو سیاست سے دور رکھنے اور امور اجتماعی میں دخل نہ دینے کے لیے کی جاتی ہے تاکہ آپ خائن حکومتوں اور ملت کی ضد سیاستوں کا مقابلہ نہ کریں۔ ان کا جو جی چاہے کریں کوئی ان کو روکنے والا نہ ہو ۔

تشکیلِ حکومت کی ضرورت

کسی بھی قانون کا مجموعہ معاشرہ کی اصلاح کے لیے کافی نہیں ہوتا مجموعۂ قانون اسی وقت انسان کی اصلاح وسعادت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ جب اس مجموعۂ کے ساتھ ایک عمل کرانے والی طاقت بھی ہو۔ اسی لیے خداوندِ عالم نے قرآن کے ساتھ نبیؐ بامقامِ نبیؐ کا بھی التزام رکھا۔ خود حضور سرورِ کائنات نے ابلاغ وحی و بیان تفسیر و عقائد و احکامِ اسلام کے ساتھ ساتھ اجرائے احکام و نظامِ اسلام کی برقراری کا بھی انتظام فرمایا تھا۔ یہ سب اس لیے تھا کہ "حکومتِ اسلامی" کا وجود ہو جائے۔ اپنے زمانے میں حضور نے بیان قانون کے ساتھ اس پر عمل بھی کیا۔ مثلاً چور کا ہاتھ کاٹتے تھے۔ حد جاری فرماتے تھے۔ رجم فرماتے تھے۔ حضور کے بعد خلیفہ کا بھی یہ فرض ہے۔ پیغمبر اسلام نے خلیفہ صرف عقائد و احکام کے بیان کے لیے ہی نہیں معین فرمایا تھا بلکہ اس کے ساتھ اجرائے احکام و تنفیذِ قوانین بھی مقصود تھا۔ تعیینِ خلیفہ اتنا اہم فریضہ تھا کہ بغیر اس کے کارِ رسالت نامکمل ہو جاتا۔ کیونکہ رسولِ خدا کے بعد مسلمانوں کو ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو اجرائے قانون کر سکے، اسلام کے نظام کو معاشرہ میں برقرار رکھ سکے۔

دنیا کے تمام ملکوں میں یہی قاعدہ ہے کہ صرف قانون بنا دینا کافی نہیں ہوا کرتا۔ صرف وضعِ قانون بشری سعادت کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ وضعِ قانون کے بعد "قوتِ مجریہ"[1] کا ہونا ضروری ہے۔ جو عدالتوں کے احکام و قوانین کا نفاذ کر سکے۔ اور اس کے عادلانہ فیصلوں کا فائدہ لوگوں کو پہنچا سکے۔ اسی لیے اسلام نے وضعِ قانون کے ساتھ "ولیٔ امر"[1] کا بھی انتظام فرمایا۔

[1] نوٹ صفحہ ۱۲۶ پر

رسولِ خدا کا رویہ و طریقہ

حضورِ اکرم کا رویہ بھی حکومتِ اسلامی کی ضرورتِ تشکیل پر دلالت کرتا ہے

کیونکہ آپ نے پہلے خود ہی حکومت کی تشکیل فرمائی اور قوانین کا نفاذ بھی فرمایا۔ اطراف و جوانب میں والی بھیجے، قضاوت فرمائی، قاضی معین کئے، رؤسائے قبائل اور بادشاہوں کے پاس دور و نزدیک ہر جگہ اپنے سفیر روانہ فرمائے، صلح نامے اور معاہدے کئے، جنگ کے احکامات نافذ کئے۔ غرض کہ حکومت کے تمام طریقے استعمال فرمائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حکمِ خدا سے اپنے بعد کے لیے حاکم معین فرمایا۔ جب خدا کسی رسول کے بعد حاکم معین کرتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہوا کرتا ہے کہ رسول کے بعد حکومت بھی ان کے لیے ضروری ہے۔ پیغمبرؐ اسلام اپنی وصیت میں فرمانِ الٰہی کے پہنچانے کے ساتھ تشکیلِ حکومت کی ضرورت کا بھی اعلان فرما رہے ہیں۔

نفاذِ احکام کی دائمی ضرورت

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نفاذِ احکام کی ضرورت صرف زمانِ پیغمبرؐ تک محدود نہیں تھی بلکہ رسول کے بعد بھی اس کی ضرورت تھی اور خود قرآنی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ احکامِ اسلام کسی زمانے یا مکان تک محدود نہیں ہیں، بلکہ ابد تک ان کا نفاذ لازمی و ضروری ہے۔ اسلام صرف زمانِ رسول کے لئے نہیں آیا تھا کہ آپ کی رحلت کے بعد احکامِ اسلام بھی ختم ہو جاتے۔ حدود، قصاص کا نفاذ نہ کیا جاتا، یا مالیاتی نظام برطرف ہو جاتا یا دفاع کا حکم ختم کر دیا جاتا۔ ایسا نہیں ہے بلکہ قوانینِ اسلام کا کسی زمان یا مکان تک محدود ہونے کا عقیدہ بدیہی طور پر اسلامی عقیدہ نہیں ہے لہٰذا جب احکامِ اسلام رسولِ خدا کے بعد بھی ابد تک نافذ العمل ہیں تو ان کے لیے "حکومتِ اسلامی" کی تشکیل بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اگر حکومت نہ ہوتی اور افراد

(نوٹ صفحہ ۱۵ کا) اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم میں "اولی الامر" کی اطاعت کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ رسولِ اسلام کے بعد ولی امر ائمہ معصوم ہیں جنکے وظائف ہیں۔ ۱۔ عقائد و احکام و نظام اسلام کی لوگوں کے لیے تشریح و بیان ۲۔ مسلمانوں کے معاشرہ میں نظام اسلام کی برقراری اور اجرائے احکام۔ اسی طرح دنیا کے ہر قوم و ملت میں عقائد و نظامات اسلام کی ترویج و تبلیغ بھی ان کا وظیفہ ہے۔ ائمہ معصومین کے بعد فقہائے عادل ان مقامات کے عہدہ دار و ذمہ دار ہیں۔ ۱۲

انسان کی فعالیت نظامِ عادلانہ کے تحت نہ ہوئی تو ہرج و مرج لازم آئے گا۔ اجتماعی، اقتصادی، اخلاقی فساد کا ظہور ہوگا۔ اسلئے ہرج و مرج سے بچانے نیز معاشرہ کو فساد سے محفوظ رکھنے کے لیے "حکومتِ اسلامی" کی تشکیل واجب و لازم ہے۔ نیز عقل و شرع کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ حیاتِ رسولِ اکرم اور مولائے کائنات میں جو بات ضروری تھی وہ ہماری زندگی میں بھی لازم و واجب ہے۔ توضیحِ مطلب کے لئے عرض ہے کہ غیبتِ صغریٰ سے اب تک ایک ہزار سال سے زیادہ مدت گزر چکی ہے اور ممکن ہے ایک لاکھ سال تک دورِ غیبت باقی رہے۔ مصلحتِ امامت کا تقاضہ نہ ہو کہ ظہور ہو تو کیا اس تمام مدت میں احکامِ اسلام معطل رہیں گے؟ جس کا جو جی چاہے کرے؟ ہرج و مرج پیدا ہوتا رہے؟ جن احکام کی تبلیغ و اجراء کے لیے سرکارِ رسالت نے تئیس[۲۳] سال تک طاقت فرسا زحمت برداشت کی وہ محض ایک محدود مدت کے لیے تھے؟ خدا نے احکامِ اسلام کو صرف دو سو سال کے لیے بھیجا تھا؟ غیبت صغریٰ کے بعد کوئی پابندی نہیں ہے؟ ایسے عقیدے یا ایسے عقائد کا اظہار اسلام کے منسوخ ہونے کے عقیدہ سے بھی زیادہ بدتر ہیں۔ کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اب اسلام کی ضرورت نہیں ہے۔ وطنِ اسلامی کی سرحدوں کی حفاظت اب غیر ضروری ہے۔ مالیات، جزیہ، خراج، خمس، زکات کی اب کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام کے جزائی احکام، دیات و قصاص سب معطل ہو گئے تشکیلِ حکومتِ اسلامی کی ضرورت کا منکر، احکام اسلام کے نفاذ کی ضرورت کا منکر ہے۔ اس نے گویا اسلام کی جامعیت و ہمیشگی کا انکار کر دیا۔

حضرتِ علیؑ ابن ابیطالب کا رویہ و طریقہ

رسولِ اکرمؐ کے انتقال کے بعد کوئی بھی مسلمان ضرورتِ حکومت کا منکر نہیں تھا۔ کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ ہمیں حکومت کی ضرورت نہیں ہے۔ تشکیلِ حکومت کی ضرورت پر ہر فرد متفق تھا۔ بس اس میں اختلاف تھا کہ حاکم کون ہو۔ یہی وجہ ہے کہ رسولِ خداؐ کے بعد خلفائے ثلاثہ اور حضرت علیؑ کے دور میں حکومت کی تشکیل ہوئی۔ اربابِ دولت تھے، حکومت تھی، احکام کا نفاذ ہوتا تھا۔

قوانین اسلام کی ماہیت وکیفیت

قوانینِ اسلام کی ماہیت وکیفیت خود تشکیلِ حکومت کی دلیل ہے۔

قوانین کی کیفیت خود بتاتی ہے کہ بغیر حکومت وادارۂ سیاسی واقتصادی ان کی تکمیل ممکن نہیں ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ احکامِ شرع ایسے قوانین پر حاوی ہیں کہ ان سے ایک نظام اجتماعی کلی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس حقوقی نظام میں ضروریات بشر از قسم ہمسایوں سے معاشرت، اولاد وقبیلہ وقوم سے طریقۂ دنباہ، ہم شہری اور امورِ خصوصی وزندگی ونکاح سے لے کر جنگ وصلح، بین الملّی روابط تک، قوانین جزائی سے لے کر صنعت وتجارت وزراعت کے حقوق تک، انجامِ نکاح وانعقادِ نطفہ کے پہلے سے لے کر موت تک کے قانون ودستور ہیں۔ اس میں یہ تک ہے کہ نکاح کیسے ہونا چاہیئے؟ اس وقت یا انعقادِ نطفہ کے موقع پر انسان کی خوراک کیا ہونی چاہیئے؟ شیرخوارگی کے زمانے کے فرائض کیا ہیں؟ بچہ کی تربیت کیوں کر کی جائے؟ ان تمام مراحل کے لیے اسلام کے پاس دستور ہے تاکہ انسان کی تربیت کرے انسانِ کامل وفاضل کے وجود کا سبب بنے۔ ایسا انسان پیدا کرے جو متحرک ومجسّم قانون ہو۔ یہ تمام باتیں بغیر حکومتِ اسلامی کے کیوں کر پایۂ تکمیل تک پہنچ سکتی ہیں۔ انسان اپنے کمال اور سعادت میں جن احکام اور دستورات کا محتاج ہے وہ سب کے سب قرآن مجید اور سنتِ پیغمبرؐ میں موجود ہیں۔ کتاب کافی میں ایک فصل اس عنوان سے (لوگوں کی تمام ضروریات کتاب وسنت میں بیان کئے گئے ہیں) موجود ہے۔ قرآن تو "تبیان کل شئی" یعنی تمام امور کو واضح کرنے والی کتاب ہے۔ حسبِ روایات امامؑ قسم کھا کے فرماتے ہیں۔ ملت جن چیزوں کی محتاج ہے قرآن وسنت میں وہ سب موجود ہیں اور اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے۔ واقعہ بھی ایسا ہی ہے۔

دوسری چیز جو حکومت اسلامی کی تشکیل کی ضرورت کی طرف اشارہ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر ہم احکامِ شرع کی ماہیت وکیفیت میں دقتِ نظر کے ساتھ غور کریں تو ہم

کو معلوم ہوجائیگا کہ ان احکام کا نفاذ اور ان پر عمل بغیرِ تشکیلِ حکومت ناممکن ہے۔
احکامِ الٰہی کے نفاذ کا وظیفہ بغیر ایک عظیم حکومت اسلامی کے پورا ہی نہیں کیا جاسکتا۔
میں بعض موارد کا ذکر کرتا ہوں۔ حضراتِ اہلِ علم سے دوسرے موارد کا مراجعہ کریں۔

۱۔ مالیات:۔ جن مالیات کو اسلام نے مقرر کیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ محض فقراء اور سادات فقیر کے سدِّرمق کے لیے نہیں ہے بلکہ تشکیل حکومت بلکہ ایک عظیم حکومت کے ضروری مصارف کے لیے ہے۔
مثلاً خمس ہی کو لے لیجئے۔ یہ ایک ایسی آمدنی ہے جو بیت المال میں پہنچتی ہے جو ہمارے مذہب کے لحاظ سے زراعت، تجارت، منابع زیرزمینی وروئے زمینی وبطور کلی تمام منافع سے بطورِ عادلانہ حاصل کیا جاتا ہے۔ امیمِ مسجد کے دروازے پر سبزی بیچنے والے سے لے کر جہاز چلانے والے اور کان سے نفع کمانے والوں تک کو شامل کیا گیا۔ یہ تمام لوگوں پر واجب ہے کہ سال بھر کے متعارف خرچ سے جو بچ جائے اس کا پانچواں حصہ حاکمِ اسلام کو دیں تاکہ وہ دولت بیت المال میں پہنچے۔ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی آمدنی حکومت اسلامی کے ادارہ اور اس کے مالی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ہے۔ اسلامی حکومتوں یا تمام دنیا کی حکومتوں (اگر سب نظامِ اسلام کے ماتحت ہوں) کا اگر حساب کیا جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ اس مالی ٹیکس کا مقصد محض سید یا عالمِ دین کی پرورش نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ کوئی اور اہم شے ہے اور وہ حکومت کے علاوہ اور کیا ہے؟ اگر اسلامی حکومت کا وجود ہوجائے تو اسی مالیات خمس، زکات۔ البتہ زکوٰۃ زیادہ نہیں ہے۔ جزیہ[۱]، خراج کے ذریعہ ادارہ کیا جاسکتا ہے۔ مساوات۔ جو خمس کے مستحق ہیں۔ اور تمام حوزہ ہائے علمیہ اور تمام فقرائے مسلمین کے لیے صرف بازار بغداد کی آمدنی کا خمس کافی ہے تہران، اسلامبول، قاہرہ کے بازار کی نوبت ہی نہ

---

[۱] ۔ اہلِ کتاب کی اقلیت جو حکومتِ اسلامی کے زیرحمایت ہو ان پر خمس وزکوٰۃ لاگو نہیں ہے اور نہ ملک کی مسلح دفاع ان پر واجب ہے مگر چونکہ ملک کے تشکیلات انتظامی واداری سے مسلمانوں کی طرح یہ بھی فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اس لیے مردوں اور ان کی آمدنی پر ایک بہت ہی معمولی ٹیکس لازم قرار دیا جاتا ہے، اسی کو 'جزیہ' کہتے ہیں ۔ ۱۲

آنے پائے گی۔ ان تمام آمدنیوں کا مقصد حکومت کی تشکیل کے علاوہ اور کیا ہے؟ یہ ساری آمدنی لوگوں کی بہترین ضروریات اور خدمات عمومی کے انجام دہی کے لیے ہے۔ خواہ وہ عمومی خدمت طبی ہو یا فرہنگی۔ دفاعی ہو یا عمرانی۔ بالخصوص اگر اسلام کے بتائے ہوئے طریقہ سے روپیہ جمع کیا جائے اسکی حفاظت کی جائے اور اس کو صرف کیا جائے تو خزانہ عمومی پر کسی قسم کا کوئی بار نہ ہوگا اور رئیسِ حکومت، والیانِ حکومت، ارکانِ حکومت کو آمدنی سے استفادہ حاصل کرنے میں عوام پر کوئی ترجیح نہیں ہوگی بلکہ سب برابر کے حصہ دار ہوں گے۔

کیا اتنی بڑی عظیم آمدنی کو دریا میں پھینک دیا جائے؟ یا ظہورِ حضرت حجتؑ تک زمین میں دفن کردیا جائے؟ یا اسلئے ہے کہ اس سے ہر دن پچاس سید کھالیں یا آج کل فرض کیجئے پانچ سو ہزار ایسے سیدوں کو دے دیا جائے جن کو یہی نہ معلوم ہو کہ اس کو کیا کیا جائے؟ خصوصاً جب کہ ہم جانتے ہیں حق سادات و فقراء بس اسی قدر ہے کہ جس سے وہ اپنی زندگی باقی رکھ سکیں۔ اسلام نے ہر آمدنی کے لئے مخصوص مصرف بھی معین کردیا ہے ایک صندوق زکوٰۃ کے لیے، ایک خمس کے لیے، ایک صدقات و تبرعات کے لیے مخصوص ہے۔ سادات خمس سے اپنی زندگی بسر کریں اور حدیث میں ہے کہ سادات بھی سال بھر کے مصرف کے بعد خمس کی بچی ہوئی رقم حاکمِ اسلام کے حوالے کردیں۔ اگر وہ رقم خمس کم پڑ جائے تو حاکم ان کی مدد کرے گا۔

اہلِ ذمہ سے حاصل ہونے والے جزیہ، زراعت کی وسیع زمین سے لئے جانے والے خراج کی آمدنی ہی فوق العادۃ ہے۔ اس قسم کے مالیات کا مقرر کرنا خود بتاتا ہے کہ حاکم و حکومت کا وجود ضروری ہے۔ حاکم و والی کا وظیفہ ہے کہ اہل ذمہ کی آمدنی، مالی استطاعت کا لحاظ کرتے ہوئے افراد پر ٹیکس معین کر دے۔ یا ان کے زراعت و مویشی سے مناسب ٹیکس حاصل کرے۔ اسی طرح وسیع زمینوں پر جو "مال اللہ" ہے اور حکومت اسلامی کے تصرف میں ہے، اس سے خراج حاصل کرے۔ ایسا کرنے میں حساب، کتاب، تدبیر، منتظم تشکیلات کی ضرورت ہوگی۔ ہرج و مرج سے انجام پانے والا کام یہ نہیں ہے۔ متصدیان حکومت کا یہ کام ہے کہ اس قسم کے مالیات مناسب اور اندازے سے حاصل کر کے مسلمانوں کے رفاہِ عام میں خرچ کریں۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اسلام کے

مالی احکام خود ہی تشکیلِ حکومت پر دلالت کرتے ہیں کہ نہیں؟ اور ان احکام کا نفاذ بغیر حکومت ناممکن ہے۔

۲- احکامِ دفاعِ ملّی

نظامِ اسلام کی حفاظت و سرزمین اسلام کے دفاع کے احکام بھی تشکیلِ حکومت کی ضرورت پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً۔ اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل۔ یہ آیت حکم دیتی ہے کہ جتنی بھی ہو دفاعی قوت اس کو اور بڑھاؤ۔ اگر مسلمان حکومت اسلامی کی تشکیل کر کے، اس آیت پر عمل کر کے باقاعدہ جنگی اور شہ سوار ہوتے تو مٹھی بھر یہودی ہماری زمین پر قبضہ نہیں کر سکتے تھے۔ ہماری مسجدِ اقصیٰ کو خراب کر کے آگ نہیں لگا سکتے تھے اور جلدی سے کسی کی ہمت نہ ہوتی کہ ہمارے مقابلہ پر آجائے۔ یہ ساری خرابیاں صرف اس وجہ سے ہیں کہ مسلمانوں نے احکامِ خدا کے اجرا میں کوشش نہیں کی اور صالح و لایق حکومت کی تشکیل نہیں دی اگر دولِ اسلامی کے تمام حکمران افراد مومنین کے نمائندہ ہوتے اور اجرائے احکامِ اسلام کرتے، جزئی اختلافات کو الگ کر دیتے، تفرقہ اندازی سے الگ ہو کر متحد ہو جاتے اور "یدِ واحدۃ" ہو جاتے تو انگریز و امریکہ کے پٹھو مٹھی بھر یہودی یہ کام نہیں کر سکتے تھے چاہے امریکہ و انگریز ان کی پشت پناہی بھی کرتے۔ یہ ساری تقصیر ان لوگوں کی ہے جو زبردستی مسلمانوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ واعدوا لھم ما استطعتم الخ کی آیت حکم دے رہی ہے کہ حتی الامکان قوی و آمادہ رہنا چاہیئے تاکہ دشمن تمہارے اوپر ظلم و ستم نہ کر سکے۔ ہمارے عدم اتحاد ہی کا نتیجہ ہے جو روز افزوں نت نئے مصائب سے دوچار ہو رہے ہیں۔

۳- احکامِ جزائی

دیات۔ جو لے کر ان کے مالکوں تک پہنچائی جائے۔ حدود و قصاص۔ جن کا اجراء حاکمِ شرع کے دستور کے مطابق ہونا چاہیئے۔ قسم کے احکام بغیر حکومت متحقق نہیں ہو سکتے۔ یہ ساری امور ایک حکومت چاہتے ہیں۔ بغیر حکومت ان امور کی انجام دہی ناممکن ہے۔

انقلابِ سیاسی

دشمنانِ آلِ محمد و بنی امیہ۔ لعنھم اللہ۔ نے حضورِ اکرم کی رحلت

کے بعد اسلامی حکومت حضرت علیؑ کے ہاتھوں میں آنے ہی نہیں دی۔ خدا کی پسندیدہ حکومت کا خارج میں وجود ہی نہ ہو پایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کو دگرگوں کر دیا۔ ان کی حکومت کے پروگرام سارے کے سارے حکومتِ اسلامی کے مخالف و مباشن تھے۔ بنی عباس و بنی امیہ کی سیاست، طریقۂ حکومت، یہ سب قوانین اسلام کے مخالف تھے۔ ان کی حکومت سلطنتی و شاہنشاہ ایران، کسرائے روم، فراعنۂ مصر کی حکومت کا نمونہ تھی اور بعد میں بھی یہی صورت رہی جیسا کہ اب ہے۔ عقل و شرع کا فیصلہ ہے کہ ایسی حکومتیں جو غیر اسلامی ہیں ان کو دوام نہ ملنے دیں۔ کیونکہ نظامِ سیاسی غیر اسلامی کا مطلب نظام سیاسی اسلام کا تعطل ہے۔ نیز ہر نظامِ سیاسی غیر اسلامی ہمیشہ نظامِ شرک آمیز ہو گا۔ اس کا حاکم طاغوت ہو گا۔ اس لئے ہمارا فریضہ ہے کہ مسلمانوں کے معاشرے سے شرک کو دور کریں۔ اسی طرح ہمارا فریضہ یہ بھی ہے کہ افرادِ مؤمن و با فضیلت کی تربیت کریں اور ایسے صالح افراد کا مجتمع ہونا بھی ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ طاغوتی حکومتوں میں ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ اس لئے حکومتِ اسلامی کا وجود ضروری ہے۔ طاغوتی حکومت کا لازمہ فساد ہے۔ یہ وہی "فساد فی الارض" ہے جس کا ختم ہونا واجب ہے اور ان فسادیوں کو ان کے اعمال کی سزا ملنی ضروری ہے۔ یہ وہی فساد ہے جس کو فرعون نے اپنی سیاست سے مصر میں ایجاد کیا تھا اور قرآن نے کہا کہ یہ مفسدین میں سے ہے۔ اس معاشرہ و مجتمع میں انسان مومن و متقی و عادل زندگی نہیں بسر کر سکتے اور نہ ہی اپنے ایمان پر باقی رہ سکتے ہیں۔ ان کے سامنے صرف دو ہی راستے ہیں یا تو مجبوراً شرک آمیز و غیر صالح اعمال کا ارتکاب کریں یا پھر طاغوتی حکومتوں کے اوامر و نواہی کو تسلیم نہ کر کے ان کا مقابلہ کریں۔ ہمارے لئے یہی راستہ ہے حکومتِ فاسد کو نیست و نابود کر دیں۔ یہ ایک ایسا وظیفہ ہے جس کے لئے تمام مسلمان ایک ہی وقت میں ایسی حکومتوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور سیاسی اسلامی انقلاب کو مضبوط سے مضبوط تر کریں۔

وحدتِ اسلامی

دشمنانِ اسلام نے وطنِ اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے مسلمانوں کو
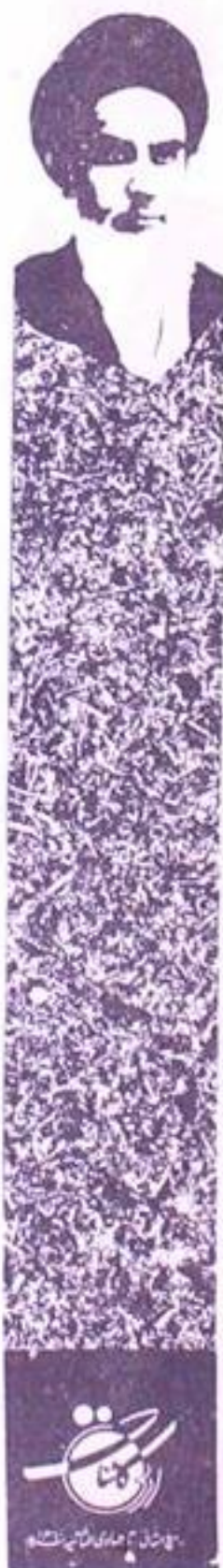
مختلف حکومتوں میں بانٹ دیا۔ جب عظیم دولتِ عثمانی کا وجود دُنیا کے نقشہ پر اُبھرا تو ان کو یہ بھی برداشت نہ ہو سکا۔ چنانچہ روس، انگلینڈ اور دوسری تمام استعماری حکومتیں متحد ہو کر دولت عثمانی کے مقابل پر آگئیں اور ہر ایک نے ایک ایک حصہ پر اپنی حکومت قائم کرلی۔ اگرچہ دولتِ عثمانی کے اکثر حکام نالائق تھے اور بعض تو نہایت فاسد رژیم حکومت کرتے تھے۔ مگر پھر بھی دشمنانِ اسلام اس حکومت کو برداشت نہ کر سکے کیونکہ ان کو خطرہ تھا کہ کہیں انہیں کے اندر کچھ لائق افراد پیدا ہو کر شیرازۂ ملت کو متحد نہ کر دیں۔ لہذا پہلی عالمگیر جنگ متعدد جنگوں کے بعد اس حکومت کے بالشت بالشت بھر کی دس پندرہ حکومتیں کر دیں اور ہر ٹکڑے پر اپنے پٹھو کو حاکم بنا دیا۔ بعد میں کچھ حکومتیں استعماری چنگل سے الگ بھی ہو گئیں۔ ہمارے اوپر شیرازۂ امتِ اسلامی کو متحد کرنے کے لئے، دشمنانِ اسلام کے چنگل سے مُسلمانوں کو بچانے کے لئے ان کی حکومتوں کا قلع قمع کر کے ایک اسلامی حکومت کی تشکیل واجب و لازم ہے۔ جس کی طرف معصومۂ عالمؑ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا ہے۔
"امامت حفظِ نظام کے لئے اور شیرازۂ مسلمین کو متحد کرنے کے لئے ہے۔

۲۵

مظلوم و بیکس نفوس کی نجات واجب ہے

استعماری قوتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے خود ہمارے "عمال سیاسی" جو لوگوں پر مُسلط ہو گئے ہیں اور لوگوں پر ظالم نظام کو مسلّط کر رکھا ہے اور جس کی وجہ سے لوگ دو حصوں میں بٹ گئے ہیں۔ ظالم و مظلوم۔ ایک طرف تو کروڑوں انسان بھوک سے مر رہے ہیں۔ طبی و فرہنگی سہولتیں بھی ان کے لئے مہیا نہیں ہیں۔ اور دوسری طرف چند مٹھی بھر دولت مند سیاسی اقتدار والے عیاش، بیہودہ قسم کے لوگ ہیں۔ بھوکے اور محروم و ستم زدہ لوگ ظالم حکام سے اپنے کو بچانے کی فکر میں ہیں تاکہ سُکھ کی روٹی کھا سکیں۔ لیکن مٹھی بھر دولت مند و ظالم یہ بھی نہیں کرنے دیتے اس لئے ہمارا فریضہ ہے کہ مظلوموں کو نجات دلائیں۔ انکی پشت پناہی کریں اور

ظالموں کے دشمن ہوں (اور یہ سب بغیر اسلامی حکومت کے ناممکن ہے) حضرت امیرؑ حسنینؑ کو اسی وظیفے کی وصیت فرماتے ہیں۔ "نورِ چشمو! تم دونوں ہمیشہ ظالم کے دشمن اور مظلوم کے مددگار رہنا۔"

علمائے اسلام کا فریضہ ہے کہ ظالموں سے مقابلہ کریں۔ مسلمانوں کو بھوک اور محرومیت سے بچائیں۔ ظالم و ستم گر اور حرام خور، ناز و نعمت میں زندگی نہ بسر کرنے پائیں۔ مولائے کائنات فرماتے ہیں۔ "میں نے حکومت کو صرف اس لئے قبول کیا ہے کہ خداوندِ عالم نے علمائے اسلام سے عہد و پیمان لے لیا ہے کہ ستم گروں کی ستم گری، گرسنگی، مظلوں کی محرومیت پر ہاتھ رکھ کے نہ بیٹھے رہیں۔ اما والذی خلق الحبۃ وبرأ النسمۃ لولا حضور الحاضر وقیام الحجۃ بوجود الناصر وما اخذ اللّٰہ علی العلماء ان لا یقاروا علی کظۃ ظالم ولا سغب مظلوم لا لقیت حبلها علی غاربها وسقیت آخرها بکأس اولها ولالفیتم دنیاکم ھذہ ازھد عندی من عفطۃ عنز۔ اس خدا کی قسم جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور انسان کو پیدا کیا۔ اگر بیعت کرنے والوں کا وجود اور مددگار کی موجودگی سے قیامِ دلیل نہ ہوگئی ہوتی اور خدا نے علماء سے جو عہد لیا ہے کہ ظالموں کی غارت گری اور پُرخوری پر اور مظلوموں کی بھوک و گرسنگی پر خاموش نہ رہیں (اگر یہ سب باتیں نہ ہوتیں) تو میں زمامِ حکومت کو چھوڑ دیتا اور تم دیکھتے کہ تمہاری یہ دنیا بھیڑ کے چھینکنے کے وقت جو کثافت اس کے ناک سے نکلتی ہے اس سے بھی زیادہ حقیر و ذلیل ہوتی ——

لہٰذا آج ہم کیونکر بیکار بیٹھ سکتے ہیں؟ اور ہم کیسے برداشت کرسکتے ہیں کہ چند خائن و حرام خور دشمنانِ اسلام کے پٹھو دوسروں کے بل بوتے پر نیزہ کے زور سے سیکڑوں بلکہ ملیونوں مسلمانوں کے حقوق کو غصب کرلیں اور ان کو اپنی نعمتوں سے فائدہ نہ حاصل کرنے دیں۔ علماء اسلام اور تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ اس نظام کو بدلیں اور ظالم حکومتوں کو نیست و نابود کرکے حکومتِ اسلامی کی تشکیل کریں۔

حکومتِ اسلامی حدیث کی روشنی میں

عقل، احکامِ اسلام کی ضرورت، رسولِ اکرمؐ اور حضرت امیرؑ کا رویہ اور آیات و

حدیث کے مفاد سے حکومتِ اسلامی کی تشکیل واجب و لازم ہے۔ بطور نمونہ ایک روایت امام رضاؑ سے نقل کرتا ہوں۔ عربی عبارت کو چھوڑ کر صرف اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ اصل حدیث علل الشرائع ۱/۱۸۲ حدیث ۹ میں ملاحظہ ہو۔ ترجمہ ——

حدیث کا پہلا حصہ نبوت سے متعلق ہے جو ہمارے محلِ بحث سے خارج ہے۔ اس لئے اس کو ترک کر دیا ہے۔ حدیث کا آخری حصہ ہمارے مطلب کے لئے مفید ہے۔ اس لئے اس کا تذکرہ کرتا ہوں۔ امام فرماتے ہیں۔ "اگر کوئی پوچھے کہ خدا نے "اولی الامر" کیوں معین فرمایا؟ جن کی اطاعت ہم پر واجب ہے۔ اس کا جواب یوں دینا چاہیئے کہ بہت سی حکمتوں اور دلیلوں کے پیشِ نظر خدا نے ایسا کیا ہے۔ ان میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ لوگوں کو ایک طریقہ کا پابند کر دیا گیا ہے اور یہ کہہ دیا گیا ہے کہ اس کے حدود و قوانین سے آگے نہ بڑھیں ورنہ مبتلائے فساد ہوں گے اور یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک فرد (یا قدرت) ان کے لئے امین و پاسبان نہ ہو جس کا فریضہ ہو کہ لوگوں کو ان کے حقوق سے آگے نہ بڑھنے دے۔ دوسروں کے حقوق پر کوئی ظلم و تعدی نہ کر سکے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا تو لوگ اپنی لذت و منفعت کے حصول کے لئے دوسروں پر ظلم سے باز نہیں آئیں گے۔ ایک دلیل یہ بھی ہے کہ دنیا کے مختلف فرقوں اور مذہبوں میں کسی بھی ملت یا مذہب یا فرقہ کا وجود بغیر رئیس کے ممکن نہیں ہوا ہے (اس لئے مسلمانوں میں بھی ایک حاکم و رئیس ہونا چاہیئے) کیونکہ دین و دنیا کے امور میں ایسے شخص کا وجود ضروری ہے۔ اسی لئے خداوندِ عالم کی حکمت میں یہ بات ناجائز ہے کہ اپنے بندوں کو بغیر رہبر و سرپرست کے چھوڑ دے۔ کیونکہ خدا جانتا ہے کہ مخلوق کے لئے ایسا رہبر ہونا ضروری ہے جو دشمنوں سے جنگ کر کے آمدنی کو ان کے درمیان تقسیم کرے۔ ان کے لئے جمعہ و جماعت کو قائم کرے مظلوموں کے دامن تک ظالموں کے ہاتھوں کو نہ پہنچنے دے۔ علاوہ بریں اگر مخلوق کے لئے امام، امین، رہبر اور حافظ معین نہ کرے تو ملت کہنہ ہو جائے، دین برباد ہو جائے اور اس کے احکام متغیر ہو جائیں۔ بدعتی لوگ دین میں اضافہ کر دیں، ملحدین کمی کر دیں، اور اس طرح کر دیں کہ دین مسلمانوں پر مشتبہ ہو کر رہ جائے۔ کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں لوگ ناقص ہیں، کمال کے محتاج ہیں مگر اس کے علاوہ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کے حالات
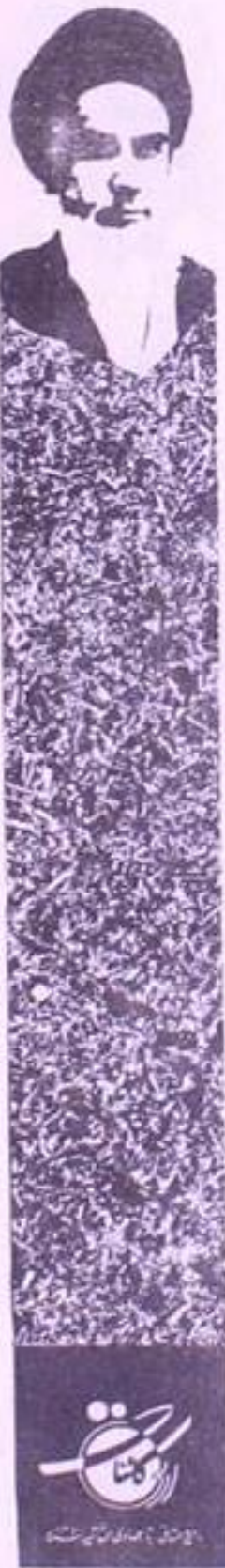
ان کی خواہشیں الگ الگ ہیں۔ لہٰذا اگر خدا لوگوں کے لئے قیم اور دین کا حافظ معین نہ کرتا تو جیسا کہ ہم بیان کر چکے لوگ فساد میں مبتلا ہو جاتے۔ شریعتیں، سنن، احکام ایمان سب میں تغیر ہو جاتا اور اس میں پوری مخلوق کا فساد ہی فساد ہوتا۔

حضرت کے بیان سے "ولی امر" کی تقرری اور تشکیلِ حکومت کا ضروری ہونا متعدد دلیلوں سے ثابت ہوتا ہے اور یہ علتیں اور دلیلیں کسی زمانے سے مخصوص نہیں ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تشکیلِ حکومت دائمی ہے۔ مثلاً لوگوں کا حدودِ اسلام سے تجاوز کرنا، دوسروں کے حقوق کو غصب کرنا، اپنے نفع کے لئے دوسروں کے نقصان کا لحاظ نہ کرنا، یہ باتیں دائمی ہیں۔ لہٰذا حکومت بھی دائمی ہونی چاہیئے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ باتیں حضرت علیؑ کے دور میں تھیں۔ اس کے بعد لوگ ملک ہو گئے، معصوم ہو گئے۔ اب ولی امر کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کی حکمت کا تقاضہ ہے کہ لوگ عادلانہ زندگی بسر کریں۔ احکامِ الٰہی کے حدود کے پابند رہیں۔ اور یہ حکمت دائمی اور خدا کی ان سنتوں میں سے ہے جو ناقابلِ تغیر ہیں۔ لہٰذا آج اور ہمیشہ ولی امر کا ہونا لازمی و ضروری ہے۔ یعنی ایسا حاکم جو نظم و قوانینِ اسلام کو برقرار رکھے دوسروں کے حقوق پر ظلم و تعدی نہ کرنے دے، خلقِ خدا کا امانت دار و پاسدار ہو، لوگوں کو عقائد و احکامات و نظامِ اسلام کی تعلیم دیتا ہو، دشمنانِ دین، دین کے نظام و قوانین میں جو خلل اندازی کرنا چاہیں، اس سے دین کو محفوظ رکھتا ہو۔ کیا حضرت علیؑ کی خلافت ان ہی چیزوں کے لئے نہیں تھی؟ جن وجوہ کی بنا پر اس وقت امام و خلیفہ کا تعین ضروری تھا، اُن ہی وجوہ کی بنا پر آج بھی ضروری ہے۔ بس فرق اتنا ہے کہ آج کوئی معین شخص نہیں ہے۔ بلکہ جو بھی ایسا کرے اس کو حاکم بنانا ضروری ہے۔ اس لئے اگر احکامِ اسلام کو باقی رہنا ہے، ظالم مظلوم کے حق پر ڈاکہ نہ ڈال سکیں، ظالم حکومتیں اپنی لذت مادی و نفع کی خاطر لوگوں کو غارت و برباد نہ کر سکیں، اگر نظامِ اسلام برقرار رہے، تمام لوگ عادلانہ زندگی بسر کر سکیں، بدعت و خلافِ اسلام احکام ترویج نہ پا سکیں، اسلامی حکومتوں میں اجنبی دخل نہ دے سکیں تو بغیر حکومت کے یہ سب ناممکن ہے۔ لیکن حکومت بھی صالح ہو ورنہ وہ بیکار ہو گی جیسے موجودہ حکومت کرنے والے تو نہایت ناکارہ و نااہل ہیں۔ یہ ہمارے مفید مطلب نہیں ہیں۔

خدا جانے کیوں ماضی میں تشکیلِ حکومت کی کوشش نہیں کی گئی۔ اجتماعی طور پر خائن و فاسد و فاسق حکام کا مقابلہ نہیں کیا۔ بلکہ بعضوں نے سُست روی اختیار کی، حد ہے کہ نہ صرف اسلامی نظریات کی تبلیغ و ترویج سے چشم پوشی کی گئی بلکہ برعکس ظالم حاکموں کیلئے دُعائیں کی گئیں۔

ان کی مدد کی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علماء کا اثر و نفوذ کم ہوا، ملت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، احکامِ اسلامی معطل ہو گئے، ان میں تغیر و تبدل کر دیا گیا۔ استعمار گروں نے اپنی منحوس اغراض کے لئے اپنے سیاسی عمال کے ذریعہ خارجی و اجنبی، فرنگی و امریکائی قوانین کو مسلمانوں کی گردنوں پر لاد دیا، لوگوں کو مغرب زدہ کر دیا۔ یہ سب صرف اس لئے ہوا کہ ہمارے پاس کوئی حاکم و رہبر نہیں تھا۔ میرا مطلب صحیح اسلامی حکومت سے ہے، وہ نہیں تھی۔ ورنہ آج یہ دن دیکھنے نصیب نہ ہوتے۔

حکومتِ اسلامی کا طریقہ

موجودہ طرز کی حکومتوں سے اسلامی حکومتوں کا طرز جدا ہے۔ اسلامی حکومت کا طریقہ نہ تو استبدادی ہوتا ہے جس میں رئیس دولت مستقل و خود رائے ہوتا ہے۔ لوگوں کے جان و مال کی بازی لگا دیتا ہے، جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے، جس کو چاہے قتل کر دے، جس کو چاہے انعام و اکرام سے نوازے، جس کو چاہے جاگیر دیدے، ملک و مالِ ملت جس کو چاہے بخش دے۔ اس قسم کے اختیارات تو رسولِ اکرمؐ اور حضرت علیؑ کو بھی نہیں تھے۔ اور حکومتِ اسلامیہ مطلقہ بھی نہیں ہے، بلکہ مشروطہ ہے۔ لیکن مشروطہ کے جو عقلاً معنی متعارف ہیں، اس معنی سے مشروطہ مراد نہیں ہے کہ جس میں قانون اکثریت کی رائے کا تابع ہوا کرتا ہے۔ بلکہ مشروطہ سے مراد یہ ہے کہ حکومت کرنے والے افراد قرآن و حدیث کے شرائط کے پابند ہوں گے، یعنی قوانینِ اسلام کے پابند ہوں۔ اس لحاظ سے حکومتِ اسلامی در حقیقت لوگوں پر الٰہی حکومت کا نام ہے۔ اسلامی حکومت اور مشروطہ سلطنتی و جمہوری میں یہی بنیادی فرق ہے کہ لوگوں کے یا بادشاہ کے نمائندے قانون بناتے ہیں اور اسلام میں وضعِ قانون کا حق صرف خداوندِ عالم کو ہے، تنہا شارع مقدس حقِ وضعِ قانون رکھتے ہیں کسی اور کو یہ حق نہیں ہے اور نہ کوئی قانون حکمِ شارع کے بغیر نافذ العمل ہو سکتا ہے۔

اسلام کے سارے قوانین مسلمانوں کے پسندیدہ ہیں اور مسلمان اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے حکومت کے کام آسان ہیں برخلاف مشروطہ سلطنتی یا جمہوری حکومتوں کے کہ ان حکومتوں کے نمائندے اکثر اپنی من پسند چیز کو بنام قانون لوگوں پر نافذ کر دیتے ہیں۔

اسلام کی حکومت درحقیقت قانون کی حکومت ہے۔ اس حکومت میں حاکمیت کا انحصار خدا پر ہے۔ خدا کا حکم تمام افراد اور تمام حکومتوں پر یکساں لاگو ہے۔ تمام افراد حضورِ اکرم سے لے کر ان کے خلفاء تک سب کے سب ابد تک قانون کے تابع ہیں۔ یہ وہی قانون ہے جو خدا کی طرف سے نازل ہوا اور نبی کی زبان سے بیان ہوا۔ اگر رسول خلیفۃ اللہ بنے تو بھی حکمِ خدا سے بنے نہ خود سے مسلمانوں کے رئیس بنے اور نہ ہی کوئی حکومت تشکیل دی۔ اسی طرح چونکہ لوگ تازہ تازہ ایمان لائے تھے اور احتمال تھا کہ امت میں اختلاف نہ پیدا ہو جائے۔ اس لئے خدا نے اپنے رسول پر وحی نازل فرمائی'' اسی وسط بیابان میں امرِ خلافت کا اعلان کر دیجئے۔'' لہذا رسولؐ نے بھی قانون کی پیروی کرتے ہوئے (نہ یہ کہ علیؑ رسولؐ کے داماد تھے) حضرت علی کو خلیفہ نامزد کر دیا۔ بلکہ علیؑ کی خدمات بھی پیشِ نظر نہیں تھیں، صرف حکمِ الٰہی کی پابندی تھی۔

اسلام میں حکومت کا مفہوم قانون کی پیروی ہے۔ تمام معاشرہ پر صرف قانون کی حکمرانی ہے۔ رسولِ اکرمؐ یا آپ کے نائبین کو جو اختیارات دئے گئے تھے، وہ بھی خدا ہی کی طرف سے تھے۔ حضور جب بھی کوئی مطلب یا حکم بیان کرتے تھے وہ قانونِ الٰہی کی پیروی ہوتی تھی ایسا قانون کہ بلا استثنا جو سب پر لاگو تھا۔ حکمِ الٰہی حاکم و محکوم کے لئے برابر ہے۔ تنہا وہ حکم یا قانون جو لوگوں پر واجب العمل ہے وہ خدا کا قانون ہے۔ رسولِ اکرم کی پیروی بھی حکم خدا کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ **اطیعوا الرسول**۔ پیغمبر کی اطاعت کرو۔ اسی طرح اولو الامر کی پیروی بھی بحکمِ خدا ہے۔ ارشاد ہے۔ اطیعوا ..... **واولی الامر منکم**۔ لوگوں کی رائے کا کیا سوال ہے۔ خود حضور کی رائے حکومت و قانونِ الٰہی میں کوئی دخل نہیں رکھتی۔ سب ارادۂ الٰہی کے تابع ہیں۔ اسلامی حکومت کوئی سلطنتی نہیں ہے۔ چہ جائیکہ شاہی و امپراطوری کو اس میں کوئی دخل ہو۔ شاہی میں حکام لوگوں کے جان و مال پر مسلط ہوتے ہیں اور خودسر ہوتے ہیں۔ اسلام میں اس قسم کا اختیار نہیں ہے۔ اسی لئے اسلامی حکومت میں ـــ برخلاف شاہی و امپراطوری حکومتوں کے۔ بلند و بالا محل، شاندار عمارتیں، حشم و خدم، دفترِ مخصوص، دفترِ ولیعہد اور دوسرے سلطنت کے لوازم جن پر حکومت کے کل خرچ کا آدھا یا اس سے بھی زیادہ صرف ہو جاتا ہے۔ ایسی چیزیں نہیں ہیں رسولِ خدا کی زندگی ـــ جو حکومتِ اسلامی کے رئیس تھے۔ سب کو معلوم ہے آنحضرتؐ کے بعد بنی امیہ کا دور دورہ شروع ہونے تک یہی صورتحال تھی۔ پہلے دو خلیفاؤں نے اپنی شخصی و ظاہری زندگی میں حضورِ اکرمؐ کی

سیرت کو اپنایا تھا۔ اگرچہ دوسرے بہت سے معاملات میں حضور کی مخالفت کی تھی جس کا نتیجہ عثمان کے زمانے میں ظاہر ہوا، جیسا کہ آج کل ہم لوگ مبتلا ہیں۔ حضرت علیؑ نے اپنے دورِ حکومت میں پھر اصلاح فرمائی۔ اور حکومت کا اسلوب و رویہ صالح ہو گیا۔ حضرت علیؑ ۔ جو ایران، مصر، حجاز، یمن وغیرہ پر حکومت کرتے تھے ۔ کی زندگی ایسی تھی کہ آج کوئی فقیر سے فقیر طالب علم بھی ایسی زندگی نہیں بسر کر سکتا۔ ایک مرتبہ آپ نے دو کپڑے خریدے۔ اچھے دم والا اپنے خادم قنبر کو دے دیا اور دوسرا پیراہن جس کی آستینیں بہت لمبی تھیں اس کو اپنے لئے رکھ لیا۔ آستین کا فاضل حصہ پھاڑ کر اسی پھٹے ہوئے پیراہن کو زیب تن فرمایا۔ حالانکہ اتنی عظیم سلطنت کے مالک تھے۔

اگر یہی اندازِ حکومت باقی رہتا تو لوگوں کے جان و مال پر کسی کا تسلط نہ ہوتا۔ سلطنت و شاہنشاہی اس قسم کے مظالم نہیں کر سکتی تھی، خزانۂ عمومی کو میراثِ پدر نہ سمجھا جاتا۔ فحشاء و منکرات کا وجود نہ ہوتا۔ زیادہ تر مفاسد حکام کی بے راہ روی کا نتیجہ ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو فساد کی جگہیں تعمیر کرتے ہیں، شراب خانے اور برائیوں کے مرکز بناتے ہیں۔ مالِ وقف کو سینما پر خرچ کرتے ہیں ۔ اگر اس قسم کے بیہودہ تشریفات اور سلطنت کے پرتکلف اخراجات نہ ہوتے تو خزانہ عامرہ میں کوئی کمی نہ ہوتی اور نہ انگریز و امریکہ کے سامنے سر جھکا کر قرض کا ہاتھ پھیلانا پڑتا اور اعانت کے نام سے بھیک مانگنا پڑتی۔ سلطنت ان ہی اسباب کی بنا پر محتاج ہو گئی ہے۔ ورنہ ہمارا تیل و پٹرول کم نہ تھا اور نہ ایسا ہے کہ ہمارے پاس ذخیرے اور معادن نہ ہوں۔ ہمارے پاس سب کچھ ہے لیکن مفت خوری اور بیجا اخراجات نے مملکت کو بے چارہ بنا دیا۔ اگر یہ باتیں نہ ہوتیں تو ہمیں امریکہ کے سامنے سر جھکا کر بھیک نہ مانگنا پڑتا۔

اس کے علاوہ ضرورت سے زیادہ تشکیلاتِ اداری اور کاغذ وغیرہ کا خرچ اتنا ہے کہ اسلام سے بالکل الگ چیز ہے۔ اس قسم کے اخراجات کا بار حکومت پر اتنا ہی ہوتا ہے جتنا حرام چیزوں پر ہوتا ہے۔ اس سسٹم کا اسلام سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ یہ بیکار قسم کی تشریفات لوگوں کے لئے سوائے خرچ و زحمت و معطلی کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ نہ اسلام سے اس کا کوئی واسطہ ہے۔ مثلاً اسلام نے اثباتِ حقوق، لڑائی جھگڑے کے فیصلے، حدود کا جاری کرنا اور اس طرح کے دوسرے امور کے لئے جو قوانین وضع کئے ہیں وہ بہت سادہ، عملی اور جلد انجام پانے والے ہیں جس زمانے میں شرعی عدالتیں قائم تھیں، قاضی ایک شہر کے اندر دو ایک آدمیوں کے

ساتھ اور قلم و دوات کے ساتھ تمام معاملات کو فیصل کر دیا کرتے تھے اور لوگ اپنے کاموں میں لگ جاتے تھے لیکن آج کل کی عدالتیں پناہ بذاتِ خدا! ان کے تشکیلات و تشریفات اتنے ہیں کہ خدا ہی جانے اور اس بلا سے بجائے یہی چیزیں مملکت کو محتاج کرتی ہیں اور سوائے زحمت و معطلی کے ان کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

رئیسِ حکومت کے شرائط

حاکم کے لئے جو شرائط ضروری ہیں ان میں شرائط عامہ (مثلاً عقل و تدبیر وغیرہ) سے قطعِ نظر کرتے ہوئے دو بنیادی شرطیں ہیں۔ ۱۔ قانون کا علم۔ ۲۔ عدالت

حضورِ اکرمؐ کے انتقال کے بعد خلیفہ میں اختلاف ہونے کے باوجود اس میں کوئی اختلاف نہیں تھا کہ خلیفہ کو لائق و فاضل ہونا چاہیئے اختلاف صرف اس میں تھا کہ کون خلیفہ ہو؟

۱ — اسلامی حکومت چونکہ قانون کی حکومت ہے اسلئے حاکمِ اعلیٰ کو قوانین کا عالم ہونا ضروری ہے اور روایت میں بھی یہی ہے۔ بلکہ حاکمِ اعلیٰ ہی پر کیا منحصر ہے ہر عہدہ دار کو عالم ہونا چاہیئے۔ بس حاکمِ اعلیٰ کو علم کے لحاظ سے فضیلت ہونی چاہیئے۔ ہمارے ائمہؑ نے اپنے استحقاق امامت کے لئے یہی دلیل دی ہے کہ امام کو دوسروں سے افضل ہونا چاہیئے۔ علماء شیعہ نے بھی دوسروں پر یہی اعتراضات کئے ہیں کہ خلیفہ سے فلاں بات پوچھی گئی وہ جواب نہ دے سکے لہٰذا ان میں خلیفہ ہونے کی صلاحیت نہیں ہے۔ فلاں کام خلاف اسلام انجام دیا لہٰذا لائق خلافت و امامت نہیں ہے اور فلاں و فلاں ....

مسلمانوں کی نظر میں قانون دانی و عدالت شرط و بنیادی رکن ہے۔ کوئی دوسری شے اس میں دخیل نہیں ہے۔ مثلاً ملائکہ کی حقیقت کیا ہے؟ خدا کے صفات کیا ہیں؟ انکو موضوعِ امامت میں کوئی دخل نہیں ہے۔ مثلاً اگر کوئی تمام علوم طبیعی کو حاصل کرلے، طبیعت کی تمام قوتوں کا انکشاف کر دے، علم موسیقی میں مہارت تامہ رکھتا ہو تو اس وجہ سے وہ خلیفہ نہیں ہو جائے گا اور نہ اسوجہ سے ان لوگوں پر جو عالم قانون و عادل ہیں۔ تصدی حکومت کے

لئے اس میں اولویت پیدا ہو جائے گی۔ جو چیزیں خلافت سے مربوط ہیں
اور رسول اکرم اور ائمہ معصومین کے دور میں ان پر بحث ہو چکی ہے اور مسلمانوں
کے درمیان مسلم ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ حاکم و خلیفہ کو پہلے تو قانون داں ہونا چاہیے
اور پھر عادل ہونا چاہیے۔ اعتقادی و اخلاقی کمال بھی رکھتا ہو۔ عقلاً بس
یہی ضروری ہے۔ کیونکہ اسلامی حکومت قانون کی حکومت ہے۔ وہ خودسری
یا چند اشخاص کی لوگوں پر حکومت کا نام نہیں ہے۔ اگر حاکم اعلیٰ قانونی باتوں کو
نہیں جانتا تو حکومت کا اہل نہیں ہے۔ کیونکہ اگر تقلید کرتا ہے تو حکومت میں
اضمحلال ہوتا ہے، نہیں کرتا ہے۔ تو قانون کو نافذ نہیں کر سکتا ہے اور یہ
مسلم ہے کہ الفقہاء حکام علی السلاطین فقہاء بادشاہوں پر
حاکم ہیں۔ سلاطین اگر اسلام کے پابند ہوں تو فقہا کی پیروی کرنا پڑے گی
اور احکام اسلام کو فقہاء سے پوچھنا پڑے گا۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ رسمی طور
پر حکومت فقہاء ہی سے متعلق ہو نہ ان لوگوں سے جو اپنی جہالت کی وجہ سے
فقہاء کے تابع ہیں۔ ہاں یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر منصب دار، سرحد کا نگراں
حکومت میں کام کرنے والے سب کے سب تمام قوانینِ اسلام کو جانتے
ہوں اور فقیہہ و مجتہد ہوں بلکہ جو عہدہ ان سے متعلق ہے اس کے
بارے میں معلومات رکھتے ہوں۔ رسولِ خدا اور حضرت علیؑ کے زمانہ میں
ایسا ہی تھا۔ حاکم اعلیٰ تو ان دونوں صفات کا حامل ہو، لیکن ذمہ دار اپنے
متعلقہ عہدہ کے بارے میں معلومات رکھتے ہوں۔

حاکم اعلیٰ کو کمالِ اعتقادی و اخلاقی پر فائز اور عادل ہونا چاہیے۔ اس
کا دامن آلودہ عصیاں نہ ہو۔ حد جاری کرنے والے، بیت المال کے
متصدی، مملکت کے آمد و خرچ کا متصدی، خدا کی مخلوق پر حکومت کرنے
والے کو معصیت کار نہیں ہونا چاہیے۔ لاینال عھدی الظالمین
خدا ظالم کو ایسے اختیار نہیں دیتا۔ حاکم اعلیٰ اگر عادل نہ ہوگا تو مسلمانوں کے
حقوق دینے، مالیات کو لے کر صرف کرنے، قانون جزا کے جاری کرنے میں
انصاف سے کام نہیں لے گا۔ اور ممکن ہے کہ یار دوست اور قرابت داروں کو
معاشرہ پر حاکم بنا دے اور بیت المال کو اپنی ہوس رانی اور اغراض شخصی پر
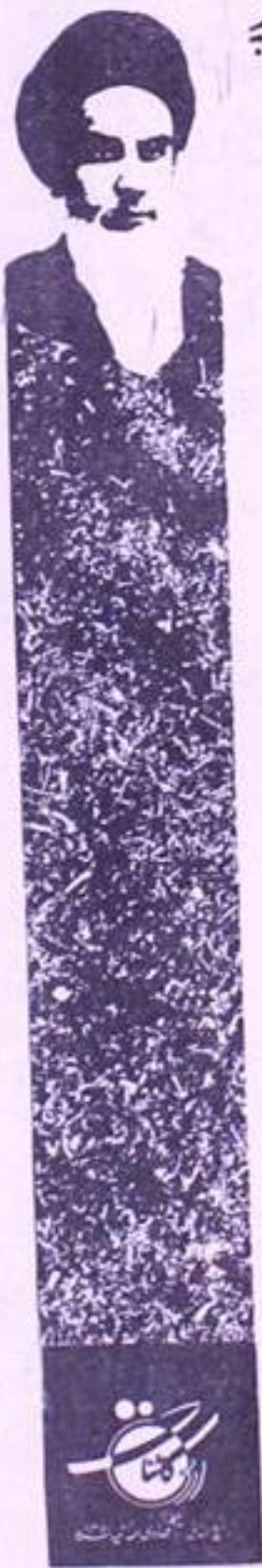
صرف کر ڈالے۔ لہٰذا حاکمِ اعلیٰ کا عادل ہونا ضروری ہے۔

اسی لئے طرزِ حکومت اور حاکم کے سلسلہ میں پیغمبرؐ کے انتقال کے بعد زمانِ غیبت تک شیعوں کا نظریہ بہت ہی واضح ہے شیعوں کی بنا پر امام کو فاضل، عادل، احکام و قوانین کا عالم اور ان کے اجراء میں عادل ہونا چاہیئے۔

زمانِ غیبت میں حاکمِ اعلیٰ کے شرائط

آج کل یعنی زمانِ غیبت میں چونکہ اسلام کے حکومتی احکام باقی ہیں اور ہرج و مرج جائز نہیں ہے۔ لہٰذا حکومت کی تشکیل ضروری ہے۔ عقل بھی اسکو ضروری سمجھتی ہے تاکہ حملہ آور کا دفاع کر سکیں، نوامیس مسلمین پر حملہ آور ہونے والے کا مقابلہ کر سکیں۔ شرع مقدس نے بھی حکم دیا ہے، جن لوگوں سے تجاوز کا خطرہ ہو ان کے لئے اپنے کو ہمیشہ آمادہ رکھو، افراد جو ایک دوسرے پر ظلم و تعدی کرتے ہیں، اس کے روکنے کے لئے بھی حکومت کا ہونا ضروری ہے۔ چونکہ یہ چیزیں خود بخود تو انجام پا نہیں سکتیں لہٰذا ان کے لئے تشکیلِ حکومت ضروری ہے۔ لیکن تشکیلِ حکومت مالیات چاہتی ہے۔ اس لئے شارع مقدس نے خراج، خمس، زکوٰۃ ..... جیسی چیزوں کو معین کر دیا ہے۔

ابھی تک خدا کی طرف سے حکومت کو چلانے کے لئے زمانِ غیبت میں کسی کو معیّن نہیں کیا گیا ہے۔ تو ایسی صورت میں ہماری تکلیف کیا ہے؟ اسلام کو چھوڑ دیں؟ اب اسلام کی ضرورت نہیں ہے؟ اسلام صرف دو سو سال کے لئے تھا؟ یا یہ کہ اسلام نے تکلیف معیّن کر دیا ہے۔ لیکن ہم تکلیف حکومتی نہیں رکھتے؟ آخر کیا ہے؟

حکومت کے نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمام سرحدیں مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائیں اور ہم بیچارگی کے ساتھ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں کہ وہ لوگ جو چاہیں کریں۔ اور ہم اگر ان کے کاموں کی تائید نہ کر سکیں تو تردید بھی نہ کریں۔ کیا ایسا ہی ہونا چاہیئے؟ یا یہ کہ ہم کو تشکیل حکومت کرنی چاہیئے۔ اگر خدا نے زمانِ غیبت کے لئے کسی کو معین نہیں کیا ہے تو وہ حکومتی خاصیت جو زمانِ پیغمبرؐ سے زمانِ حضرت حجتؑ تک تھی تو وہ تو برقرار ہے یعنی قانون دانی اور عدالت یہ خاصیت ہمارے دور کے بہت سے فقہاء میں موجود ہے۔ اگر یہ حضرات باہم اجتماع کریں تو ایک عادل حکومت کی تشکیل کر سکتے ہیں۔
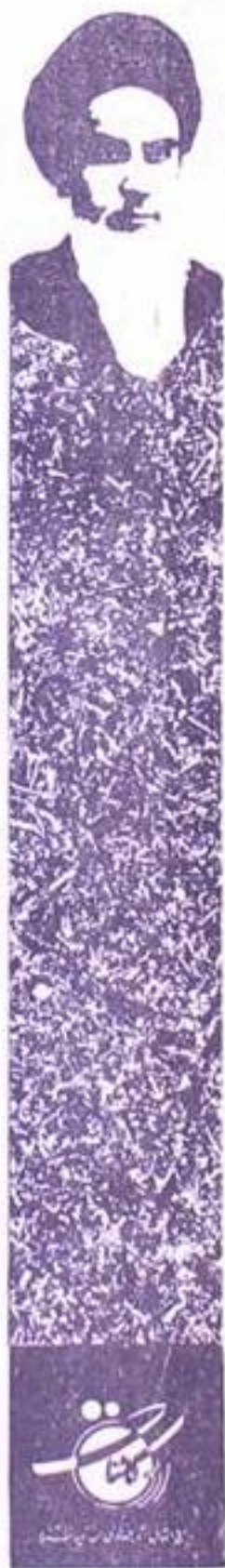
ولایتِ فقیہہ

اگر کوئی شخص جس میں قانون دانی و عدالت کی صفتیں پائی جائیں تشکیلِ حکومت کرے تو ادارۂ معاشرہ کے لئے جو ولایت رسولؐ کے پاس تھی، اسی ولایت کا یہ شخص بھی حامل ہوگا اور تمام لوگوں پر اس کی اطاعت واجب و لازم ہوگی۔ یہ خیال کہ ـــ حکومتی اختیارات حضور اکرمؐ کو حضرت علیؓ سے زیادہ تھے۔ یا حکومتی اختیارات حضرت علیؑ کے فقیہہ سے زیادہ ہیں ـــ باطل و غلط ہے۔ البتہ رسولِ خدا کے فضائل معنوی ساری دنیا سے زیادہ ہیں اور آپ کے بعد حضرت علیؑ کے فضائل سب سے زیادہ ہیں۔ لیکن فضائل معنوی کی زیادتی حکومتی اختیارات کے افزائش کا سبب نہیں ہے۔ بلکہ تعیین حاکم واستانداز، تیاریٔ سپاہ، مالیات کو لے کر مسلمانوں کے مفاد میں خرچ کرنے کی ولایت واختیارات جو حضورِ اکرمؐ اور ائمہ معصومین کو تھے وہی اختیارات خدا نے حکومتِ فعلی کو بھی دئیے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ کوئی شخص معین نہیں ہے۔ میری مراد عالِم عادل ہے۔

ولایتِ اعتباری

رسولِ خدا اور ائمہ جس ولایت کے مالک تھے غیبت کے بعد فقیہ عادل اسی ولایت کا مالک ہے۔ اس جملہ سے کسی کو یہ خیال نہ پیدا ہو جائے کہ جو مقام ائمہ معصومین کا ہے وہی مقام فقیہ عادل کا ہے۔ کیونکہ مقام و منزلت سے بحث نہیں ہو رہی ہے۔ بلکہ وظیفہ و عہدہ سے بحث ہے۔ ولایت ـــ یعنی تمام دنیا پر حکومت اور شرعِ مقدس کے قوانین کا جاری کرنا ـــ ایک سنگین اور مہم ترین وظیفہ ہے۔ نہ یہ کہ یہ عہدہ پانے والا کسی غیر عادی مقام و منزلت کا دارا ہو جاتا ہے اور انسان عادی سے بلند تر ہو جاتا ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے۔ اسے کو یوں سمجھیئے کہ عام لوگوں کے تصورات کے برخلاف ولایت وجہ امتیاز نہیں ہے بلکہ یہ عظیم عہدہ ہے۔ ولایت فقیہ امور اعتباری عقلائی میں سے ہے۔ سوائے جعل۔ معین کرنا ـــ اور کوئی واقعیت

نہیں رکھتی ۔ جیسے نابالغ بچوں پر کسی نگراں کا معین کرنا (یہی ولایت مراد ہے۔ مترجم)
ملت کے قیم (نگراں) اور نابالغ کے قیم میں ظیفہ وعہدہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔
مثلاً امام کسی کو کسی کی تربیت کے لئے یا کسی کو کسی حکومت یا کسی منصب کے لئے
معین فرمادیں تو اس میں رسولؐ و امامؑ و فقیہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یعنی فقیہ بھی یہ کام
کرسکتا ہے۔ مثلاً منجملہ دیگر امور کے فقیہ حد جاری کرسکتا ہے۔ پس کیا حد جاری کرنے
میں رسولؐ و امامؑ و فقیہ میں کوئی فرق ہے؟ یا چونکہ فقیہ کا مرتبہ امام سے کم ہے
لہٰذا یہ کم کوڑے لگوائے؟ زنا کی حد سو تازیانہ ہے۔ اب پیغمبرؐ ڈیڑھ سو اور حضرت
علیؑ سو اور فقیہ پچاس ہی تازیانے لگوائے؟ یا یہ مقصد ہے کہ حاکم قوۃ اجرائیہ کا
متصدی ہوتا ہے۔ اس لئے چاہے وہ رسولؐ ہوں یا حضرت علیؑ یا کوفہ و بصرہ میں کوئی
قاضی یا حضرت کا نمائندہ یا فقیہ عصر سب ہی خدا کی معین کردہ حد نافذ کرسکتے ہیں
فقیہ کا امامؑ و رسولؐ کے برابر ہونے کا یہی مطلب ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔
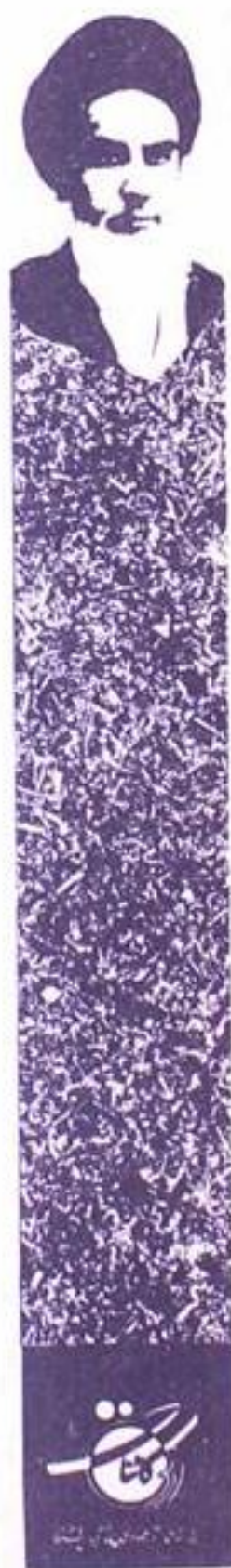
دوسری مثال:۔ رسولِ خدا اور حضرت علیؑ کا کام اخذ مالیات (یعنی)
خمس، زکوٰۃ، خراج والی زمینوں سے خراج لینا تھا۔ اب رسول کتنی زکوٰۃ لیں؟ مثلاً
ایک جگہ سے دسواں اور دوسری جگہ سے بیسواں حصہ لیں؟ حضرت امیر خلیفہ ہو کر
کیا لیں گے؟ جناب عالی! اگر فقیہ نافذ الکلمہ ہو گئے تو کیا کریں گے؟ کیا یہاں پر
رسولِ خدا، حضرت امیرؑ، فقیہ عادل کی ولایت میں فرق ہے؟ ہرگز نہیں۔ خداوند عالم نے
حضرت رسول کو تمام مسلمانوں پر "ولی" بلکہ زندگی بھر حضرت امیر پر بھی "ولی" قرار
دیا ہے۔ رسولِ خدا کے بعد امام تمام مسلمانوں پر بلکہ اپنے بعد والے امام پر بھی
ولایت رکھتا ہے۔ یعنی اس کے حکومتی اقدام سب پر نافذ ہیں۔ وہ قاضی و والی کو
معین کرسکتا ہے، معزول کرسکتا ہے۔ یہی ولایت جو رسولِ خدا اور ائمہ کو تشکیل حکومت
کے لئے ہے فقیہہ عادل کے لئے بھی ہے۔ لیکن فقہاء اس معنی سے "ولی مطلق"
نہیں ہیں کہ اپنے زمانے کے تمام فقہاء پر ولایت رکھتے ہوں اور دوسرے
فقہاء کو عزل و نصب کرسکتے ہوں (یہ حق فقیہہ عادل کو نہیں ہے) یہاں مراتب و درجات
نہیں ہیں کہ ایک بالاتر مرتبہ پر فائز ہے اور دوسرا پست ترین مرتبہ پر فائز ہے۔ ایک
والی ہے دوسرا والی تر ہے:

اس وضاحت کے بعد فقہا پر لازم ہے کہ اجتماعاً یا انفراداً سرحدوں کی حفاظت، حدود کے اجراء کے لئے شرعی حکومت کی تشکیل کریں۔ اگر کسی کے لئے ایسا کرنا ممکن ہو تو اس پر واجب عینی ہے ورنہ واجب کفائی ہے۔ عدم امکان کی صورت میں ولایت ساقط نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ حضرات خدا کی طرف سے منصوب ہیں۔ اگر زکوٰۃ، خمس، خراج و دیگر مالیات کو لے کر مسلمانوں کے مفاد میں صرف کر سکتے ہوں تو ایسا کرنا چاہیئے۔ حتیٰ کہ حد بھی جاری کرنی چاہیئے۔ ایسا نہیں ہے کہ اگر ابھی حکومتِ عمومی کی تشکیل نہیں کر سکتے تو کنارے ہو جائیں۔ بلکہ مسلمان جن امور کے محتاج ہیں اور حکومتِ اسلامی اس کی عہدہ دار ہے اس کے لئے فقہا جتنا بھی کر سکتے ہوں اتنا انجام دینا چاہیئے۔

ولایتِ تکوینی

امام کے لئے ولایت و حکومت کے اثبات کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ امامؑ مقامِ معنوی نہ رکھتے ہوں۔ امامؑ کے لئے حکومت سے قطع نظر مقامِ معنوی بھی ہے۔ جس کو زبانِ ائمہ میں کبھی خلافت کلی الٰہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ امام کے لئے خلافت تکوینی ہے جس کی وجہ سے دنیا کا ہر ذرّہ ان کا تابع فرمان ہے۔ ہمارے ضروریاتِ مذہب میں یہ بات داخل ہے کہ کوئی بھی ائمہ کے مقامِ معنویت تک نہیں پہنچ سکتا چاہے وہ ملک مقرب یا نبیٔ مرسل ہو۔ وہ بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اصولاً بنا بر روایاتِ حضورِ اکرمؐ اور ائمہ معصومین اس عالم سے پہلے خلقِ عرش میں بصورت انوار تھے۔ یہ حضرات انعقادِ نطفہ اور طینت میں بھی تمام انسانوں سے امتیاز رکھتے ہیں اور ان کے مقامات تو الاّ ماشاء اللہ ہیں۔ چنانچہ حدیثِ معراج میں جبرئیل کہتے ہیں لو دنوت انملۃ لاحترقت۔ ایک انگل بھی اگر بڑھ آؤں تو جل جاؤں۔ اور یہ فرمان تو معلوم ہی ہے کہ معصوم فرماتے ہیں ان لنا مع اللہ حالات لا یسعھا ملک مقرب ولا نبی مرسل۔ خدا کے ساتھ ہمارے ایسے حالات ہیں کہ جہاں تک ملک مقرب اور نبی مرسل کی بھی پہنچ نہیں ہو سکتی۔ ہمارے مذہب کے اصول کا

جزو ہے کہ ائمہ کے لئے حکومت ولایت سے پہلے وہ مقاماتِ معنوی حاصل ہیں جو کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکتے۔ نیز یہ مقاماتِ معنوی حضرت زہرا کے لئے بھی ہیں۔ حالانکہ وہ معصومہ نہ قاضی ہیں نہ حاکم نہ خلیفہ۔ یہ مقامات حکومت سے علیحدہ چیزیں ہیں۔ اسی لئے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت زہرا قاضی و خلیفہ نہیں ہیں تو اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہمارے اور آپ کی طرح ہیں یا یہ کہ ہمارے اوپر معنوی برتری نہیں رکھتیں۔ اسی طرح اگر کوئی کہے النبی اولیٰ بالمومنین من انفسہم تو اس نے حضرت کے لئے ایک ایسی بات کہی جو مومنین پر حکومت و ولایت سے بالاتر ہے۔ سردست ہم اس موضوع پر بحث نہیں کر رہے ہیں کیونکہ یہ دوسرے علم کا فریضہ ہے (اور حقیقت یہ ہے کہ رسول اور ائمہ کی جنس و فصل انسان کی جنس و فصل سے الگ ہے۔ مترجم)

بلند مقاصد کے حصول کیلئے حکومت ذریعہ و وسیلہ ہے

حکومت میں عہدہ دار ہونا ذاتی طور پر کوئی قیمت نہیں رکھتا۔ بلکہ اجرائے احکام کے وظیفہ کو انجام دینا اور اسلام کے عادلانہ نظام کو برقرار رکھنے کا ایک وسیلہ ہے حضرت امیر ابنِ عباس سے حکومت کے بارے میں فرماتے ہیں: "ابنِ عباس! میری اس جوتی کی کیا قیمت ہوگی؟ (چونکہ جوتی بہت بوسیدہ تھی لہذا) ابن عباس نے کہا: کچھ بھی نہیں، یہ سن کر حضرت علیؑ فرماتے ہیں: تمہاری اس حکومت کی قدر و منزلت میرے نزدیک اس جوتی سے بھی کمتر ہے۔ البتہ اگر اس حکومت کے ذریعہ حق (یعنی قانون و نظامِ اسلام) کو برقرار رکھ سکوں اور باطل (یعنی ظالمانہ و ناجائز قانون و نظام) کو جڑ سے اکھاڑ سکوں (تب تو اس حکومت کی قدر ہے ورنہ کچھ نہیں۔ مترجم) پس حکومت و فرمانروائی صرف وسیلہ و ذریعہ ہے۔ مردانِ خدا کے نزدیک اگر اس سے کارِ خیر اور بلند مقاصد حاصل نہ ہو سکیں تو پھر اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔" اسی لئے نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں: "اگر میرے اوپر حجت تمام نہ ہو گئی ہوتی اور اس کام پر ملزم نہ کیا گیا ہوتا تو اس حکومت کو چھوڑ دیتا۔ حکومت حصولِ مقاصد کا ذریعہ ہے۔ خود کوئی مقام معنوی نہیں ہے۔ اگر ذاتی طور پر حکومت کوئی مقام معنوی رکھتی ہوتی تو کوئی اسکو ائمہ سے غصب نہیں کر سکتا تھا۔ اگر حکومت و فرمانروائی احکام الٰہی کے اجراء کا وسیلہ اور اسلام

کے عادلانہ نظام کے برقراری کا سبب ہو تب تو اس کی قدر و قیمت ہے اور حاکم کا مرتبہ بلند اور مقام معنوی زیادہ ہوگا۔

بعض حضرات جن کی نظروں میں دنیا ہی دنیا ہے وہ خیال کرتے ہیں کہ حکومت ذاتی طور پر ائمہ کے لئے ایک شان و بلند مقام ہے۔ اگر یہ کسی دوسرے کے لئے ثابت ہو جائے تو دنیا درہم و برہم ہو جائے۔ حالانکہ شوروی وزیر اعظم یا انگریز یا رئیس جمہوریہ امریکہ بھی حکومت پر فائز ہیں۔ بس اتنی سی بات ہے کہ کافر ہیں۔ کافر سہی مگر حکومت و نفوذ سیاسی تو رکھتے ہیں اور اس حکومت و سیاسی اقتدار و نفوذ کو اپنی کامیابی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ ائمہ و فقہاء عادل کا فریضہ ہے کہ احکام الٰہی کے اجراء اور اسلام کے عادلانہ نظام کے برقراری کے لئے تشکیلِ حکومت کا سہارا لیں ورنہ بعض حکومت تو ان کے لئے سوائے رنج و زحمت کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ آخر یہ کیا کریں؟ انجام وظیفہ کے لئے معمور ہیں۔ ولایت فقیہہ کا موضوع ماموریت اور انجام وظیفہ کے سوا کیا ہے؟

حکومت کے بلند مقاصد

حضرت[1] حکومت و فرمانروائی کی تصریح فرماتے ہیں کہ حکومت کا مقصد حق کو ثابت کرنا اور باطل کو نیست و نابود کرنا ہے۔ معصومؑ فرماتے ہیں۔ خدایا! تو جانتا ہے کہ ہم نے حصولِ منصب و حکومت کے لئے قیام نہیں کیا ہے بلکہ ہمارا مقصد مظلوموں کو ستم گاروں کے چنگل سے نجات دلانا ہے۔ جس چیز نے مجھے لوگوں پر حکومت کرنے کو آمادہ کیا وہ یہ ہے کہ "خدا نے علماء سے عہد لیا ہے اور ان کو پابند بنایا ہے کہ ستمگروں کی بہرہ مندی و پُرخوری پر اور مظلوموں کی گرسنگی پر سکوت نہ کریں۔" دوسری جگہ فرماتے ہیں۔" پالنے والے تو جانتا ہے کہ میں نے جو کچھ بھی کیا وہ سیاسی قدرت کے حصول یا تمتعاتِ دنیا کے لئے نہیں کیا ہے"۔ پھر بلا فاصلہ فرماتے ہیں۔" بلکہ یہ صرف اس لئے تھا کہ تیرے دین کے روشن اصول کو دوبارہ واپس

---

[1] بیعت عمومی کے بعد مسجد مدینہ میں حضرت نے جو پہلی تقریر فرمائی تھی کہ میں نے حکومت کیوں قبول کی۔ اس خطبہ کا ایک حصہ یہاں پر نقل کیا گیا ہے ۱۲

لائیں اور تیرے ملک میں اصلاح کو ظاہر کریں تاکہ تیرے مظلوم بندے بیخوف ہوجائیں
اور معطل شدہ قوانین کو پھر سے جاری کریں۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے ضروری صفات

جن مقاصد کو حضرت علیؑ نے بیان فرمایا ہے اگر اسلام کے انھیں بلند
مقاصد کو کوئی حاکم عمل میں لانا چاہتا ہے تو اس کو ان صفات سے متصف ہونا چاہیئے
جس کی طرف ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے۔ یعنی اسے عالم قوانین ہونا چاہیئے۔ اسی بات
کی طرف حضرت علی اشارہ فرماتے ہیں "خدایا! میں پہلا آدمی ہوں جو تیری طرف
متوجہ ہوا (رسول کی زبان پر جاری ہونے والے تیرے دین کو) سُنا اور قبول کیا...
رسولِ خدا کے علاوہ کسی نے مجھ سے پہلے نماز نہیں پڑھی۔ اے لوگو! تم خوب جانتے
ہو کہ نوامیس قانون (غنیمت و احکام اور مسلمانوں پر حکومت بخیل کی نہیں ہو سکتی
(اسی طرح) حاکم کو جاہل (از قوانین) نہ ہونا چاہیئے۔ ورنہ اپنی جہالت کی وجہ سے
لوگوں کو گمراہ کرے گا۔ (اسی طرح) حاکم جفا کار اور سخت نہ ہونا چاہیئے ورنہ اس کی
جفا کی وجہ سے لوگ اس سے قطع تعلق کرلیں گے۔ حاکم کو حکومتوں سے بھی نہ ڈرنا چاہیئے۔
ورنہ ایک سے دوستی اور دوسرے سے دشمنی کر بیٹھے گا۔ حاکم کو قضاوت میں رشوت
خوار نہ ہونا چاہیئے ورنہ افراد کے حقوق کو پامال کرے گا اور حق کو حقدار تک پہنچنے
نہ دے گا۔ حاکم کو سنّت و قانون کو معطل کرنے والا نہ ہونا چاہیئے ورنہ اُمت گمراہ
ہو سکتی ہے۔" توجہ فرمایئے اس روایت کے مطالب دو ہی موضوع کو بیان
کر رہے ہیں۔ ایک علم دوسرے عدالت اور ان دونوں کو والی کے لئے لازمی صفت
بتایا جا رہا ہے۔ ولا الجاہل فیضلّھم بجھلہ علم کی طرف متوجہ
کرتا ہے اور باقی عبارت عدالت کی تائید کرتی ہے۔ عدالت واقعی یہ ہے
کہ حکومتوں سے ارتباط (۲) لوگوں سے معاشرت' عوام الناس سے معاملت
عدالت' فیصلے' اموال کی تقسیم میں حضرت علیؑ کا طریقہ اختیار کرے
اور مالکِ اشتر کو لکھے ہوئے ہدایت نامہ کو اپنے پیش نظر رکھے۔
اس مکتوب میں اتنی عمومیت ہے کہ اگر فقہاء والی ہوجائیں تو ان کو
بھی مکتوبِ مالکِ اشتر کو اپنا دستور العمل بنانا چاہیئے۔

احادیث سے ولایت فقیہ

فقہاء عادل رسولِ اکرم کے جانشین ہیں۔

ایک روایت جس کی دلالت میں کوئی اشکال نہیں ہے حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔ "رسولِ خداؐ نے فرمایا۔ خدایا! میرے جانشینوں پر رحم فرما۔" اس جملہ کو تین بار تکرار کیا پوچھا گیا۔ "حضور! آپ کے جانشین کون حضرات ہیں؟" "میرے بعد آنے والے میری حدیث وسنّت کو نقل کرنے والے اور میرے بعد اس کی لوگوں کو تعلیم دینے والے

شیخ صدوقؒ نے جامع الاخبار، عیون اخبار الرضا، مجالس میں اس روایت کو پانچ طریقہ سے جو تقریباً چار طریقہ ہوتا ہے۔ کیونکہ دو طریق بعض لحاظ سے مشترک ہیں۔ لہٰذا وہ دونوں ایک ہی ہیں۔ نقل فرمایا ہے۔ جن مقامات پر اس روایت کو مسند کیا گیا ہے ان میں سے ایک جگہ فیعلمونہا اور باقی مقامات پر فیعلمونہا الناس ہے۔ اور جن مقامات پر اس روایت کو مرسل نقل کیا گیا ہے۔ وہاں فقط صدر روایت تو ہے لیکن فیعلمونہا الناس من بعدی والا جملہ نہیں ہے۔

ا — میں اس روایت پر دو طرح سے بحث کروں گا۔ (۱) ہم فرض کرتے ہیں کہ ایک ہی روایت ہے اور فیعلمونہا۔۔۔ والا جملہ حدیث کے آخر میں اضافہ ہے یا یہ کہ یہ جملہ تھا مگر بعد میں نقل سے رہ گیا۔ یہ دوسرا احتمال واقع سے زیادہ نزدیک معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر اضافہ کے قائل ہوں تو از روئے خطا یا اشتباہ اضافہ نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ روایت کئی طرح سے وارد ہوئی ہے اور حدیث کے راوی ایک دوسرے سے بہت دور زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک بلخ میں دوسرا نیشاپور میں تیسرا کسی اور جگہ (مرو) رہتا تھا۔ اسلئے یہ نہیں ہوسکتا کہ جان بوجھ کر یہ جملہ زیادہ کیا گیا ہے اور یہ بھی عقلاً بعید ہے کہ چند ایسے افراد جو ایک دوسرے سے الگ رہتے ہوں ہر ایک کے ذہن میں ایک ہی جملہ کے اضافہ کی بات آئی ہو۔ لہٰذا اگر ایک ہی روایت ہے تو ہم کو یقین ہے فیعلمونہا والا جملہ صدوقؒ کی نقل میں ساقط ہوگیا ہے۔ یا تو لکھنے والے لکھنے سے رہ گئے یا پھر صدوقؒ نے اس جملہ کو ذکر نہیں فرمایا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ یہ دو حدیثیں ہوں ایک میں فیعلمونها . . . .
الا جملہ رہا ہو اور دوسرے میں نہ رہا ہو۔ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ یہ جملہ حدیث میں تھا
تو اس حدیث کے مصداق وہ حضرات ہرگز نہیں ہو سکتے جن کا مشغلہ صرف نقلِ حدیث تھا
اور از خود کوئی رائے یا فتویٰ نہیں رکھتے تھے۔ اسی طرح اس حدیث کے مصداق وہ
محدثین بھی نہیں ہو سکتے جو حدیث فہم نہیں تھے اور اس مشہور مقولے رب حامل
فقہٍ لیس بفقیہ کے مصداق تھے (یعنی بہت سے حامل فقہ فقیہہ نہیں ہیں)
یعنی وہ حضرات جو احادیث کو ضبط کرتے تھے اور اخبار و روایات کو حاصل کرکے تحریر
کرتے تھے اور لوگوں کو دیا کرتے تھے، ان کو بھی خلیفۂ رسول اور علوم اسلامی کا معلم نہیں
کہا جا سکتا اور نہ یہ لوگ حدیث کے مصداق ہیں۔ البتہ ان کی خدمات اسلام اور مسلمانوں
کے لئے بہت قیمتی ہیں اور ان میں بہت سے فقیہہ اور صاحب رائے بھی تھے۔ مثلاً
کلینیؒ، صدوقؒ، صدوقؒ کے والدؒ یہ حضرات فقیہہ تھے اور احکام و علوم اسلام کی
لوگوں کو تعلیم دیتے تھے۔ ہمارے اس کہنے کا مطلب شیخ صدوقؒ اور شیخ مفیدؒ میں
فرق تھا۔ یہ نہیں ہے کہ صدوقؒ فقیہہ نہیں تھے یا ان کی فقاہت شیخ مفیدؒ سے کم تھی
کیونکہ شیخ صدوقؒ ہی وہ ہیں جنھوں نے ایک ہی نشست میں مذہب کے تمام اصول و

۱ وسائل الشیعہ کے کتاب قضا، الواب صفات قاضی باب ۸ حدیث ۵۰ نیز باب ۱۱
حدیث ۷ میں مرسل ذکر ہے۔ معانی الاخبار و مجالس میں دو مختلف سندوں سے نقل ہے جن میں بعض راوی
مشترک ہیں عیون میں تین بالکل مختلف طریقہ سے نقل ہے) اور یہ سب ایک دوسرے سے مختلف جگہ پر
رہتے تھے۔ کوئی مرو میں کوئی بلخ میں کوئی نیشاپور میں رہتا تھا۔

فروع بیان فرماتے تھے۔ بس شیخ صدوقؒ اور شیخ مفیدؒ اور ان جیسے دیگر
مجتہدین میں یہ فرق ہے کہ شیخ مفیدؒ وغیرہ ایسے فقہاء میں تھے جو روایات و اخبار
میں اپنی نظر و فکر کو دخل دیتے تھے اور صدوقؒ ان فقہاء میں تھے جو اپنی نظر کو دخل
نہیں دیتے تھے یا کم دخل دیتے تھے۔

یہ حدیث ان علماء کو شامل ہے جو علومِ اسلام کو نشر اور احکام اسلام
کو بیان کرتے ہیں اور ایسے صالح افراد کی تربیت کرتے ہیں جو دوسروں کو تعلیم دیں جیسا
کہ حضور اکرم اور ائمہ نشر و بسط احکام اسلام فرمایا کرتے تھے۔ حوزۂ درس رکھتے
تھے اور ان حضرات کے مکاتب میں ہزاروں افراد علمی استفادہ کرتے تھے اور جو

لوگوں کو تعلیم دینا اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔ یعلمونها الناس کا یہی مطلب ہے اسلام کا تمام دنیا کے لئے ہونا واضحات میں سے ہے۔ مسلمانوں پر اور خصوصاً علماء اسلام کا فریضہ ہے کہ احکام اسلام کو تمام دنیا میں معرفی کرائیں۔ اور اگر ہم قائل ہوجائیں کہ جملہ یعلمونها الناس...... حدیث کے ذیل میں نہیں تھا تو پھر دیکھنا پڑے گا کہ پیغمبر اسلام کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے؟ اور اس صورت میں بھی یہ حدیث ان راویوں کو جو فقیہہ نہ ہوں شامل نہ ہوگی۔ کیونکہ سُنن الٰہی چونکہ پیغمبرؐ کے واسطہ سے ہم تک پہنچی ہیں لہٰذا ان کو سنن رسولؐ بھی کہا جاتا ہے اب اگر کوئی سنن رسولؐ کو نشر کرنا چاہتا ہے تو اسے تمام سنن و احکام الٰہی کا عالم ہونا چاہیئے، صحیح و غیر صحیح میں فرق کرسکتا ہو۔ اطلاق تقیید، عام و خاص جمع عقلائی کی طرف ملتفت بھی ہو۔ عالم تقیہ کی روایات کو دوسری روایات سے تمیز دے سکتا ہو اور اس کے لئے جو میزان معین کی گئی ہے اسکو جانتا ہو (جب ہی وہ احکام الٰہی کو نشر کرسکتا ہے۔ مترجم)۔ اب جو محدثین مرتبۂ اجتہاد پر نہیں پہنچے ہیں اور صرف نقل حدیث کرتے ہیں اور ان امور کو نہیں جانتے اور رسول خدا کی سنت واقعی کو مشخص و معین کرسکنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ان کی رسولِ خدا کی نظر میں کوئی قیمت نہیں ہے اور نہ وہ حضرات مراد ہوسکتے ہیں کیونکہ یہ طے شدہ بات ہے کہ پیغمبر فقط قال رسول اللہ اور عن رسول اللہ۔ چاہے وہ جھوٹ ہی ہو۔ کو نہیں چاہتے تھے کہ یہ لوگوں میں مشہور ہوجائے بلکہ حضرت کی مراد سنت واقعی اور اسلام کے حقیقی احکام کو نشر کرنا ہے۔ من حفظ علی امتی اربعین حدیثا حشرہ اللہ فقیها۔ جو میری امت میں سے چالیس حدیثیں یاد کرلے خدا اس کو فقیہہ محشور کرے گا یہ اور اس قسم کی روایتیں جو نشر احادیث کے فضائل میں وارد ہوئی ہیں ان سے قطعاً وہ محدثین نہیں مراد ہیں جو حدیث کے معنی ہی نہیں سمجھتے کہ حدیث یعنی چہ؟ بلکہ اس سے وہ افراد مراد ہیں جو رسولؐ کی حدیث کو اسلام کے حکم واقعی کے مطابق تشخیص دے سکیں اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک آدمی مجتہد و فقیہہ نہ ہو اور احکام کے تمام قضایا و جوانب کو پرکھ نہ سکتا ہو اور ائمہ معصومین کے بتائے ہوئے اصولوں سے اسلام کے واقعی احکام کو سمجھ نہ سکتا ہو۔ ایسے افراد رسول اللہ کے خلیفہ ہیں جو احکام الٰہی کو اور علوم اسلامی کو لوگوں کے درمیان نشر کرتے ہیں اور انھیں کے بارے میں حضرت

نے دعا فرمائی ہے کہ اللھم ارحم خلفائی۔

پس اس سے ثابت ہوا کہ اللھم ارحم خلفائی والی حدیث کی کتابت کرنے والوں کے لئے نہیں ہے اور نہ یہ لوگ رسولِ خدا کے خلیفہ ہیں۔ بلکہ اس حدیث سے مراد فقہائے اسلام ہیں۔ نشر احکام اور لوگوں کی تعلیم و تربیت فقہاء عادل سے متعلق ہے۔ کیونکہ فقہاء اگر عادل نہ ہوں گے تو سمرہ بن جندب۔ اس نے حضرت علیؑ کے خلاف روایت جعل کی ہے۔ کی طرح اسلام کے خلاف روایتیں جعل کریں گے اور اگر فقیہہ نہ ہوں گے تو وہ فقہ و احکام اسلام کو نہیں سمجھیں گے اور ممکن ہے کہ درباری ملاؤں کی طرح۔ درباری ملاؤں نے بادشاہوں کی تعریف میں حدیثیں جعل کی ہیں۔ غلط سلط حدیثیں نشر کرنے لگیں جیسا کہ آپ خود دیکھ رہے ہیں کہ دو ضعیف حدیثوں کو لے کر ان لوگوں نے کتنا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے انکو قرآن کا۔ جو سلاطین کی مخالفت کا حکم دیتا ہے جس نے موسٰی کو بادشاہوں کے خلاف قیام کرنے پر آمادہ کیا ہے۔ کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا ہے۔ ظالموں اور دین میں تصرف کرنے والوں کے خلاف جو احادیث ہیں کاہلوں نے ان کو چھوڑ کر ضعیف روایتوں۔ جن کو شاید بادشاہوں کے واعظین نے جعل کیا ہے۔ کا سہارا لیا ہے کہ بادشاہوں سے بگاڑنا نہیں چاہیئے اور درباری ہونا چاہیئے۔ اگر یہ لوگ واقعی دین شناس اور اہلِ روایت ہیں تو ان بہت سی روایات پر عمل کریں جو ظالمین کے خلاف آئی ہیں۔ اگر یہ اہلِ روایت ہوں بھی تو عادل نہیں ہیں۔ اسی لئے اتنی زیادہ روایات سے چشم پوشی کر کے دو ضعیف روایت سے چپکے ہوئے ہیں۔ یہ حُبِ جاہ و شکم پروری ہے جس نے انسان کو درباری بنا رکھا ہے۔ تقاضائے علم ہرگز یہ نہیں ہے۔ بہرحال علوم اسلام کا نشر فقہائے عادل سے متعلق ہے جو احکام واقعی و غیر واقعی کو عالم تقیہ کی روایات کو دوسرے سے تمیز دے سکیں۔ چونکہ ہمیں معلوم ہے کہ ائمہ بعض اوقات حکم واقعی کے بیان کرنے کے موقف میں نہیں ہوتے تھے حکام جور کے اسیر تھے۔ تقیہ کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس لئے حکم واقعی ہمیشہ نہیں بیان کر سکتے تھے۔ البتہ مذہب کے خوف سے ائمہ کا تقیہ ہوا کرتا تھا کہ اگر تقیہ نہ کریں تو حکام جور مذہب کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیں۔ ائمہ نے اپنی جان کے خوف سے تقیہ نہیں فرمایا۔

ولایت فقیہہ پر حدیث کی دلالت واضح ہے۔ کیونکہ خلافت تمام شئوون نبوت میں جانشینی کا نام ہے۔ جملہ اللھم ارحم خلفائی کی دلالت علی خلیفتی سے کم نہیں

ہے۔ دونوں جملوں میں خلافت کے ایک ہی معنی ہیں اور الذین یاتون من بعدی ویروون حدیثی والے جملے سے خلفا کو پہچنوایا گیا ہے۔ خلافت کو نہیں پہچنوایا گیا۔ کیونکہ صدر اسلام میں خلافت کے معنی سب ہی کو معلوم تھے۔ اس کے بیان کی ضرورت ہی نہیں تھی اور خود سائل نے بھی خلافت کے معنی نہیں پوچھے تھے۔ بلکہ خلفا کو معلوم کیا تھا۔ تعجب اس پر ہے کہ علی خلیفتی یا الائمۃ خلفائی سے کسی نے مسئلہ گوئی نہیں سمجھا بلکہ اس سے ائمہ کی خلافت وحکومت پر استدلال کیا ہے۔ مگر جملہ خلفائی پر لوگوں نے توقف کیا ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ خلافت رسول ایک خاص حد تک محدود ہے یا مخصوص اشخاص تک محدود ہے اور چونکہ سارے ائمہ خلیفہ ہیں اس لئے ان کے بعد علماء فرمانروا وحاکم وخلیفہ نہیں ہو سکتے اور اسلام کو بے سرپرست رہنا چاہیئے احکام معطل رہیں سرحدوں پر دشمنوں کا قبضہ رہے اور ساری ایسی غلط باتیں ہوتی رہیں کہ جن سے اسلام کا دور سے بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔

محمد بن یحیی عن احمد بن محمد عن ابن محبوب عن علی ابن حمزہ قال سمعت ابا الحسن موسیٰ ابن جعفر علیہما السلام یقول: اذا مات المومن بکت علیہ الملائکۃ وبقاع الارض التی کان یعبد اللہ علیہا، وابواب السماء التی کان یصعد فیہا باعمالہ وثلم فی الاسلام وثلمۃ لایسد ھا شئ لان المومنین الفقہاء حصون الاسلام کحصن سور المدینۃ لھا۔

راوی کہتا ہے میں نے امام موسیٰ ابن جعفر سے سنا آپ فرماتے تھے۔ جب کوئی مومن (یا فقیہہ مومن) مرجاتا ہے تو اس پر فرشتے، زمین کے وہ ٹکڑے جن پر خدا کی عبادت کرتا تھا اور آسمان کے دروازے جن سے اس کے اعمال اوپر جاتے تھے (یہ سب کے سب) اس پر گریہ کرتے ہیں) اور قلعۂ اسلام میں ایسا شگاف پڑجاتا ہے جسے دنیا کی کوئی شے پر نہیں کرسکتی۔ کیونکہ فقہاء مومن اسلام کے قلعے ہیں۔ جیسے سور مدینہ کے قلعے مدینہ کے لئے۔ کافی کے اسی باب میں ایک دوسری روایت ہے جس میں اذا مات المومن کے بجائے اذا مات المومن الفقیھہ ہے۔ لیکن پہلی روایت کے ابتدائی حصہ میں فقیہہ کا لفظ نہیں ہے۔ البتہ آخری حصہ میں المومنین الفقہاء سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ فقیہہ شروع میں رہ گیا۔ اور ثلم فی الاسلام، حصن اور اس قسم کے لفظوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فقیہہ کی لفظ رہ گئی ہے۔ کیونکہ یہ سب فقہاء

سے مناسبت رکھتے ہیں۔

۱ کافی ـــ کتاب فضل العلم ـ باب فقد العلماء ـــ حدیث سوم

۴۹

مفہومِ روایت

"مؤمنین فقہاء اسلام کے قلعے ہیں۔ اس جملہ سے معصومؑ فقہاء کو مامور فرمارہے ہیں کہ وہ نگہبان رہیں، عقائد، احکام اور نظامِ اسلام کی نگرانی کریں۔ ظاہر ہے کہ معصومؑ نے تکلفاً یہ بات نہیں فرمائی ہے۔ یہ اس قسم کے تکلفات نہیں ہیں کہ جیسے ہم لوگوں میں آپس میں مرسوم ہیں کہ میں آپ کو شریعت مدار کہوں، آپ مجھے شریعت مدار کہیں۔ یا لفافہ کی پشت پر لکھتے ہیں "حضرت مستطاب حجۃ الاسلام"۔ اگر کوئی فقیہہ گوشۂ تنہائی میں بیٹھ جائے۔ کسی معاملہ میں دخل نہ دے، قوانینِ اسلام کی حفاظت نہ کرے۔ احکامِ اسلام کو نشر نہ کرے، مسلمانوں کے امور اجتماعی میں کسی قسم کا دخل نہ دے اور نہ مسلمانوں کے امور کا اہتمام کرے تو کیا ایسے فقیہہ کو "حصن الاسلام" کہا جاسکتا ہے؟ کیا وہ حافظِ اسلام ہے؟ اگر رئیسِ حکومت کسی منصب دار یا سردار کو حکم دے کہ جاکر فلاں حصہ کی نگرانی کرو تو کیا اسکا فریضہ یہ ہے کہ گھر جاکر سو رہے تاکہ دشمن آکر اس حصہ کو غارت کردے یا اس کا فریضہ یہ ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس حصہ کی حفاظت کرے۔

اگر آپ فرمائیں کہ ہم بعض احکام اسلام کی حفاظت کرتے ہیں تو میں آپ سے سوال کروں گا۔ کیا آپ نے حدود جاری فرمائے؟ جی نہیں۔ یہاں پر تو شگاف ہوگیا۔ آپ جس کی نگرانی کرتے تھے اسی دیوار کا ایک حصہ خراب ہوگیا۔ کیا آپ مسلمانوں کی سرحدوں اور وطن اسلامی کی تمام زمینوں کی حفاظت فرماتے ہیں؟ جی نہیں۔ ہم تو دعا گو ہیں۔ لیجئے دیوار کا دوسرا حصہ بھی برباد ہوگیا۔ کیا آپ مالداروں سے فقراء کے حقوق لے کر فقراء تک پہنچاتے ہیں؟ کیونکہ آپ کا اسلامی فریضہ ہے مالداروں سے لے کر غرباء تک پہنچائیے۔ جی نہیں۔ ہم تو یہ نہیں کرتے۔ دوسرے لوگ انجام دیتے ہوں گے۔ لیجئے دیوار کا ایک حصہ اور برباد ہوگیا آپ کی مثال شاہ سلطان حسین اور اصفہان کی ہوگئی۔ بھلا یہ کونسا قلعہ ہوا کہ جو اس گوشہ کے لئے آقائے "حصن الاسلام" سے سوال کرتا ہوں جواب نفی میں آتا ہے۔ کیا حصن کے یہی معنی ہیں؟ فقہاء کا "اسلام کے قلعہ" ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ حفاظتِ اسلام

کے لئے مکلف ہیں۔ ان کو ایسے طریقے اختیار کرنا چاہیئے کہ جس سے اسلام کی حفاظت ہو سکے اور یہ اہم ترین واجب ہے۔ بلکہ واجبِ مطلق ہے۔ واجب مشروط نہیں۔ حوزہ ہائے دینی کو اسکی فکر کرنی چاہیئے اور اپنے کو ایسے لوازم و تشکیلات سے آراستہ کرلینا چاہیئے جس سے اسلام کی نگہبانی ہو سکے۔ جس طرح خود حضور اکرم عقائد و احکام کے تمام معنی میں حافظ تھے۔

لیکن ہم لوگوں نے سارے احکام کو چھوڑ کر بعض احکام کے پیچھے پڑ گئے ہیں اور بزرگوں سے یہی رسم چلی آرہی ہے۔ عالم یہ ہو گیا ہے کہ بہت سے احکام اسلام علوم غربیہ کے جزو ہو گئے ہیں واقعی اسلام غریب ہے اور فقط اس کا نام باقی ہے۔ جزائیات اسلام جو بہترین جزائی قانون بن کر انسان کے لئے آئے ہیں اس وقت بالکلیہ فراموش ہو گئے ہیں جزائیات وحدود کی آیات صرف تلاوت میں باقی ہیں۔ ہم تو یہ پڑھتے ہیں۔ الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مائۃ جلدۃ (زانی اور زانیہ کو سو کوڑے مارو) مگر یہ صرف تلاوت تک محدود ہے۔ ہماری کوشش یہ رہتی ہے کہ صحیح مخرج سے ادا ہو جائے مگر کیا ہم اس کے مکلف نہیں ہیں؟ اب اسلامی معاشرہ کا کیا عالم ہو گیا ہے ..... فحشاء ومنکر کا کتنا رواج ہو چکا ہے۔ حکومتیں بدکاروں کی کس قدر پشت پناہی کرتی ہیں۔ ہم کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ بس گویا ہمارا فریضہ یہ ہے کہ زانی و زانیہ کی کیا سزا ہے؟ اس کا علم ضروری ہے۔ لیکن اس پر عمل بھی ضروری ہے ہمیں اس سے کیا سروکار؟

میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ کیا رسولؐ اسی طرح قرآن کی تلاوت کر کے اسے ایک گوشہ میں رکھ دیتے تھے؟ حدود و قانون کے اجرا کی کوئی فکر نہیں کرتے تھے؟ کیا خلفائے رسولؐ مسائل لوگوں کو تبلیغ فرمادیا کرتے تھے بس اب ہمیں تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے؟ یا اس کے برخلاف حدود معین تھے؛ کوڑے لگائے جاتے تھے؛ رجم کیا جاتا تھا، حبس دوام کی سزا ہوتی تھی؛ شہر بدر کئے جاتے تھے یہ سب ہوتا تھا کہ نہیں؟ ذرا اسلام کے دیات اور حدود کے فصول ملاحظہ فرمائیے آپ کو معلوم ہو جائے گا اسلام انھیں چیزوں کے لئے آیا تھا۔ اسلام معاشرہ کے اصلاح کے لئے آیا تھا۔ حکومت اور امامت اعتباری انھیں چیزوں کے لئے ہے۔ اسلام کی حفاظت ہمارا فریضہ ہے۔ یہ تو نماز روزہ سے بھی زیادہ اہم ہے۔ اسی کے لئے خون بہایا جاتا ہے۔ امام حسینؑ نے اسی لئے تو قربانی دی تھی۔ کیا حسینؑ کے

خون سے زیادہ دنیا میں کسی کا خون اہم ہے؟ ہمیں خود بھی اس بات کو سمجھنا چاہیئے اور دوسروں کو بھی بتانا چاہیئے۔ آپ خلفائے اسلام اسی وقت ہوں گے جب لوگوں کو اسلام سکھائیں۔ یہ مت کہیئے چھوڑو امام زمانؑ جب آئیں گے تو یہ سب ہو گا کیا آپ نماز چھوڑ دیتے ہیں کہ جب امامِ زمانؑ آئیں گے تو پڑھی جائے گی؟ حفاظتِ اسلام نماز سے زیادہ اہم ہے۔ خمین کے حاکم والی منطق نہ چلایئے کہ خوب گناہ کرو تاکہ امام زمانؑ کا ظہور جلد از جلد ہو جائے۔ اگر گناہوں کی کثرت نہ ہو گی تو امامؑ تشریف نہ لائیں یہ غلط منطق ہے۔ یہاں بیٹھ کر صرف مباحثہ سے کام نہیں چلے گا۔ بلکہ تمام اسلام کا مطالعہ کیجئے، حقائق کو نشر کیجئے، رسالے و کتابیں لکھ کر منتشر کیجئے اس کا اثر ہو گا میرا تجربہ ہے کہ اثر ہوتا ہے۔

علی عن ابیه، عن النوفلی، عن السکونی، عن ابیعبد اللهؑ قال: قال رسول الله (ص) الفقهاء امناء الرسل مالم یدخلوا فی الدنیا قیل یا رسول الله وما دخولهم فی الدنیا؟ قال اتباع السلطان فاذا فعلوا ذلک فاحذروهم علی دینکم (۱) رسول اکرمؐ فرماتے ہیں۔ فقہاء "جب تک دنیا کے پیچھے نہ پڑ جائیں" امین اور انبیاء کے موردِ اعتماد ہیں۔ پوچھا گیا۔ دنیا کے پیچھے پڑنے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: "بادشاہوں کی پیروی کرنا۔ اگر ایسا ہو جائے تو ان سے اپنے دین کے لئے ڈرو۔

اس روایت کے تمام پہلوؤں پر نظر بحث کے طولانی ہونے کا سبب بن جائے گی۔ اس لئے صرف ایک جملہ الفقہاء امناء الرسل جو ولایت فقیہہ سے متعلق ہے، کے بارے میں گفتگو کروں گا۔ پہلے تو یہ دیکھنا ہو گا کہ انبیا کے وظائف و اختیارات کیا ہوتے ہیں؟ تاکہ معلوم ہو جائے کہ فقہاء کے امانت دار اور موردِ اعتماد انبیاء ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اور ان کے کیا فرائض ہیں؟

غرض بعثت انبیاء

بدیہی بات ہے کہ بعثتِ انبیاء کا مطلب صرف مسئلہ گوئی نہیں تھا۔
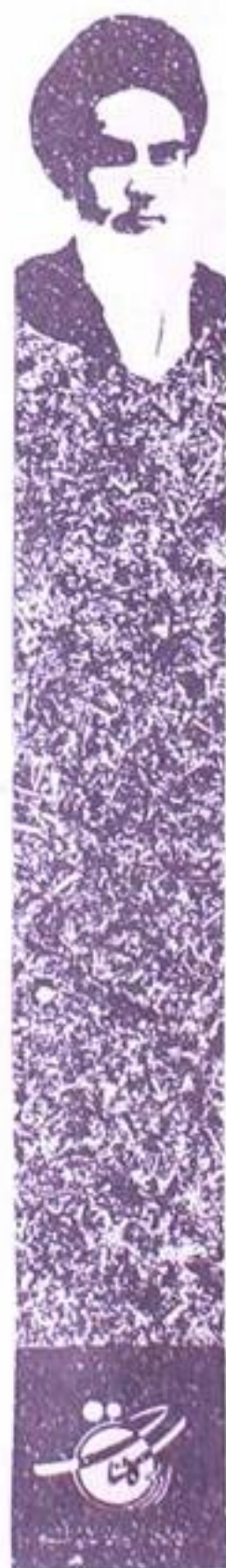
ایسا نہیں ہے کہ مسائل و احکام بذریعہ وحی پیغمبر اسلام کے پاس آئے ہوں اور حضرت رسولِ خدا اور جناب امیر و دیگر ائمہ صرف مسئلہ گو رہے ہوں کہ خدا نے ان حضرات کو اس بات پر معین کیا تھا کہ بغیر کسی خیانت کے مسائل و احکام لوگوں تک پہنچا دیں اور یہ حضرات بھی اس امانت کو فقہاء کے حوالہ کر دیں تاکہ یہ حضرات انبیا سے لی ہوئی امانت بغیر خیانت لوگوں تک پہنچا دیں اور الفقہاء امناء الرسل کا مطلب صرف مسئلہ گوئی میں امین ہونا رہے۔ بلکہ انبیاء کا اہم ترین فریضہ ایک اجتماعی عادلانہ نظام کا قائم کرنا تھا جس کا لازمی نتیجہ بیانِ احکام و نشر تعالیم و عقائد الٰہی ہے۔ جیسا

---

۱ کتاب کافی، کتاب فضل علم باب ۱۳ حدیث ۵۔ یہ منجملہ ان روایات کے ہے جس کو مرحوم زاقی نے ذکر کیا ہے۔ مرحوم نوری نے "مستدرک الوسائل" ابواب مایکتسب باب ۳۸ روایت ۸ کتاب نوادر راوندی سے بسند صحیح از امام ہفتم نقل کیا ہے۔ نیز ابواب صفت قاضی باب ۱۱ حدیث ۵ کتاب دعائم الاسلام سے بحوالہ امام ششم نقل کیا ہے۔ کافی میں بھی ایک روایت اس مضمون کی ہے۔ امام ششم نے فرمایا علماء امین ہیں متقی قلعے ہیں، انبیاء رہبر ہیں ۱۲

کہ اس آیت سے ولقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط۔ واضح ہے۔ بطور کلی بعثت انبیا کا مقصد لوگوں کو عادلانہ اجتماعی روابط کی بنیاد پر منظم کرنا ہے اور یہ بات تشکیل حکومت و اجرائے قانون سے حاصل ہوتی ہے، خواہ خود نبی۔ جیسے ہمارے پیغمبر۔ تشکیلِ حکومت کا موفق ہو یا اس کے پیرو کار اس فریضہ کو انجام دیں۔

خمس کے سلسلے میں ارشاد ہے۔ واعلموا انما غنمتم من شیٔ فان اللہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ۔ یا زکوٰۃ کے لئے ارشاد ہے خذ من اموالھم صدقہ یا خراجات کے لئے دستور معین کیا ہے۔ ان سب چیزوں کا مطلب فقط یہی نہیں ہے کہ لوگوں کے لئے احکام بیان کر دیں بلکہ ان کے اجراء کے لئے بھی پابند کیا ہے۔ جس طرح۔ لوگوں میں نشر کرنا فریضہ ہے کہ خمس و زکوٰۃ وغیرہ لے کر مسلمانوں کے مفاد میں خرچ کرے، لوگوں میں عدالت قائم کرے، سرحدوں کی حفاظت اور حدود کا اجراء کرے، کسی کو حکومتِ اسلامی کے مالیات پر بیجا

تصرف نہ کرنے دے۔

یہ جو خداوندعالم نے **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم** کے ذریعے پیغمبرؐ کو رئیس بنا کر ان کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پیغمبرؐ مسئلہ بیان کریں تو ہم اس کو قبول کرلیں اور اس پر عمل کریں۔ احکام پر عمل کرنا تو اطاعتِ خدا ہے ہی بلکہ تمام عبادی وغیر عبادی کام جو احکام سے مربوط ہوں وہ سب اطاعتِ خدا ہیں۔ رسول کی متابعت، احکام پر عمل کرنا نہیں ہے۔ بلکہ دوسرا مطلب ہے (ہاں ایک لحاظ سے رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے کیونکہ خدا نے خود ہی اپنے پیغمبرؐ کی اطاعت کا حکم دیا ہے) مثلاً اگر رسول تمام لشکر کو اسامہ کے ساتھ جنگ کے لئے روانہ کریں تو یہ حکمِ خدا نہیں بلکہ حکمِ رسول ہے۔ اس لئے کہ خدا نے حکومت ان کے سُپرد کردی ہے۔ اور حضرت بھی مصالح کی خاطر فوج روانہ کر رہے ہیں۔ والی، حاکم، قاضی معین کریں یا کسی کو معزول کریں تو حکمِ رسول ہی ہوگا۔ **حکومت، اجرائے قوانین، معاشرہ کا ادارہ، ملک کا دفاع، قضاوت وغیرہ میں فقہاء پیغمبرؐ اسلام کے محلِ اعتماد ہیں۔**

لہٰذا معلوم ہوا کہ تمام وہ امور جو پیغمبروں سے متعلق ہیں فقہاء عادل اس کی انجام دہی کے لئے مامور ہیں۔ اگرچہ عدالت امانت سے اعم ہے کیونکہ ہو سکتا ہے ایک شخص امورِ مالی میں امین ہونے کے باوجود عادل نہ ہو مگر حضور اکرمؐ کی مراد امناء الرسل سے وہی حضرات ہیں جو کسی حکم کی مخالفت نہ کریں، پاک و منزہ ہوں جیسا کہ حدیث کے آخر میں خود ہی فرمایا دیا ہے کہ جب تک مطامع دنیا میں دخیل نہ ہو جائیں۔ پس اگر کوئی فقیہہ مالِ دنیا جمع کرنے کی فکر میں لگا رہے تو وہ عادل نہیں ہے۔ اور نہ رسولِ اکرم کا امین ہے۔ صرف فقہاء عادل احکامِ اسلام کو جاری کر سکتے ہیں، اس کے نظام کو معین کر سکتے ہیں، حدود و قصاص کو جاری کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں کے
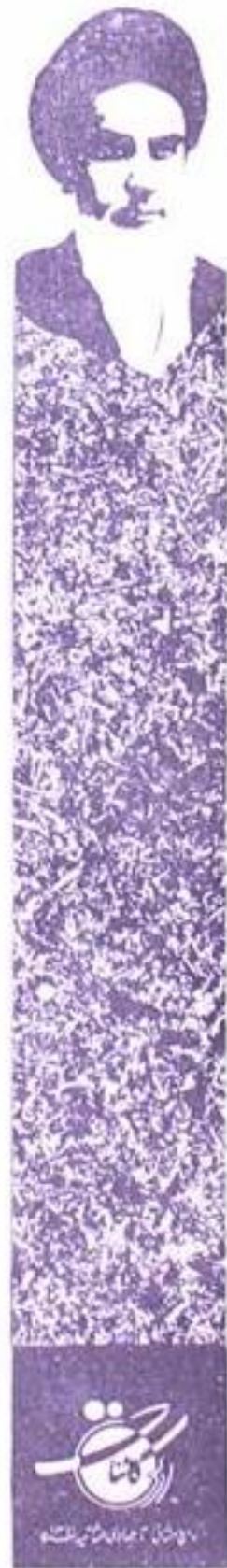
تمام وطنِ ارضی کی نگرانی کر سکتے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ خمس، زکوٰۃ صدقات، جزیہ، خراج کی تحصیل اور اس کو مسلمانوں کے مصالح میں صرف کرنے سے لے کر اجراء حدود و قصاص تک ـــ جو حاکم کے زیر نگرانی ہو حتیٰ کہ ولی مقتول بھی بغیر حاکم کی نظارت عمل نہیں کر سکتا ـــ تمام وہ قوانین جو عہدۂ حکومت سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے "سرحد کی حفاظت' شہر کا انتظام" یہ سب کے سب فقہاء کے ذمہ ہے۔

جس طرح پیغمبرؐ اجرائے احکام اور برقراریٔ نظام اسلام پر مامور تھے اور خدا نے ان کو حاکم و رئیس معین کر کے مسلمانوں پر ان کی اطاعت واجب قرار دی تھی اسی طرح فقہاء عادل بھی رئیس و حاکم ہیں۔ ان کو بھی اجرائے احکام کرنا چاہیئے۔ اسلام کے اجتماعی نظام کو برقرار رکھنا چاہیئے۔

قانونی حکومت

چونکہ اسلامی حکومت قانون کی حکومت ہے اس لئے قانون شناس بلکہ دین شناس فقہاء ہی کو اس کا متصدی ہونا چاہیئے۔ فقہاء ہی کو ملک کے اداری و اجرائی امور کے نگران ہونا چاہیئے۔ یہی حضرات احکامِ الٰہی کے اجراء' اخذ مالیات' سرحدوں کی حفاظت' اجراء حدود کے امین ہیں۔ انھیں قانونِ اسلام کو معطل یا اجراء میں کمی و زیادتی نہ ہونے دینا چاہیئے اگر فقیہہ زانی کو حد لگانا چاہے تو شریعت کے معین کردہ طریقہ پر لوگوں کے درمیان سنو تازیانہ لگائے۔ ایک تازیانہ کی کمی یا زیادتی کا حق نہیں رکھتا۔ نہ ایک طمانچہ مار سکتا ہے نہ حبس دوام کی سزا دے سکتا ہے۔ وہ بس جو حکم شریعت ہے اسی پر عمل کو

محدود رکھے"۔ اسی طرح اخذِ مالیات میں اسلامی قاعدے پر عمل کرے، ایک پائی زیادہ لینے کا حق نہیں رکھتا۔ بیت المال میں ہرج مرج نہ ہونے دے کہ ایک پائی کا بھی نقصان ہوسکے اگر نعوذ باللہ۔ فقیہہ خلاف اسلامی امور کا مرتکب ہوجائے مثلاً فاسق ہوجائے تو خود بخود حکومت سے معزول ہو جائے گا کیونکہ اب وہ امین نہیں رہا۔

تمام شُد

حکومتِ اسلامی

حصّہ دوم
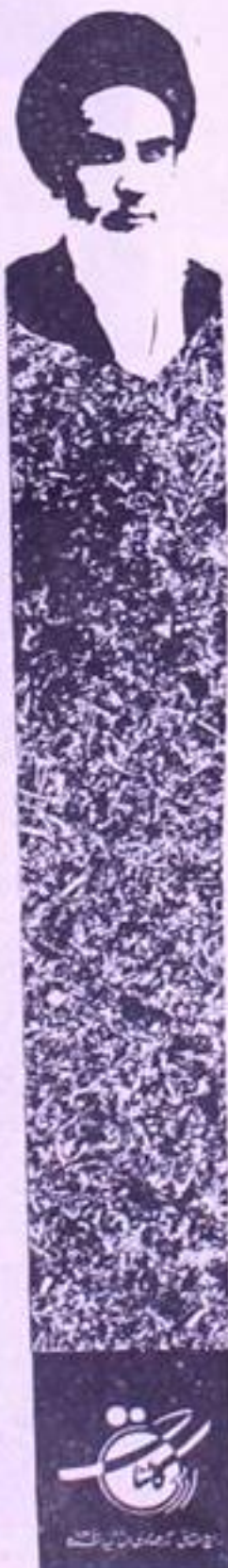
در حقیقت قانون حاکم ہے اور سب ہی اس کے حفظ و امان میں ہیں۔ مسلمان ہی نہیں بلکہ تمام لوگ حدودِ شرع کے اندر آزاد ہیں۔ یعنی احکامِ شرع کی پابندی کے بعد کسی کو حق نہیں ہے کہ کسی سے کچھ کہے مثلاً یہاں آؤ وہاں بیٹھو یہ سب کچھ نہیں ہے۔ حکومتِ اسلامی کا یہی مطلب ہے۔ آج کل کی حکومتوں والا معاملہ نہیں ہے کہ ہر شخص اپنے گھر میں بھی کانپتا رہتا ہے کہ مجھے گرفتار نہ کرلیں جیسے معاویہ جیسے حضرات کی حکومتوں میں لوگوں کی آزادی سلب کرلی گئی تھی۔ لوگوں کو کوئی امان نہ تھی۔ صرف اتہام و احتمال کی بنا پر لوگوں کو قتل کر دیا جاتا تھا، ملک بدر کیا جاتا تھا، حبس دوام کیا جاتا تھا کیونکہ حکومتِ اسلامی تو تھی نہیں۔ اگر حکومتِ اسلامی قائم ہوجائے تو قانون کے زیرِ سایہ ہر شخص آرام و اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے گا۔ کسی کو خلافِ قانونِ شرع اقدام کرنے کا حق نہ ہوگا۔

اس لئے " امین " کے معنی یہ ہیں کہ فقہاء تمام قوانین اسلام کا امانت کے ساتھ اجراء کریں۔ نہ یہ کہ صرف مسئلہ بیان کرتے رہیں۔ کیا امام صرف مسئلہ گو تھے؟ اور صرف قانون ہی بیان فرماتے تھے؟ کیا انبیاء صرف مسئلہ گو تھے؟ تاکہ فقہاء صرف مسئلہ گوئی میں امین رہیں؟ انہیں مسئلہ گوئی اور بیان قوانین بھی وظائف فقہی میں داخل ہیں۔ لیکن اسلام کی نظر قانون نظر آتی ہے۔ یعنی اصلاح اعتقادی و اخلاقی اور تہذیبِ انسانی اور معاشرہ میں تحقیق عدالت کا وسیلہ و ذریعہ قانون ہے۔ انبیاء کا بھی اہم ترین فریضہ اجرائے احکام

وحکومت تھا۔ امام رضاؑ کی روایت کا ذکر کر چکا کہ حضرت بطور کلی بیان فرما رہے ہیں کہ لوگوں کے لئے امام قیم امین کا ہونا ضروری ہے۔ اور اس روایت میں ارشاد ہے کہ فقہاء انبیاء کے امین ہیں۔ اس صغریٰ وکبریٰ کا نتیجہ یہ ہے کہ فقہاء کو رئیسِ ملت ہونا اس لئے ضروری ہے تاکہ اسلام کے احکام مٹنے نہ پائیں۔

عالم اسلام میں چونکہ فقہاء کی حکومت نہیں تھی اس لئے اسلام مندرس ہوگیا اس کے احکام معطّل ہوگئے۔ دیکھا آپ نے امام رضاؑ کا مقولہ کس قدر سچا ہے۔ اور تجربہ نے بھی اس کے صحت کی تصدیق کر دی ہے۔

کیا اب بھی اسلام مندرس نہیں ہوا؟ حکومت ہائے اسلامی میں اسلامی قوانین نافذ نہیں ہیں، حدود جاری نہیں کئے جاتے۔ احکامِ اسلام محفوظ نہیں ہیں، نظمِ اسلام برباد ہو رہا ہے، ہرج مرج عام ہے۔ کیا ان باتوں کے باوجود اسلام مندرس نہیں ہوا؟ کیا اسلام یہی ہے کہ صرف کتابوں میں لکھ دیا جائے۔ مثلاً "کافی" لکھ کر ایک کنارے ڈال دی جائے۔ اگر خارج میں احکام کا اجراء نہ ہو، حدود جاری نہ ہوں، چور اپنی سزا کو نہ پہنچے، غارت گر، ستم گر حضرات اپنے کیفر کردار تک نہ پہنچیں۔ اور ہم صرف قرآن کو چوم کر ایک کنارے رکھ دیں اور شبِ جمعہ سورۂ یٰسین کی تلاوت کرلیں تو بس یہ کافی ہے، احکامِ اسلام محفوظ ہوگئے؟

چونکہ ہم میں سے بہتوں نے کبھی یہ فکر ہی نہیں کی کہ ملّتِ اسلام حکومتِ اسلامی کے ساتھ منظم ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف بلادِ اسلامی میں نظمِ اسلام برقرار نہیں ہے۔ اور اسلامی قوانین کی جگہ ظالمانہ قوانین رائج ہیں۔ بلکہ اسلام خود اہلِ علم کے ذہنوں میں کہنہ ہوگیا ہے اور عالم یہ ہے کہ جب گفتگو ہوتی ہے تو الفقہاء امناء الرسل کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ فقہاء صرف مسئلہ گوئی میں امین ہیں اور ان تمام روایات کی تاویل کرتے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ زمانِ غیبت میں علماءِ اسلام والی وحاکم ہیں۔ کیا یہی امانت داری ہے؟ کیا فقہاء پر لازم نہیں ہے کہ احکامِ اسلام کو معطّل نہ ہونے دیں۔ تباہ کرنے والوں کو بغیر سزا نہ چھوڑیں۔ حکومت کی آمدنی وصرف میں گڑبڑ نہ ہونے دیں؟۔ بدیہی سی بات ہے کہ ان چیزوں کے لئے امین کی ضرورت

ہے۔ اور فقہاء کا وظیفہ امانت داری ہے۔

قضاوت کس کا حق ہے؟

عن محمد بن یحییٰ، عن محمد ابن احمد، عن یعقوب بن یزید، عن یحییٰ بن مبارک، عن عبداللہ بن جمیلہ، عن اسحاق بن عمار، عن ابی عبداللہ قال. قال امیرالمؤمنینؑ لشریح یا شریح قد جلست مجلساً لا یجلسہ (ماجلسہ) الا نبی او وصی او شقی[1]۔

حضرت علیؑ شریح سے فرماتے ہیں "تم ایسی جگہ پر بیٹھے ہو ... نبی یا وصی نبی یا شقی کے علاوہ کوئی نہیں بیٹھ سکتا۔" ظاہر ہے شریح نہ تو نبی تھے نہ وصی لہٰذا شقی تھے شریح وہ شخص ہے جو ۵۰۔۶۰ سال تک کوفہ میں منصبِ قضاء پر فائز رہے۔ اور ان کا شمار ان میں ہوتا ہے جنھوں نے معاویہ سے تقرب کی خاطر ایسے فتاوے جاری کئے ہیں جو حکومتِ اسلامی کے برخلاف تھے۔ حضرت علی بھی اپنے دورانِ حکومت میں اس کو معزول نہ کرسکے۔ کیونکہ یہ شیخین کے معین کردہ تھے لہٰذا لوگوں نے انکو معزول نہیں نہیں ہونے دیا۔ البتہ حضرت علیؑ نے اس کا التزام رکھا تھا کہ خلاف انصاف کوئی حکم نہ دینے پائے۔

قضاوت فقیہہ عادل کا حق ہے۔

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قضاوت پیغمبرؐ یا وصی پیغمبر کا حق ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ فقہاء عادل۔ بحسب تعین ائمہؑ۔ منصب قضا کے اہل ہیں اور انھیں کا یہ حق ہے۔ البتہ ولایت کا مسئلہ اختلافی ہے۔ مرحوم نراقیؒ اور متاخرین میں سے علامہ نائینی مرحوم تمام مناصب اور امام کے شؤونِ اعتباری کو فقیہہ کے لئے ثابت مانتے ہیں اور بعض علماء منکر ہیں۔ لیکن منصب قضاء فقہائے عادل کا حق ہے۔ اس میں کوئی اشکال یا اختلاف نہیں ہے۔

چونکہ فقہاء نبی تو ہوتے نہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ شقی نہیں ہیں

---

[1] وسائل الشیعۃ، کتاب قضا، باب ۳، حدیث ۲، من لایحضرہ الفقیہ ج ۳ ص۴ میں مرسل نقل کیا گیا ہے ۱۲

لہٰذا ان کو جانشینِ انبیاء تو بہر حال ماننا پڑے گا۔ لیکن چونکہ "وصیِ نبی" سے لوگوں نے بلا واسطہ وصی مراد لیا ہے۔ اس لئے اس قسم کے روایات سے تمسک ہی نہیں کیا۔ لیکن امر واقعی یہی ہے کہ "وصیِ نبیؐ" کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ فقہاء اس میں شامل ہیں۔ البتہ بلا فصل وصی حضرت علیؑ اور آپ کے بعد ائمہ معصومین ہیں اور لوگوں کے امور انھیں پر محول ہیں۔ یہ تصور بھی نہ فرمایئے گا کہ منصبِ حکومت یا قضا ائمہؑ کے لئے شانی تھا۔ ان کی حکومت کی غرض صرف یہ تھی کہ حکومتِ عادل کا قیام ہو لوگوں میں عدالتِ اجتماعی قائم ہو۔ البتہ ائمہ کے روحانی درجات ہے۔ جو انسانی طاقت کے ادراک سے باہر ہیں۔ نصب وجعل سے مربوط نہیں ہیں۔ (تھوڑی دیر کے لئے فرض کیجئے) اگر حضرت رسولؐ جناب امیر کو وصی نہ بھی بناتے تو حضرت علیؑ کے مقاماتِ معنوی ودرجات محفوظ تھے۔ یہ حکومت ومنصب نہیں ہے کہ جس سے انسان کو شان ومنزلتِ معنوی مل جائے۔ بلکہ یہ وہ منزلت ومقامِ معنوی ہے جو انسان کو حکومت اور مناصبِ اجتماعی کے لائق وسزاوار بناتے ہیں۔
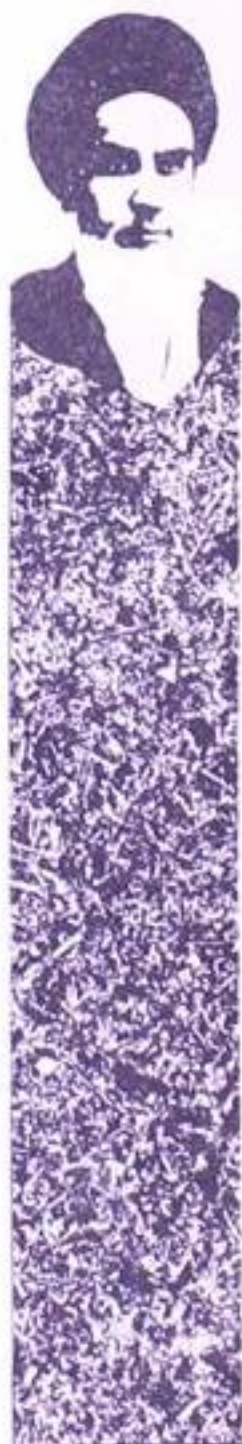
خلاصۂ کلام یہ ہے کہ فقہاء رسولِ خدا کے باواسطہ اوصیاء ہیں اور رسولِ خدا کی طرف سے جو امور ائمہ کو واگزار کئے گئے تھے وہ فقہاء کے لئے بھی ثابت ہیں۔ فقہاء کو رسولِ خدا کے تمام کاموں کو انجام دینا چاہیئے

ایک روایت جو ہمارے مطلب کی دلیل یا پھر مؤید ہے مگر سند دلالت کے لحاظ سے پہلی والی روایت سے بہتر ہے' وہ ہے جو بطریق کلینی مروی ہے اور اس طریق سے ضعیف ہے۔ لیکن علامہ صدوق نے اس کو سلیمان بن خالد کے واسطہ سے نقل کیا ہے اور اس طریق سے صحیح ومعتبر ہے۔ روایت یہ ہے۔

عن عدة من اصحابنا، عن سهيل بن زياد، عن محمد بن عيسىٰ، عن ابى عبد الله المومن عن ابن مكان، عن سليمان بن خالد عن ابى عبد اللهؑ قال:- اتقوالحكومة انما هى للامام العلم بالقضاء العادل فى المسلمين لنبى (كنبى) اووصى نبىؐ ورواه الصدوق رہ باسناده عن سليمان بن خالد[1]

---

[1] وسائل۔ کتاب قضاء، باب ۳، حدیث ۳، ۶/۱۸ طبع جدید ۱۲

امام فرماتے ہیں حکومت (قضاوت) سے اجتناب کرو۔ کیونکہ حکومت صرف اس امام کے لئے ہے جو قضاوت کا عالم ہو مسلمانوں کے درمیان عادل ہو، نبیؐ ہو یا وصی نبیؐ ملاحظہ فرمایئے کہ قاضی کو پہلے تو امام ۔ بمعنی رئیس و پیشوا ۔ ہونا چاہیئے ۔ یہاں پر یہی لغوی معنی ۔ یعنی رئیس و پیشوا ۔ مراد ہیں ۔ اسی لئے نبیؐ کو بھی امام ہی فرض کیا گیا ہے ۔ اگر اصطلاحی معنی مراد ہوتے تو امام کے لئے عادل و عالم کی قید بیکار ہو جائے گی (کیونکہ امام تو عالم و عادل ہوتا ہی ہے) ۔ دوسری شرط یہ ہے کہ آئین قضاوت کا عالم ہو اگر امام ہو اور آئینِ قضاوت کا عالم نہ ہو تو اس کو حقِ قضاوت نہیں حاصل ہے ۔ تیسری شرط یہ ہے کہ عادل ہو، لہٰذا قاضی وہی ہو سکتا ہے جس کے اندر یہ تینوں صفتیں ۔ رئیس، عالم، عادل ۔ موجود ہوں ۔ اس کے بعد فرماتے ہیں ۔ " یہ شرائط سوائے نبیؐ یا وصی نبیؐ کسی اور پر منطبق نہیں ہو سکتے ۔

یہ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ منصبِ قضا، فقیہ عادل کے لئے ہے اور یہ بات ضروریاتِ فقہ میں سے ہے اور اس میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے ۔ اب ہمیں دیکھنا ہے کہ قضاوت کے شرائط فقیہ میں موجود ہیں کہ نہیں ۔ یہ تو معلوم ہے ہی کہ فقیہ عادل مراد ہے ۔ ہر فقیہ مراد نہیں ہے ۔ لیکن چونکہ ہر فقیہ طبعاً ۔ آئینِ قضاء کا عالم ہوتا ہے اور فقیہ کا اطلاق اسی شخص پر ہوتا ہے جو آئینِ قضاء کے عالم ہونے کے ساتھ عقائد و قوانین و نظامات و اخلاق کا بھی عالم ہو ۔ یعنی تمام معنی الکلمہ دین شناس ہو ۔ پس فقیہ عادل بھی ہو تو دو شرطیں حاصل ہو گئیں ۔ اب صرف ایک شرط رہ گئی کہ امام کو رئیس بھی ہونا چاہیئے اور ہم یہ پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ فقیہ عادل بحسب تعیین ائمہ قضاوت کی امامت و ریاست کا دارا ہوتا ہے ۔ اب امام کا یہ حصر فرمانا کہ یہ شروط ۔ عالم، عادل، رئیس ۔ صرف نبی یا وصی نبی میں پائے جاتے ہیں ۔ صاف صاف بتاتا ہے کہ علماء وصی نبی ہیں ۔ کیونکہ نبی تو ہیں نہیں لہٰذا وصی ہوں گے ۔ لہٰذا مجہول کا علم معلوم کے ذریعہ ہو گیا کہ فقیہ رسولِ اکرمؐ کا وصی ہے اور زمانِ غیبت میں امام المسلمین و رئیس الملت ہے ۔ اسی کو قاضی ہونا چاہیئے ۔ اس کے علاوہ کسی کو یہ حق نہیں ہے ۔

روئیداد ہائے اجتماعی میں کس کیطرف رجوع کریں؟

تیسری روایت ایک توقیع مبارک ہے جس سے استدلال کیا جاتا ہے۔
میں کیفیتِ استدلال کو عرض کروں گا۔

فی کتاب (اکمال الدین واتمام النعمۃ) عن محمد بن محمد بن عصام، عن محمد بن یعقوب، عن اسحاق بن یعقوب قال: سألت محمد بن عثمان العمری ان یوصل لی کتابا قد سئلت فیہ عن مسائل اشکلت علی فورد التوقیع بخط مولانا صاحب الزمان عج اما ما سألت عنہ ارشدک اللہ تثبتک۔ الی ان قال۔ واما الحوادث الواقعۃ فارجعوا فیہا الی رواۃ حدیثنا، فانہم حجتی علیکم وانا حجۃ اللہ واما محمد بن عثمان العمری فرضی اللہ عنہ وعن ابیہ فانہ ثقتی و کتابہ کتابی"[1]

اسحاق بن یعقوب نے حضرت حجۃ عج کو ایک خط لکھ کر کچھ مشکل مسائل کا حل دریافت کیا۔ محمد بن عثمان عمری۔ نمائندہ حضرت عج ـــ نے خط حضرت عج تک پہنچا دیا۔ تو حضرت عج نے اپنے قلم سے خط کا جواب تحریر کیا۔ حوادث واقعہ اور پیش آمدہا میں تم ہماری حدیث کے راویوں کی طرف رجوع کرو۔ کیونکہ وہ لوگ تمہارے اوپر میری طرف سے حجت ہیں اور میں خدا کی طرف سے حجت ہوں۔

اس روایت میں "حوادث واقعہ" سے مسائل واحکام شریعۃ تو مراد ہیں نہیں سائل یہ نہیں پوچھ رہا ہے کہ تازہ مسائل جو درپیش ہوں اس میں کیا کیا جائے؟ کیونکہ یہ بات تو مذہب شیعہ کے جزءِ واضحات میں سے ہے۔ اور متواتر روایات موجود ہیں کہ مسائل میں فقہاء کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ یہاں تک کہ زمان ائمہ میں بھی لوگ فقہاء کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان سے مسائل پوچھا کرتے تھے حضرت حجت

---

[1] وسائل ۱۸/۱۰۱، کتاب القضا باب ۱۱، حدیث ۹، شیخ طوسی نے کتاب الغیبۃ میں اور طبرسی نے الاحتجاج میں روایت کی ہے ۱۲

کے زمانہ میں نواب اربعہ سے رابطہ رکھنے والے اور حضرت حجۃ کو خط لکھنے والے کو یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ مسائل کس سے پوچھنا چاہئیں۔ اس لئے " حوادثِ واقعہ" سے وہ پیش آمد ہا اور گرفتاری ہائے اجتماعی مراد ہیں۔ جو مسلمانوں کو پیش آجائیں۔ بطور کلی پوچھا جارہا ہے کہ جب ہم آپ تک نہیں پہنچ سکتے تو پھر پیش آمد ہائے اجتماعی میں کیا کریں؟ ہمارا فریضہ کیا ہے؟۔ یا پھر یہ ہو کہ حوادث کا ذکر خط میں کر کے پوچھا گیا ہو۔ کہ ان حوادث میں ہم کس کی طرف رجوع کریں؟ جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ بطور کلی سوال تھا اسی کے مطابق حضرت حجۃ نے جواب دیا کہ حوادث و مشکلات میں ہمارے رواۃ حدیث یعنی فقہاء کی طرف رجوع کرو۔ وہ لوگ میری طرف سے تم پر حجت ہیں اور میں تم پر حجۃ خدا ہوں۔ حجۃ خدا سے کیا مراد ہے؟ آپ حجۃ خدا سے کیا سمجھتے ہیں؟ یعنی خبر واحد حجت ہے؟ اگر زرارہ کوئی روایت نقل کر دیں تو وہ حجت ہے؟ کیا حضرتؑ زرارہ کی طرح ہیں کہ اگر رسول کی کوئی حدیث نقل کریں تو ہم اسکو قبول کریں اور اس پر عمل کریں؟۔ یہ جو کہا جاتا ہے " ولی امر" حجتِ خدا ہے۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ مسائل شرعیہ میں حجت ہے کہ ہمارے لئے مسئلہ بیان کریں؟ اگر رسولِ خدا مرتے وقت فرمائیں۔" میں علیؑ کو تمہارے اوپر حجت معین کر کے جارہا ہوں تو اس سے آپ کیا سمجھیں گے؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام کام معطل ہو گئے؟ صرف مسئلہ گوئی باقی ہے وہ علیؑ کے سپرد کر کے جارہا ہوں؟ یا حجت خدا کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح رسولِ اکرم تمام دنیا کے مرجع تھے۔ خدا نے ان کو معین کیا تھا کہ تمام لوگ ان کی طرف رجوع کریں۔ اسی طرح فقہاء بھی مسئول اور تمام لوگوں کے تمام امور میں مرجع ہیں۔

حجتِ خدا اس کو کہتے ہیں جسے خداوندِ عالم نے تمام امور کی انجام دہی کے لئے معین کیا ہے اور اس کے تمام افعال و اقوال مسلمانوں کے لئے حجت ہیں۔ اگر کوئی اس کی مخالفت کرے تو اس پر احتجاج کیا جا سکتا ہے اگر اس نے حکم دیا کہ فلاں کام انجام دو، حدود کو اس طرح جاری کرو، غنائم، زکوٰۃ، صدقات کو ان مصارف میں خرچ کرو۔ اور آپ اس کے حکم سے

سرتابی کریں تو قیامت کے دن خدا آپ پر احتجاج کرے گا۔ اگر حجتِ خدا کی موجودگی میں کوئی حل و فصل کے لئے ظالمین سے رجوع کرے گا تو روزِ قیامت

خدا اس سے احتجاج کرے گا کہ میں نے تمہارے لئے حجت قائم کردی تھی پھر تم نے ظالمین کی طرف کیوں رجوع کیا؟ حضرت علیؑ کے ہوتے ہوئے ان سے بیعت نہ کرنے والوں سے، خلفاء ثلاثہ، معاویہ، خلفاء بنی امیہ، خلفاء بنی عباس اور جو لوگ ان کے حسبِ منشاء کام کیا کرتے تھے۔ (ان سب سے) احتجاج کیا جائے گا کہ تم نے زمامِ حکومت پر غاصبانہ قبضہ کیوں کیا؟ جب تم میں اہلیت نہیں تھی تو خلافت و حکومت پر کیوں قابض ہوئے؟

حکامِ جور اور تمام ان حکومتوں سے جو موازینِ اسلام کے خلاف عمل کرتی رہی ہیں، خدا ان سے باز پرس کرے گا کہ تم نے کیوں ظلم کیا؟ مسلمانوں کے اموال پر کیوں قابض ہوئے؟ جشنِ ہزار سالہ تم نے کیوں برپا کیا؟ لوگوں کے مال کو جشنِ تاج پوشی اور اس قسم کے جشنوں پر کیوں خرچ کیا؟ اگر جواب دیا جائے کہ آج کل عدالت ممکن نہیں تھی، قبہ و بارگاہ، بلند و بالا عمارتوں کے بغیر عدالت ناممکن تھی۔ جشنِ تاج پوشی کا مقصد یہ تھا کہ یہاں کی دولت اور اپنی ترقی کا پروپیگنڈہ کروں تو اس وقت کہا جائے گا یہ بھی — حضرت علیؑ کی طرف اشارہ ہے — تو حاکم تھے، اتنی بڑی عظیم سلطنتِ اسلامی کے حاکم تھے اسلام، مسلمان، بلادِ اسلامی کی عظمت و خیر خواہی تم زیادہ چاہتے تھے یا یہ مرد۔ تمہاری حکومت بڑی تھی یا ان کی؟ تمہاری حکومت تو ان کی حکومت کا ایک جزو تھی۔ عراق، مصر، حجاز، ایران، یہ سب ان کی حکومت میں داخل تھے۔ اس کے باوجود ان کا "دارالامارۃ" مسجد تھی۔ گوشۂ مسجد میں "دکۃ القضاء" تھا۔ مسجد سے سپاہی تیار ہو کر جنگ کے لئے جاتے تھے۔ پابندِ صوم و صلوٰۃ، باعقیدہ حضرات جنگ کے لئے جاتے تھے۔ (اسی لئے) تم نے دیکھا کہ انھوں نے کتنی پیش رفت کی؟ اور کیسے کیسے کام انجام دیئے؟ آج فقہاء اسلام لوگوں پر رسولِ خدا کی طرح حجت ہیں۔ تمام امور ان سے متعلق ہیں۔ ان کی مخالفت کرنے والے سے باز پرس ہوگی۔ فقہاء امام کی طرف سے لوگوں پر حجت بنائے گئے ہیں۔ حکومت،

امور مسلمین، عوامی آمدنی کا لینا اور خرچ کرنا، ان تمام امور میں جو ان کی مخالفت کرے گا، اس سے باز پرس ہوگی۔ جس روایت کا ذکر کیا ہے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس کی سند محل تامل ہے۔ اگر اس کو دلیل نہ بھی مانا جائے تو موید مطلب بہر حال کہا جا سکتا ہے۔

قرآن مجید کی چند آیتیں

مقبولہ عمر بن حنظلہ بھی ہمارے موضوع بحث کی موید ہے۔ چونکہ اس روایت میں آیت سے استدلال ہے، اس لئے وہ آیت اور اس سے پہلے کی چند آیات کو لکھ کر ان کے معنی کا ذکر کر دیا جائے تاکہ اس کے حدود معلوم ہو جائیں پھر روایت کو ذکر کر کے اس سے استدلال کیا جائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان اللہ نعما یعظکم بہ ان اللہ کان سمیعاً بصیرا۔ یایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم، فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر ذلک خیر واحسن تاویلاً[1]

خدا حکم دے رہا ہے۔ امانتوں کو ان کے مالکوں تک پہنچا دو۔ اگر لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ۔ خدا تم کو بہترین نصیحت کرتا ہے۔ بیشک وہ سمیع بصیر ہے۔ ایمان والو! خدا، رسولؐ، صاحبانِ امر کی طاعت کرو۔ اگر کسی چیز میں نزاع ہو جائے تو خدا اور رسولؐ کے سامنے پیش کرو، اگر خدا اور روزِ قیامت پر ایمان لائے ہو۔ یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔ انتہیٰ

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ امانت سے مطلق امانت خلقی۔ مالِ مردم۔ اور امانتِ خالقی۔ یعنی احکامِ شرعیۃ۔ مراد ہے اور "ردِّ امانت" سے واقعی احکامِ اسلامی کا اجراء کرنا مراد ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ امانت سے امامت مراد ہے۔ روایت میں بھی ہے کہ اس آیت سے ہم ائمہ مراد ہیں کہ خداوندِ عالم نے والیانِ امر

---

[1] سورۃ النساء آیت ۵۸، ۵۹ = ۱۲
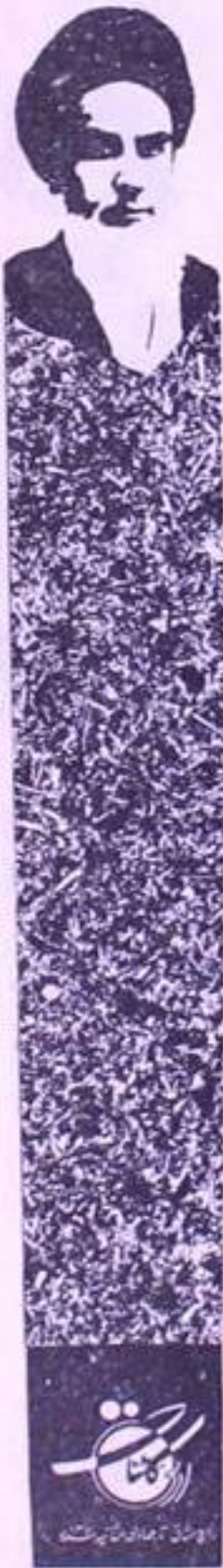
یعنی رسولِ خدا اور ائمہ ۔ کو حکم دیا ہے کہ ولایت و امامت کو اس کے اہل تک پہنچا دیں یعنی رسولِ اکرمؐ ولایت کو حضرتِ علیؑ کے سپرد کر دیں اور آپ اپنے بعد کے امام کو اور وہ اپنے بعد والے کو اور یہ ہمیشہ کے لئے حکم ہے۔

ذیل کی آیت میں جو حکم ہے کہ ۔ انصاف سے فیصلہ کرو۔ اس سے مراد حاکمانِ وقت ہیں۔ قاضی مراد نہیں ہے۔ کیونکہ قاضی تو قضاوت کرتا ہے نہ کہ تمام معنی الکلمہ حکومت کرتا ہے۔ قاضی صرف ایک لحاظ سے حاکم ہے اور صرف حکمِ قضائی صادر کرتا ہے نہ حکم اجرائی (اس لئے قاضی مراد نہیں ہو سکتا۔ مترجم) جیسا کہ آخری زمانے میں طریقہ حکومت یہ ہے کہ تین گروہ حاکم ہوتے ہیں۔ قاضی ان میں سے ایک گروہ ہے۔ جو حاکم ہے۔ لیکن تمام حکومت وہ نہیں کرتا۔ دو باقی گروہوں میں ایک تو وزیروں کا گروہ حاکم ہوتا ہے اور دوسرا مجلس (برنامہ ریزان و قانون گزاران) کا ہے۔ اصولی طور پر قضاوت رشتہ ہائے حکومت کا ایک رشتہ اور حکومتی کاموں میں سے ایک کام ہے۔ لہٰذا ہم کو اس بات کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ آیت کا ظہور مسائل حکومت میں ہے اور یہ آیت قاضی اور جملہ حکامان کو شامل ہے۔ جب یہ طے کر لیا گیا کہ تمام امورِ دینی کا نام امانت ہے اور امانت اس کے اہل کو ملنی چاہیئے۔ تو ان میں سے ایک حکومت ہے (جو فقہاء کو ملنی چاہیئے۔ مترجم) اور بموجب آیۂ شریفہ حکومت کا ہر امر میزان عدالت پر پورا اترنا چاہیئے۔ قاضی کو باطل حکم نہیں دینا چاہیئے یعنی غیر اسلامی آئین کے مطابق حکم نہ کرے۔ اسی طرح برنامہ ریزان کو چاہیئے کہ کسانوں پر بطور عادلانہ ٹیکس معین کریں۔ ایسا نہ ہو کہ ٹیکس اتنا زیادہ ہو کہ ان کی بربادی کا سبب بن جائے۔ اسی طرح اجرائے حدود کرنے والے قانون اسلام سے سرمو تجاوز نہ کریں۔ یعنی ایک طمانچہ زیادہ نہ ماریں، اہانت نہ کریں۔

حضرت امیرالمومنینؑ دو چوروں کے ہاتھ کٹوا دینے کے بعد ان سے اس طرح پیش آتے ہیں کہ ان کا ایسا علاج و معالجہ کرتے ہیں کہ وہ دونوں حضرت کے مداحوں میں ہو جاتے ہیں۔ یا جس وقت آپ نے یہ سنا کہ معاویہ کے سپاہی نے اہلِ ذمہ کی عورت کے ایک پیر کی جھانجھ اتار لی تو آپ کو اتنی تکلیف ہوئی اور اتنا متاثر ہوئے کہ فرمایا۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر اگر کوئی مرجائے تو قابلِ ملامت نہیں ہے۔

اس نرم دلی و محبت کے باوجود تلوار کھینچ کر مفسد افراد کو قتل کرنے میں کوئی دریغ نہیں فرماتے تھے۔ اس کو عدالت کہتے ہیں۔ بہ معنیٔ عدالت ہیں۔

رسولِ اکرم حاکم عادل ہیں۔ اگر آپ حکم دیں: "فلاں چیز کو لے لو فلاں گھر میں آگ لگا دو فلاں گروہ جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے مضرت رساں ہے اسے قتل کر دو۔ تو یہ حکم مبنی بر عدالت ہوگا (بلکہ) اگر ایسے مواقع پر حضرتؐ اس قسم کا حکم نہ دیں تو خلافِ عدالت ہوگا۔

مسلمانوں اور انسانی معاشرہ پر حکومت کرنے والے کے لئے جہتِ عمومی اور مفادِ عامہ کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا واجب و لازم ہے۔ جہتِ خصوصی عطوفتِ شخصی سے چشم پوشی کرنی چاہیئے۔ اسی لئے اسلام معاشرہ کے مفاد کے پیشِ نظر بہت سے لوگوں کو قتل کرا دیتا ہے۔ خود پیغمبرِ اسلام نے "بنی قریظہ" کے یہودیوں کو۔ چونکہ یہ لوگ ناپسندیدہ عناصر تھے، معاشرۂ اسلامی کو برباد کرنے والے تھے، اسلام اور حکومتِ اسلامی کو نقصان پہنچانے والے تھے۔ قتل کرا دیا تھا۔

عدالت کی جگہ پر باکمال جرأت و قدرت، اجرائے عدالت کرنا اور کسی بھی نرم دلی کو دخل نہ دینا (اسی طرح) رحم و نرم دلی کے موقع پر کمالِ محبت و شفقت سے پیش آنا یہ دونوں باتیں مومن کے صفات میں داخل ہیں مومن کو لوگوں کے لئے جائے پناہ ہونا چاہیئے۔ اسلامی و غیر اسلامی معاشرہ اس کے سایۂ حکومت میں امن و آسائش کے ساتھ زندگی بسر کر سکے، کسی قسم کا خوف اس کو نہ ہو۔ یہ سب باتیں ضروری ہیں۔ (آج کل) لوگ جو حکام وقت سے ڈرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی حکومت قواعد و قوانین کے ماتحت نہیں البتہ حضرت علیؑ کی شخصی حکومت میں ۔ یعنی اسلامی حکومت میں ــ خائن، ظالم، تعدی کرنے والوں کے لئے تو خوف تھا، لیکن عام لوگوں کو کسی بھی قسم کا خوف وہراس نہیں ہوا کرتا تھا۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے۔ "ایمان والو! خدا و رسول اور والیانِ امر کی اطاعت کرو"۔ روایت میں ہے کہ آیت اول "ان تودّوا الامانات

الی اھلھا..... ائمہ سے مربوط ہے۔ اور آیت۔ اذا حکمتم بین الناس ..... امراء سے مربوط ہے۔ اور یہ آیت "اطیعوا اللہ الخ" تمام مسلمانوں سے اس میں خطاب کیا گیا ہے۔ ان سے کہا گیا ہے کہ۔ احکامِ الٰہی۔ ہیں خدا ورسول و ائمہ کی اطاعت و پیروی کریں۔

"میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اوامر خدا کی اطاعت رسولِ اکرم کی اطاعت سے الگ ہے۔ تمام عبادات اور غیر عبادات۔ احکام شرع الٰہی۔ خدا کے احکام ہیں۔ نماز میں رسولِ خدا کا کوئی حکم نہیں ہے۔ لوگوں کو نماز کے لئے آمادہ کرنا، حکمِ خدا کی تائید اور اس کا اجراء ہے۔ ہم بھی نماز پڑھنے میں خدا کی اطاعت کرتے ہیں۔ رسول کی اطاعت، اطاعت خدا سے الگ ہے۔ رسولِ خدا کے احکام وہ ہیں جو خود حضرتؐ صادر فرمائیں اور حکومتی حکم ہو۔ مثلاً لشکر اُسامہ کی پیروی کرو۔ سرحدوں کو اس طرح محفوظ رکھو، مالیات کو یوں جمع کرو، لوگوں سے یوں معاملت کرو، خود خداوندِ عالم نے ہمارے اوپر رسولؐ کی اطاعت لازم قرار دی ہے۔ اسی طرح ائمہؑ کی اطاعت بھی لازم قرار دی ہے۔ کیونکہ مذہب شیعہ میں اولی الامر سے مراد ائمہ ہیں۔ حکومتی احکام میں ولی امر کی اطاعت بھی خدا کی اطاعت سے علیحدہ بات ہے۔ ہاں اس لحاظ سے کہ خدا نے رسول و ائمہ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا ان حضرات کی اطاعت بھی درحقیقت خدا ہی کی اطاعت ہے۔ اسی آیت کے بعد ارشاد ہے۔ فاذا تنازعتم فی شیء فردّوہ الخ۔ اگر باہم کسی بات پر نزاع ہو جائے تو خدا ورسول کی طرف رجوع کرو۔

لوگوں میں واقع ہونے والی نزاع کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) دو گروہ یا دو آدمیوں میں کسی بات پر نزاع مثلاً۔ ایک کہتا ہے یہ میرا مقروض ہے۔ دوسرا انکار کرتا ہے۔ ایسی جگہوں پر قاضی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ قاضی موضوع کی تحقیق کر کے حکم دے گا۔ اس قسم کے جھگڑوں کو "نزاعِ حقوقی" کہا جاتا ہے۔

دوسری قسم ظلم وجنایت کا مسئلہ ہے۔ مثلاً کسی نے کسی کا مال زبردستی لے لیا، یا لوگوں کے مال کو ہضم کر لیا، چور نے مال چرا لیا، یہاں پر مسئول قاضی نہیں ہے۔ بلکہ مدعی العموم مسئول ہے اور یہ موارد جزائی کہلاتے ہیں۔ کبھی جزائی اور حقوقی ایک ساتھ ہوتے ہیں۔ ابتداء میں مدعی العموم۔ جو احکام و قوانین

کا حافظ ہے۔ اپنا کام شروع کرتا ہے۔ پھر قانونی تحقیق کر کے حکم کرتا ہے اور یہ سارے احکام۔ حقوقی ہوں یا جزائی — اجراء کرنے والے حکام کے ذریعہ اجراء ہوتے ہیں — قرآن کہتا ہے۔ اذا تنازعتم... الخ۔ جس امر میں بھی اختلاف ہو۔ احکام ہیں۔ مرجع خدا اور — اجراء میں — رسولِ اکرمؐ ہیں۔ رسول کا فریضہ ہے کہ خدا سے احکام لے کر اجراء کریں۔ اگر اختلافی موضوع ہوتا تھا تو اپنے زمانے میں۔ پیغمبر بعنوانِ قاضی دخل دیتے تھے اور فیصلہ فرماتے تھے اور اگر دوسرے مسائل ہوتے تھے مثلاً حق کشی وغیرہ تو اسمیں بھی مرجع حضورؐ ہی ہوتے تھے۔ کیونکہ اسلامی حکومت کے رئیس ہونے کے ناتے آپ ہی فیصلہ کرتے تھے۔ مامور کو بھیج کر حق لے کر حق دار تک پہنچاتے تھے۔ یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ جن امور میں رسولِ خدا مرجع تھے ان سب میں ائمہ معصومین بھی مرجع تھے۔ اور ائمہ کی اطاعت رسول کی اطاعت ہے۔

مختصر یہ ہے کہ آیت اول۔ اذا حکمتم بین الناس — اور آیت دوم — اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول — اور آیت۔ اذا تنازعتم فی شیی — حکومت و قضاوت دونوں کو شامل ہے۔ صرف قضاوت سے مخصوص نہیں ہے۔ اس بات سے قطعِ نظر کہ بعض آیات کا ظہور حکومت بمفہوم اجرائی میں ہے۔ اس کے بعد ہے۔

الم تر الی الذین یزعمون انہم امنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ...... (ترجمہ) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو لوگ یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ وہ آپ پر نازل شدہ اور آپ سے پہلے نازل شدہ چیزوں پر ایمان لائے ہیں وہ طاغوت۔ ناجائز حکومت۔ سے دادخواہی کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ طاغوت کا انکار کریں۔ اگر ہم یہ نہ بھی کہیں کہ طاغوت سے حکومتِ الٰہی کے مقابلے میں سلطنت و حکومت قائم کرنے والی حکومتیں بطور کلی مراد ہیں۔ پھر بھی اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ یہ آیت قضات و حکام کو شامل ہے کہ دادرسی اور احقاق حقوق کے لئے مقامات قضا کی ہی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور ہم قضائی کو حکام اجراء کرتے ہیں۔ حکومت ہائے جور —

خواہ قضات ہوں یا اجراء کرنے والے یا دوسری اصناف سب کے سب طاغوت ہیں۔ کیونکہ یہی لوگ نے حکمِ خدا سے سرکشی کر کے اپنی حسب مرضی قوانین وضع کر کے اس کے مطابق قضاوت کرتے ہیں۔ حالانکہ حکم خدا ہے کہ ان سے انکار کرو اور یہ بات بدیہی ہے کہ طاغوت کے منکرین کے اہم فرائض جن کو حتی الامکان پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

مقبولہ "عمر بن حنظلہ"

اب میں عمر بن حنظلہ کی روایت کے بارے میں گفتگو کروں گا کہ اس سے کیا مراد ہے۔ چنانچہ اصل حدیث ملاحظہ ہو۔

محمد بن یعقوب، عن محمد بن یحیٰی، عن محمد بن الحسین، عن محمد بن عیسٰی، عن صفوان بن یحیٰی عن داؤد بن الحصین، عن عمر بن حنظلہ قال: سئلت ابا عبد اللہ علیہ السلام عن رجلین من اصحابنا بینھما منازعۃ فی دین او میراث فتحاکما الی السلطان والی القضاۃ ایحل ذلک؟ قال: من تحاکم الیھم فی حق او باطل فانما تحاکم الی الطاغوت وما یحکم لہ فانما یاخذہ سحتا وان کان حقا ثابتا لہ، لانہ اخذہ بحکم الطاغوت، وما امر اللہ ان یکفر بہ، قال اللہ یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت و قد امروا ان یکفروا بہ قلت فکیف یصنعان؟ قال ینظران من کان منکم ممن قد روی حدیثنا و نظر فی حلالنا و حرامنا و عرف احکامنا . . . . . .

فلیرضوا بہ حکما فانی قد جعلتہ علیکم حاکما۔ [1]

ترجمہ:۔ عمر بن حنظلہ کہتے ہیں میں نے اپنے دو ایسے دوستوں (شیعہ) کے بارے میں، امام جعفر صادقؑ سے پوچھا کہ ان لوگوں نے قرض یا میراث کے جھگڑے میں بادشاہِ وقت اور قاضی کیطرف رجوع کیا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟ حضرت نے فرمایا: "جو کبھی حق یا ناحق

[1] ۔ وسائل ج ۱۸، باب ۱۱، از کتاب "ابواب صفات القاضی" روایت اول، ص ۹۸ = ۱۲

بات میں ان لوگوں سے اپنا فیصلہ کرائے' اس نے درحقیقت طاغوت کی طرف مراجعہ کیا ہے اور جو کچھ بھی ان کے حکم سے حاصل کرے گا چاہے وہ حق ہی ہو پھر بھی حرام رہے گا۔ کیونکہ ایسے طاغوت کے حکم سے اس نے حاصل کیا ہے جس سے انکار کا حکم خدا نے دیا تھا۔

چنانچہ ارشاد ہے۔ یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت و قد امروا ان یکفروا بہ۔

میں نے پوچھا پھر کیا کرنا چاہیئے؟ تو ارشاد فرمایا کہ اپنے لوگوں میں دیکھو اگر کوئی ایسا شخص مل جائے جو ہماری حدیثوں کا راوی ہو اور ہمارے حلال و حرام کو پہچانتا ہو' ہمارے احکام و قوانین کی معرفت رکھتا ہو اس کو تم لوگ اپنا قاضی معین کرو۔ وہ جو حکم دے اس پر عمل کرو۔ اس لئے کہ میں نے اس کو تم پر حاکم بنایا ہے۔

آیت کے صدر و ذیل اور امام کا آیۂ شریفہ سے استشہاد کرنا بتاتا ہے کہ موضوعِ سوال حکم کلی تھا اور امام نے بھی تکلیفِ کلی کو بیان کیا۔ میں نے پھر پوچھا کہ حقوقی اور جزائی جھگڑوں میں بادشاہانِ وقت اور ناجائز حکومتوں کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ حضرت نے جواب میں فرمایا۔ ناجائز حکومتوں کی طرف رجوع کرنا چاہے وہ جھگڑے اجرائی ہوں یا قضائی ناجائز ہے۔

حضرت حکم دے رہے ہیں کہ ملتِ اسلام کو اپنے معاملات میں سلاطینِ حکامِ جور اور ان کے قاضیوں کی طرف نہیں جانا چاہیئے۔ چاہے حق بات ہو اور صرف حصولِ حق کی خاطر یہ اقدام کیا گیا ہو۔ کسی مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ حکامِ جور کی طرف رجوع کرے۔ چاہے اس کے گھر کو جلا دیا گیا ہو۔ یا اس کے بیٹے کو قتل کر دیا گیا ہو۔ اسی طرح اگر اس نے کسی کو قرض دیا ہے اور اس کے پاس گواہ بھی موجود ہے' پھر بھی وہ ظالم حکومتوں کی طرف اپنا حق حاصل کرنے کے لئے رجوع نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ لوگوں کی طرف رجوع کرنا طاغوت کی طرف رجوع کرنا ہے اور اگر کسی نے ان حکام جور کے واسطے سے اپنے حقوق کو حاصل بھی کر لیا ہے تو وہ حرام ہے اور یہ شخص اس میں تصرف نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ بعض مجتہدین نے عینِ شخصی کے لئے بھی فرمایا

ہے کہ مثلاً اگر کوئی تمہاری عبا لے جائے اور تم حکام جور کے وسیلہ سے
اس عبا کو واپس بھی لے لو جب بھی اس پر تصرف نہیں کر سکتے۔ ہم اس
حکم کے قائل نہ بھی ہوں جب بھی عینِ کلی کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے
مثلاً اگر کوئی اپنے قرض کو حکامِ جور کے وسیلہ سے حاصل بھی کرلے تو اس
پر تصرف نہیں کر سکتا۔

اسلام کا سیاسی حکم

یہ اسلام کا سیاسی حکم ہے کہ اس حکم کے سبب سے مسلمانوں کو
حکام جور کی عدالت میں جانے سے اجتناب کرنا پڑے گا اور عدالت کے
لمبے چوڑے اور پریشان کر دینے والے ذرائع خود بخود ختم ہو جائیں گے
کیونکہ آج کل کی عدالتوں میں سوائے زحمت کے اور کچھ نہیں ہے۔ اگر لوگ
ظالم حکومتوں سے پرہیز کرنے لگیں تو ائمہ معصومین اور ان کی طرف سے معین
کئے ہوئے علماء اور مجتہدین کی طرف خود بخود راہ کھل جائے گی۔ حضرت کا
اصلی مقصد بھی یہی تھا کہ ظالم بادشاہ اور ان کے قاضیوں کی طرف لوگ
جانے نہ پائیں۔ اس سے ملتِ اسلام کو یہ بتا دیا کہ یہ لوگ تمہارے مرجع نہیں
ہیں۔ خداوند عالم نے ان سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ اگر تم لوگ ان کے منکر ہو اور
ان کو نالائق و ظالم سمجھتے ہو تو پھر ان کی طرف رجوع نہیں کرنا چاہیئے۔

علماء اسلام مرجعِ امور ہیں

اب ملت اسلام کی تکلیف کیا ہے؟ اپنے منازعات پر یہ کیا کریں؟
کس کی طرف رجوع کریں؟۔ معصوم نے فرمایا۔ اختلافات میں جو لوگ حسب
قواعد حرام و حلالِ خدا کو جانتے ہیں، میزانِ عقلی اور شرعی سے ہمارے احکام
کی معرفت رکھتے ہیں، ہمارے ان راویانِ حدیث کی طرف رجوع کرنا چاہیئے
امام نے بالکل واضح لفظوں میں فرما دیا تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ محدثین بھی

مرجع اور حاکم ہیں۔ تمام مراتب کو ذکر کر کے یہ قید لگاؤں کہ مطابق قواعد حرام وحلال کو جانتا ہو اور احکام کی معرفت رکھتا ہو۔ اصول کا عالم ہو تاکہ تقیہؔ یا اور کسی بنا پر جو روایتیں خلاف واقعہ آگئی ہیں ان میں تمیز دے سکے اور یہ بات تو واضح ہے کہ حدیث کی شناخت اور احکام کی معرفت الگ چیز ہے۔ حدیث کا نقل کرنا الگ بات ہے۔

علماء حکومت کیلئے معیّن ہیں

امام فرماتے ہیں جس شخص میں مذکورہ بالا شرائط پائے جائیں اس کو ہم نے تم پر فرمانروا بنایا ہے اور امورِ حکومتی اور قضائی کے لئے میری طرف سے وہی شخص معین ہے۔ مسلمانوں کو اس کے علاوہ کسی اور کی طرف رجوع کرنے کا حق نہیں ہے۔

اس بنا پر اگر کوئی تمہارا مال کھالے تو تم ایسے شخص سے شکایت کرو جسے امام نے معیّن کیا ہے۔ اسی طرح اگر قرض کے بارے میں جھگڑا ہے۔ اور اس کا اثبات مقصود ہے۔ تو اس میں بھی حضرت کے معیّن کئے ہوئے قاضی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ کسی اور کی طرف رجوع نہیں کر سکتے۔ یہ فریضہ تمام مسلمانوں کا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ عمر ابن حنظلہ کو کوئی مشکل در پیش ہوئی تھی اور امام نے صرف انھیں کے لئے یہ حکم دیا ہو۔ امام کا یہ فرمان بطورِ عموم کلی ہے۔ اپنی ظاہری حکومت کے زمانے میں جس طریقہ سے حضرت علی حاکم، والی اور قاضی معین فرمایا کرتے تھے اور تمام مسلمانوں پر لازم تھا کہ ان کی اطاعت کریں۔ اسی طرح امام جعفر صادق بھی رئیسِ امر ہیں۔ تمام علماء و فقہا اور دنیا کے لوگوں پر حکومت رکھتے تھے۔ آپ کو یہ حق ہے کہ اپنی زندگی میں اور مرنے کے بعد حاکم و قاضی معیّن فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے یہ کام کیا اور اس منصب کو فقہاء کے لئے مخصوص کر دیا اور حاکماً کا لفظ کہہ کر یہ بتا دیا کہ فقط امور قضائی مقصود نہیں ہیں۔ بلکہ تمام امورِ حکومتی سے ربط ہے۔ روایت کے

صدر ذیل سے اور اس آیت سے جس کو حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ استفادہ ہوتا ہے کہ صرف قاضی کا معین کرنا مقصود نہیں ہے کہ امام فقط قاضی کو مقرر کر رہے ہوں اور دیگر تمام امور میں مسلمانوں کی کوئی تکلیف معین نہ فرمائی ہو۔ یہ روایت بہت واضح ہے۔ اس کی سند و دلالت میں کوئی شبہ نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی شک ہے کہ امام نے حکومت اور قضاوت کے لئے فقہاء کو معین فرمایا ہے۔ تمام مسلمانوں پر امام کے اس حکم کی پابندی لازم ہے۔

اپنے مطلب کو واضح کرنے کے لئے اور دوسری روایات سے تائید کے لئے میں ابی خدیجہ کی روایت کو بیان کرتا ہوں۔

محمد بن حسن باسنادہ عن محمد بن علی بن محبوب، عن احمد بن محمد، عن حسین بن سعید، عن ابی الجہم، عن ابی خدیجہ قال: بعثنی ابو عبداللہ (ع) الی احد اصحابنا فقال: قل لہم ایاکم اذا وقعت بینکم الخصومۃ او تداری فی شی من الاخذ والعطاء ان تحاکموا الی احد من ہؤلاء الفساق۔ اجعلوا بینکم رجلاً قد عرف حلالنا وحرامنا فانی قد جعلتہ علیکم قاضیا وایّاکم ان یخاصم بعضکم بعضا الی السلطان الجائر

(وسائل ۱۸/۱۰۰، روایت ٦)

ابو خدیجہ۔ امام جعفر صادق کے معتمد اصحاب میں سے ہیں۔ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق نے مجھے حکم دیا کہ حضرت کی طرف سے ان کے شیعوں کو یہ پیغام پہنچا دو کہ اگر کبھی تم لوگوں میں لڑائی جھگڑا ہو جائے یا لینے دینے کے معاملے میں اختلاف ہو جائے تو اس فاسق جماعت کی طرف فیصلہ کے لئے رجوع مت کرنا بلکہ تم میں جو شخص ہمارے حلال و حرام کو پہچانتا ہو اس کو اپنا حاکم بنا لینا۔ کیونکہ میں نے ایسے شخص کو تمہارے اوپر قاضی معین کیا ہے۔ خبردار تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی شکایت بادشاہِ ظالم تک نہ پہنچائے۔

روایت میں۔ قتدار ی نی تھی ۔ کے انظہ سے اختلاف حقوقی مراد ہے
یعنی اختلافِ حقوقی میں ان فاسقین کی طرف رجوع نہ کرنا اور حضرت کے اس جملہ
(میں نے تمہارے اوپر قاضی مقرر کیا ہے) سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسقین سے مراد
وہ قاضی لوگ ہیں جو حاکم ۔ ت کی طرف سے منصبِ قضا پر فائز تھے۔ حدیث
کے آخر میں ارشاد فرماتے ہیں۔ اپنے جھگڑوں میں ظالم بادشاہ کی طرف رجوع
نہ کرنا یعنی وہ امور جو قدرتِ اجرائی سے مربوط ہیں ان میں ان کی طرف رجوع نہ کرنا
اگر سلطانِ جائر بطور کلی آیا ہے اور تمام غیر اسلامی حکو ۔ ت کو شامل ہے
اور حکومت کے تینوں گروہوں کو بھی شامل ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے
(اور پہلے بھی قضاتِ جائر سے مراجع کو روکا گیا ہے) تو معلوم ہوگا کہ اس
ممانعت کا تعلق اجراء کرنے والوں سے ہے۔ آخری جملہ پہلے والے مطلب کی
تکرار نہیں ہے۔ کیونکہ پہلے قاضیٔ فاسق کی طرف رجوع کرنے سے روکا گیا ہے۔
اسکے بعد بادشاہوں کی طرف رجوع کرنے سے روکا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا
ہے کہ دونوں باتیں الگ الگ ہیں۔ عمر ابن حنظلہ کی روایت ہے۔ قاضیوں اور
بادشاہوں سے انصاف چاہنے کو روکا گیا ہے۔ اس سے بھی اشارہ دونوں
باتوں کی طرف ہے۔ [illegible] ہے کہ اس روایت میں تعیین قاضی کو فرمایا ہے
اور عمر ابن حنظلہ کی روایت میں اجراء کرنے والے حاکم اور قاضی کا بھی ذکر ہے۔

کیا علماء منصبِ حکومت سے معزول ہیں؟

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ امام نے اپنی زندگی میں ۔ بنا بر اس روایت
کے ۔ منصبِ قضاوت کو فقہاء کے لئے معین کیا ہے۔ اور بنا بر روایت
عمر ابن حنظلہ دونوں چیزیں (یعنی ریاست و قضاوت) فقہاء کے حوالہ کی گئی ہیں
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب امام دنیا سے رحلت کر جائیں تو کیا فقہاء
خود بخود اس عہدہ سے معزول ہو جائیں گے؟ تمام وہ قاضی اور حاکم جنہیں
ائمہ نے معین کیا تھا ائمہ کے مرنے کے بعد کیا وہ لوگ ریاست و قضاوت
کے منصب سے معزول ہو جائیں گے یا نہیں؟ اس بات سے قطع نظر کرتے ہوئے
کہ ۔ وضع و ولایتِ امام دوسروں سے فرق رکھتا ہے۔ اور بنا بر مذہب شیعہ

ائمہ کے تمام احکام ان کی زندگی اور مدت کے بعد بھی واجب اور لازم الاتباع ہیں۔ دیکھنا چاہیئے کہ وضع مناصب جو دنیا میں لوگوں کے لئے معین کئے گئے ہیں۔ ان کی کیا حیثیت ہے؟

آج کل کی حکومتوں میں چاہے وہ شاہی ہوں یا جمہوری یا کسی اور طرح کی

اگر رئیسِ جمہوریہ یا بادشاہِ وقت مرجاتا ہے یا انقلاب آجاتا ہے تو منصبِ نظامی ختم نہیں ہوجاتا۔ مثلاً سپہ سالار اپنے عہدہ سے ہٹ نہیں جاتا۔ سفیر سفارت سے معزول نہیں ہوجاتا۔ وزراء اپنی جگہ سے نہیں ہٹ جاتے بلکہ سب اپنے عہدہ پر باقی رہتے ہیں۔ البتہ بعد میں آنے والا بادشاہ یا رئیسِ جمہوریہ ان لوگوں کو ان کے عہدہ سے ہٹا سکتا ہے۔ لیکن بادشاہ یا رئیسِ جمہوریہ کے مرنے پر یہ عہدے خود بخود ختم نہیں ہوتے۔

ہاں بعض ایسے امور ہیں جو خود بخود ختم ہوجاتے ہیں۔ مثلاً اجازۂ حسبیہ یا مجتہد اگر کسی کو کسی شہر کی وکالت دے دے تو مجتہد کے مرنے کے بعد یہ چیزیں خود بخود ختم ہوجائیں گی۔ لیکن اگر فقیہہ کسی کو نابالغ بچہ کا نگراں یا وقفی جائداد کا متولی بنادے تو فقیہہ کے مرنے کے بعد یہ عہدے ختم نہیں ہوتے بلکہ باقی رہتے ہیں۔)

منصبِ علماء ہمیشہ محفوظ ہے

اسی طرح ائمہ نے ریاست و قضاوت جو فقہاء کے سپرد کیا ہے وہ منصب ہمیشہ محفوظ ہے۔ امام چونکہ تمام باتوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ان کے یہاں غفلت کا امکان نہیں۔ لہٰذا وہ یہ بات بھی جانتے تھے کہ دنیاوی حکومتوں میں رئیس کے ہٹ جانے سے اشخاص یا عہدے ختم نہیں ہوتے اس لئے اس بات کی تشریح نہیں فرمائی ورنہ اگر ایسا ہوتا کہ امام کے مرنے کے بعد ان کے معین کردہ حکام اپنے عہدے سے برطرف ہوجاتے تو امام یقینی طور پر یہ فرما کے جاتے کہ فقہاء کے لئے یہ عہدہ اسی وقت تک ہے جب

تک میں زندہ ہوں۔ میرے مرنے کے بعد یہ لوگ اپنے عہدہ سے معزول ہو جائیں گے۔
اس لئے (اس روایت کے بنا بر) علماءِ اسلام معصومین کی طرف سے حکومت و قضاوت کے لئے معیّن ہیں اور یہ عہدہ علماء کے لئے ہمیشہ محفوظ ہے۔ اب رہا یہ احتمال کہ ممکن ہے بعد والے امام نے اس حکم کو ختم کر دیا ہو۔ اور فقہاء کو ان کے عہدہ سے معزول کر دیا ہو تو یہ بہت نادر ہے۔ کیونکہ امام خود ہی فرماتے ہیں۔ "اپنا حق لینے کے لئے بادشاہوں اور قاضیوں کی طرف رجوع نہ کرنا، ان لوگوں کی طرف رجوع کرنا طاغوت کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اس کے بعد آیاتِ قرآنی سے استدلال بھی فرمایا ہے کہ خدا نے حکم دیا ہے کہ طاغوت کا انکار کرو۔ اور پھر خود ہی امام لوگوں کے لئے قاضی و حاکم معیّن کر رہے ہیں۔ اگر بعد والا امام اس عہدہ کو بھی ختم کر دے اور دوسرا حاکم و قاضی بھی نہ معیّن کرے تو اس وقت مسلمانوں کی تکلیف کیا ہوگی؟ اختلافات میں کس کی طرف رجوع کریں گے؟ کیا انھیں علماء اور فاسقین کی طرف رجوع کریں کہ جن کی طرف رجوع کرنا طاغوت کی طرف رجوع کرنے کے برابر ہے۔ اور حکمِ خدا کے بھی خلاف ہے۔ یا ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں اور مسلمانوں کا کوئی جائے پناہ نہ ہو جس کا جی چاہے دوسروں کا مال کھالے۔ دوسروں کے حق پر ڈاکہ ڈال دے۔ جو چاہے سو کرے۔

ہمیں یقین ہے کہ امام جعفر صادق نے جو عہدہ فقہاء کے لئے معیّن کر دیا ہے۔ اس کو امام موسٰی کاظم یا ان کے بعد دوسرے اماموں نے ختم نہیں کیا۔ یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ پچھلے امام کے بعد کوئی بھی امام پچھلے امام کے حکم کو توڑ دے اور یہ کہہ دے کہ اپنے امور میں فقہاء عدول کی طرف رجوع نہ کرو۔ یا یہ کہہ دے کہ بادشاہانِ وقت کی طرف رجوع کرو یا یہ کہہ دے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہو اور اپنے حقوق کی پامالی دیکھتے رہو۔ ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ امام ایک شہر کیلئے قاضی معیّن کریں اور امام کے انتقال کے بعد دوسرا امام قاضی کو معزول کر کے دوسرے شخصوں کو قاضی بنا دے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ امام اس عہدے کو ہی ختم کر دیں۔ یہ بالکل واضح سی بات ہے۔

جس روایت کا اب میں ذکر کر رہا ہوں، یہ ہمارے مطلب کی مؤید ہے اگر ہماری دلیل ان روایات میں سے کسی ایک روایت پر منحصر ہوتی تو

اپنے مطلب کو ثابت نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اصولِ مطلب گذر چکے اور جن
روایتوں کو میں نے پہلے ذکر کیا ہے ان کی دلالت بھی تمام تھی۔

صحیحہ قداح

علی ابن ابراھیم، عن ابیہ، عن حماد بن عیسٰی، عن
القداح (عبداللہ بن میمون) عن ابی عبد اللہ (ع) قال:
قال رسول اللہ من سلك طريقا يطلب علما سلك الله به طريقا
الى الجنة وان الملائكة لتضع اجنحتها لطالب العلم رضا به
وانه يستغفر لطالب العلم من فى السماء ومن فى الارض
حتى الحوت فى البحر، وفضل العالم على العابد كفضل القمر على
سائر النجوم ليلة البدر، وان العلماء ورثة الانبياء و
ان الانبياء لم يورثوا درهما ولا دينارا ولكن ورثوا العلم
فمن اخذ منه اخذ بحظ وافر (۱)

امام جعفر صادق پیغمبرؐ اسلام کا قول نقل فرماتے ہیں کہ جو طالب علم کے
ہے خدا اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیتا ہے اور ملائکہ
خوشنودی کے لئے طالب علم کے پیروں کے نیچے اپنے پر بچھا دیتے ہیں
آسمان والے یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں طالب علم کے لئے استغفار
ہیں۔ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں شب میں چاند کی فضیلت
دوسرے ستاروں پر، علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء مال و دولت
کے بجائے اپنی میراث علم کو قرار دیتے ہیں۔ لہذا جو بھی علم حاصل کرتا ہے وہ بہت
زیادہ فائدہ حاصل کرتا ہے۔

اس روایت کے تمام راوی یہاں تک کہ علی بن ابراہیم کے والد۔
ابراہیم بن ہاشم۔ بزرگانِ ثقات میں سے تھے۔ نہ یہ کہ فقط ثقہ ہیں۔ یہ روایت
مضمون میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ دوسری سند سے بھی منقول ہے

کافی ج ۱ باب العالم والمتعلم ص ۲۴ ۲۔ کافی ۱/۳۲

جو ضعیف ہے۔ یعنی ابو البختری تک تو سند صحیح ہے۔ خود ابو البختری ضعیف ہیں۔ روایت ملاحظہ فرمایئے۔

عن محمد بن یحییٰ عن احمد بن محمد بن عیسیٰ عن محمد بن خالد، عن ابی البختری عن ابی عبد اللہ (ع) قال: ان العلماء ورثۃ الانبیاء وذلك ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا وانما اورثوا احادیث من احادیثہم فمن اخذ بشئی منہا فقد اخذ حظاً وافراً، فانظروا علمکم ھذا عمن تاخذونہ فان فینا اھل البیت فی کل خلف عدد لا ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین۔ (۲)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ کیونکہ انبیاء کسی قسم کا مال میراث میں نہیں چھوڑتے۔ بلکہ اپنی احادیث کو بطور میراث چھوڑ جاتے ہیں۔ اس لئے جو بھی ان کی احادیث سے کچھ حاصل کرے درحقیقت اس نے بہت بڑا حصہ حاصل کر لیا۔ لہٰذا یہ دیکھو کہ تم نے یہ علم کس سے حاصل کیا ہے کیونکہ ہم اہل بیت پیغمبرؐ میں ہر نسل کے اندر کچھ عادل افراد ایسے ہیں جو مبالغہ کرنیوالوں کی تحریف اور باطل پرستوں کی غلط نسبت اور جاہلوں کی تاویل کو دین سے دور کرتے رہتے ہیں (یعنی دین کو ہر قسم کے تغیرات سے پاک کرتے رہتے ہیں)

روایت کی تحقیق

اس روایت کے نقل کرنے سے ہمارا مقصد۔ اس روایت سے مرحوم نراقی نے بھی تمسک کیا ہے۔ جملہ "العلماء ورثۃ الانبیاء" کے بارے میں چند بحث کا ذکر کرنا ہے۔

(۱) علماء سے کون حضرات مراد ہیں؟ امت کے علماء یا ائمہ معصومین؟ بعض کا خیال ہے کہ اس سے ائمہؑ مراد ہیں۔ مگر بظاہر اس سے امت کے علماء مراد ہیں اور خود حدیث بتاتی ہے کہ اس سے ائمہ مراد

نہیں ہیں؟ کیونکہ ائمہ کے جو فضائل وارد ہوئے ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔ یہ جملے۔ انبیاء نے میراث میں حدیثیں چھوڑی ہیں، جو ان کو حاصل کرے اس کو بہت بڑا حصہ مل گیا۔ ائمہ کے لئے نہیں ہو سکتے۔ یہ جملے شاہد ہیں کہ ان سے علماء اُمت مراد ہیں۔ اسی طرح ابوالبختری والی روایت میں "العلماء ورثۃ الانبیاء" والے جملے کے بعد ارشاد ہے۔ "دیکھو تم اپنا یہ علم کس سے حاصل کر رہے ہو؟ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علماء انبیاء کے وارث تو ہیں لیکن ان کو اس پر توجہ رکھنی چاہئیے کہ وہ اپنے علم کو کس سے حاصل کر رہے ہیں تاکہ انبیاءؑ کے وارث بن سکیں (ظاہر ہے کہ ائمہؑ کسی سے تعلیم حاصل نہیں کرتے لہٰذا ائمہ مراد نہیں ہو سکتے۔ مترجم) اب یہ کہنا کہ مراد یہ ہے کہ ائمہ انبیاء کے وارث ہیں اور لوگوں کو ائمہ سے علم حاصل کرنا چاہئیے۔ یہ بات خلاف ظاہر ہے جس نے بھی ائمہ کے بارے میں آئی ہوئی حدیثوں کو دیکھا ہے اور ان کی منزلت رسولِ خدا کے نزدیک کیا تھی اس کو جانتا ہے، وہ خود سمجھ لے گا کہ اس سے ائمہؑ مراد نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اُمت کے علماء مراد ہیں۔ اور علماء کے لئے اس قسم کے فضائل روایات میں بکثرت موجود ہیں۔ مثلاً "میری اُمت کے علماء سابق انبیاء کی طرح ہیں۔" یا میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء جیسے ہیں۔" بہر صورت ظاہر یہی ہے کہ اس سے اُمت کے علماء مراد ہیں۔ حضرات ائمہؑ مراد نہیں ہیں۔

(۲) ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ صرف "العلماء ورثۃ الانبیاء" والے جملے سے "ولایت فقیہہ کو نہیں ثابت کر سکتے۔ کیونکہ انبیاء ایک نبوت والی جہت بھی رکھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ مبدء اعلیٰ سے وحی، الہام، یا کسی دوسری کیفیت کے ساتھ علم حاصل کرتے ہیں۔ لیکن۔ صرف یہ حیثیت۔ یعنی مبدء اعلیٰ سے علم حاصل کرنا۔ عوام الناس اور مومنین پر ولایت کا سبب نہیں بن سکتی۔ (مثلاً) اگر خدا امامت و ولایت کو انبیاءؑ کے لئے نہ قرار دے تو صرف مبدء اعلیٰ سے حصولِ علم کی وجہ سے ان کو حکومت و ولایت حاصل نہیں ہو جائے گی۔ بس وہ نبی رہیں گے (مگر حاکم و والی نہ ہوں گے مترجم) اب اگر

تبلیغ پر مامور کر دیئے گئے۔ تو ان پر لازم ہے کہ تبلیغ بھی کریں۔ ہمارے یہاں نبی اور رسول میں فرق ہے کہ رسول تبلیغ بھی کرتا ہے۔ مگر نبی صرف مطالب کو اخذ کرتا ہے۔ اور چونکہ نبوت اور ولایت کی حیثیت میں فرق ہوتا ہے اور حدیث میں "العلماء ورثۃ الانبیاء" کی لفظ آئی ہے۔ یعنی وصفِ عنوانی نبوت کو قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ وصف مقتضیٔ ولایت تو ہے نہیں اس لئے علماء کے لئے ولایت ثابت نہیں کی جا سکتی۔ البتہ اگر یہ ہوتا کہ علماء مثل موسیٰ و عیسیٰ ہیں تو یہ بات ممکن تھی۔ کیونکہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ تمام حیثیات کے ـ ایک ان میں سے ولایت بھی ہے۔ مالک تھے۔ لہٰذا علماء بھی ولایت کے حامل ہوتے۔ مگر چونکہ حدیث میں اس طرح تو فرمایا نہیں ہے اور علماء کو بمنزلہ شخص قرار نہیں دیا۔ لہٰذا اس جملہ سے ولایت نہیں ثابت ہو سکتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ روایات اور ظواہر الفاظ کے سمجھنے کا معیار عرف عام اور فہم متعارف ہوا کرتا ہے نہ کہ تجربہ و تحلیل علمی۔ ہم بھی فہم میں عرف ہی کے تابع ہیں۔ اگر فقیہہ روایات کو سمجھنے میں علمی دقائق کا لحاظ رکھے تو بہت سے مطالب کو ثابت نہیں کر سکے گا۔ اس لئے "العلماء ورثۃ الانبیاء" کو عرف عام پر پیش کر کے دیکھیں کہ عرف کیا سمجھتا ہے؟ آیا عرف کا ذہن اس بات کی طرف جاتا ہے کہ انبیاء کا وصف عنوانی مراد ہے اور علماء کو صرف اسی وصف عنوانی پر تنزیل کیا گیا ہے؟ یا عرفِ عام کا ذہن اس جملہ کو اشخاص کے لئے دلیل سمجھتا ہے؟ یعنی اگر عرف سے سوال کریں کہ فلاں فقیہہ بمنزلۂ موسیٰ و عیسیٰ ہے کہ نہیں؟ وہ اس روایت کی بنا پر۔ جواب دے گا۔ ہاں۔ کیونکہ موسیٰ و عیسیٰ نبی تھے۔ یا اگر سوال کیا جائے کہ فقیہہ رسولِ خدا کا وارث ہے کہ نہیں؟ وہ کہے گا۔ ہاں۔ کیونکہ رسولِ خدا بھی انبیاء میں سے ہیں۔ اسلئے ہم انبیاء کو وصفِ عنوانی نہیں فرض کر سکتے۔ خصوصاً جبکہ لفظ جمع کے ساتھ استعمال ہے۔ اگر لفظ مفرد۔ نبی۔ ہوتا تو پھر بھی احتمال کی گنجائش تھی لیکن جب "انبیاء" کی لفظ استعمال کی گئی اور لفظ جمع لائی گئی یعنی "کل فرد من الانبیاء" نہ یہ کہ "کل فرد من الانبیاء بما ھم انبیاء"۔ کے وصفِ عنوانی پر نظر ہو اور اس وصفِ عنوانی کو دوسرے اوصاف سے جدا

کر دے اور کہے کہ فقیہہ بمنزلہ نبی ہے ۔ بمنزلہ رسول یا بمنزلہ ولی نہیں ہے
اس قسم کا تجزیہ اور تحلیلِ علمی، روایات میں عقل اور عرف دونوں کے خلاف ہے

(۳) بالفرض ہم قبول بھی کرلیں کہ تنزیل وصفِ عنوانی کے لحاظ سے ہے
اور علماء بمنزلہ انبیاء ۔ بما ھم انبیاء ۔ ہیں تو پھر اس تنزیل کے
لحاظ سے خدا جو بھی حکم نبی کے لئے ثابت کرے گا وہ علماء کے لئے بھی ثابت
ہوگا ۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ فلاں شخص بمنزلہ عادل ہے اور پھر اس کے
بعد کہا جائے ۔ عادل کا اکرام واجب ہے ۔ تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اس شخص
کا بھی اکرام واجب ہے جس کو بمنزلہ عادل کہا گیا ہے ۔ اس لحاظ سے ہم قرآن
کی آیت ۔ النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم ۔ سے علماء کے لئے
بھی منصبِ ولایت کو ثابت کرسکیں گے ۔ کیونکہ اولویت سے مراد ولایت و
امارت ہے ۔ جیسا کہ "مجمع البحرین" میں اسی آیت ۔ النبی اولیٰ بالمومنین
من انفسھم کے ذیل میں امام باقرؑ سے روایت ہے کہ یہ آیت دربارہ امارت
۔ حکومت و ولایت ۔ نازل ہوئی ہے ۔ اب چونکہ نبیؐ مومنین پر ولایتؐ و حکومت
رکھتا ہے اور علماء بمنزلہ انبیاء ہیں ۔ لہٰذا وہی ولایت و حکومت علماء کے
لئے بھی ثابت ہوگی ۔ کیونکہ آیت میں حکم وصفِ عنوانی ۔ نبوت ۔ کے
لحاظ سے آیا ہے ۔ اس کے علاوہ جو آیات رسول کے لئے احکام ثابت کرتی
ہیں، ہم ان سے بھی استدلال کرسکتے ہیں ۔ مثلاً اطیعوا اللہ واطیعوا
الرسول واولی الامر منکم ۔ اب ہم یوں کہیں کہ عرف عام میں نبی و رسول میں
کوئی فرق نہیں ہے ۔ اگرچہ بعض روایات میں کیفیتِ نزولِ وحی کے لحاظ سے نبی
و رسول میں فرق بتایا گیا ہے ۔ بلکہ نبی و رسول عقل و عرف کی نگاہ میں ہم معنی
ہیں ۔ (اس لئے جب رسول کی اطاعت واجب ہے تو علماء کی بھی واجب ہے مترجم)

(۴) ممکن ہے یہ کہا جائے کہ وفات پیغمبرؐ کے بعد احکام شرعیہ ایک
قسم کی میراث ہیں ۔ اگرچہ اصطلاحاً ان کو میراث نہیں کہا جاسکتا ۔ اب جو لوگ ان
احکام کو حاصل کریں گے وہ بھی پیغمبر کے وارث ہیں ۔ لیکن یہ کہاں سے معلوم
کہ رسولِ خدا کا منصب ولایت بھی قابلِ میراث ہے اور میراث میں مل سکتا ہے
ممکن ہے صرف احکام واحادیث ہی قابل میراث ہوں ۔ خود اسی روایت میں ہے

کہ انبیاء علم کی میراث چھوڑتے ہیں۔ اسی طرح ابوالبختری والی روایت میں ہے انما اورثوا احادیث من احادیثھم۔ انبیاء احادیث کو میراث میں چھوڑتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ احادیث قابلِ میراث ہیں۔ لیکن ولایت قابلِ میراث نہیں ہے۔

یہ اعتراض (بالا) بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ولایت وامارت امور اعتباری اور عقلائی ہیں۔ لہٰذا اس میں عقلاً کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور یہ دیکھنا ہوگا کہ ولایت وحکومت کو ایک شخص سے دوسرے کی طرف — بعنوان میراث — منتقل ہونے کا اعتبار کیا جاتا ہے کہ نہیں۔ یعنی عقلاً اس طرح اعتبار کرتے ہیں کہ نہیں؟ مثلاً اگر دنیا کے عقلمندوں سے پوچھا جائے کہ فلاں سلطنت کا وارث کون ہے؟ تو کیا یہ جواب دیں گے کہ منصب قابلِ میراث نہیں ہوا کرتا۔ یا یہ جواب دیں گے کہ فلاں تاج وتخت کا وارث ہے۔ اصولاً یہ جملہ — وارثِ تاج وتخت — مشہور جملوں میں سے ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مال کی طرح ولایت بھی عقلاً کی نظر میں ایک شخص سے دوسرے کی طرف قابلِ انتقال ہے اور منتقل ہوتی ہے۔ اگر کوئی آیۂ شریفہ (النبی اولی بالمؤمنین الخ) پر نظر کرے اور "العلماء ورثۃ الانبیاء" پر نظر کرے تو اسے پتہ چل جائے گا کہ انھیں امور اعتباریہ کو عقلاً قابلِ انتقال جانتے ہیں۔

اگر یہ عبارت۔ العلماء ورثۃ الانبیاء۔ ائمہ کے لئے ہوتی۔ جیسا کہ روایات میں ہے کہ ائمہ تمام امور میں پیغمبرؐ کے وارث ہیں۔ تو بلاشک ہم کہتے کہ ائمہ (ع) تمام امور میں پیغمبرؐ کے وارث ہیں اور کوئی بھی یہ نہ کہہ سکتا کہ "علم اور مسائلِ شرعیہ" کی وراثت مراد ہے۔

اس لئے اگر ہم فقط۔ العلماء ورثۃ الانبیاء۔ کو دیکھیں اور روایت کے صدر و ذیل سے صرف نظر کریں تو یہ بات سمجھ میں آجائے گی۔ پیغمبر اسلام کے بعد آپ کے تمام شؤون — انھیں میں سے لوگوں پر حکومت بھی شامل ہے۔ قابلِ انتقال ہیں۔ اور ائمہ معصومین کے لئے ثابت ہیں۔ لہٰذا وہ فقہاء کے لئے بھی ثابت ہوں گے۔ البتہ وہ چیزیں فقہاء کے لیے ثابت نہ ہوں گی جن کو

دلیل خارج کردے اور اس میں حرج بھی نہیں ہے، ہم بھی مانتے ہیں - اور ان چیزوں کو فقہاء کے لئے ثابت نہیں کریں گے۔

اوپر والے اعتراض میں سب سے زیادہ معقول بات یہ ہے کہ العلماء ورثۃ الانبیاء۔ والا جملہ ایسے جملوں کے درمیان میں واقع ہے کہ جو اس بات کے لئے قرینہ ہیں کہ میراث سے مراد حدیثوں کی میراث ہے۔ جیسا کہ "صحیحہ قداح" میں ہے۔ ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما ولکن ورثوا العلم - اور ابوالبختری والی روایت میں لم یورثوا درھما ولا دینارا۔ والے جملہ کے بعد۔ انما اورثوا احادیث من احادیثھم - آیا ہے اور یہ قرینہ ہے کہ انبیاء کی میراث صرف احادیث ہی ہوا کرتی ہیں۔ خصوصاً لفظ "انما" کو دیکھتے ہوئے اور یقین ہو جاتا ہے کہ احادیث ہی کی میراث مراد ہے۔ کیونکہ انّما حصر کے لئے آتا ہے۔

مگر یہ اعتراض بھی نامکمل ہے، کیونکہ اگر یہی مراد ہوتا کہ پیغمبر احادیث کے علاوہ کسی اور چیز کو چھوڑ کر نہیں گئے۔ جو میراث بن سکیں تو یہ بات خلاف ضروریات مذہب شیعہ ہے۔ کیونکہ پیغمبر بہت سی ایسی چیزوں کو چھوڑ کر گئے ہیں جو لائق میراث ہیں اور اس میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے کہ پیغمبر اُمت پر حکومت رکھتے تھے اور حضرت کے بعد یہ منصب حضرت علیؑ کو منتقل ہوا اور آپ کے بعد تمام ائمہؑ کو یکے بعد دیگرے منتقل ہوا- اور کلمہ "انّما" یہاں پر حتمی طور پر حصر کے لئے نہیں ہے اور یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ کلمہ "انّما" اس کے لحاظ سے حصر پر دلالت کرتا بھی ہے کہ نہیں۔ اس کے علاوہ صحیحہ قداح میں "انّما" کی لفظ موجود نہیں ہے۔ ہاں ابوالبختری والی روایت میں ہے۔ مگر وہ روایت سند کے لحاظ سے ضعیف ہے۔

اب ہم صحیحہ کی عبارت تحریر کرتے ہیں تاکہ دیکھیں، اس کے جملے اس بات کے لئے قرینہ بن سکتے ہیں کہ نہیں کہ انبیاء کی میراث صرف حدیثیں ہوا کرتی ہیں۔ ملاحظہ ہو......

......من سلک طریقا یطلب فیہ علما سلک اللہ بہ طریقا الی الجنۃ......
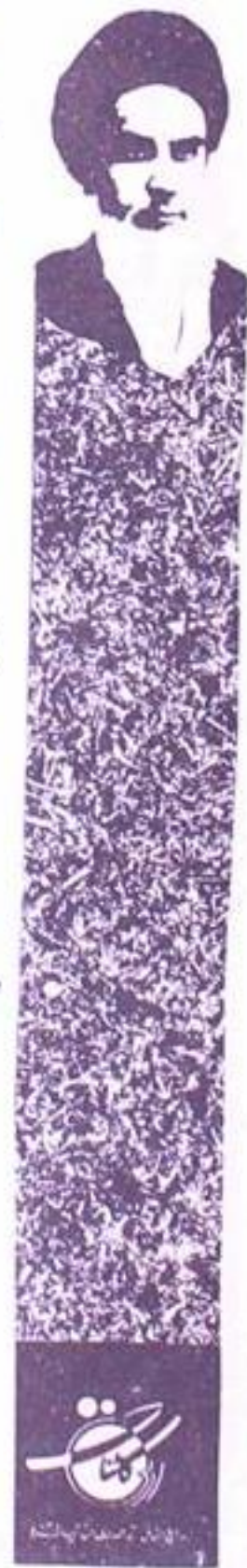
اس جملہ میں علماء کی تعریف کی گئی ہے۔ یہ خیال نہ فرمایئے گا کہ یہ تعریف ہر عالم کے لئے ہے اور عالم چاہے جیسا ہو، اس حدیث کا مصداق ہے۔ جی نہیں۔ کافی کا مطالعہ فرمایئے اور اس میں ان روایات کو دیکھئے جن میں وظائفِ علماء کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ چند کلمہ پڑھ لینے والے ورثہء انبیاء نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ان کے کچھ فرائض ہیں اور اس وقت بات مشکل ہو جاتی ہے۔

..... وان الملائکہ لتضع اجنحتہا لطالب العلم رضابہ.....

"وضع اجنحۃ" کے معنی معلوم ہیں اور اس وقت اس سے بحث بھی نہیں ہے۔ یہ عمل احترام و تواضع کے لئے ہے۔

...... وانہ یستغفر طالب العلم من فی السماء ومن فی الارض حتی الحوت فی البحر...

یہ جملہ تفصیلی بحث چاہتا ہے۔ ہماری بحث سے خارج ہے

..... فضل العالم علی العابد کفضل القمر علی سایر النجوم لیلۃ البدر......

اس جملہ کے معنی بھی معلوم ہیں۔

..... وان العلماء ورثۃ الانبیاء.....

صدر روایت سے لے کر یہاں تک علماء کی تعریف اور ان کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ ان کے فضائل میں ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ انبیاء کے وارث ہیں۔ اور انبیاء کا وارث ہونا علماء کے لئے اس وقت باعثِ فضیلت ہوگا۔ جب وہ انبیاء کی طرح لوگوں پر حکومت رکھتے ہوں اور واجب الاطاعۃ ہوں۔

ذیل کی روایت میں اس جملہ۔ ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما ـــــ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انبیاء علم و حدیث کے علاوہ کوئی اور میراث چھوڑتے ہی نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء اگرچہ والی امر ہوتے ہیں۔ تمام لوگوں پر حکومت رکھتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ رجالِ

الہٰی ہیں۔ مادّی افراد میں سے نہیں ہیں کہ مالِ دنیا جمع کرتے پھریں۔ اس لئے علم و حدیث کو میراث کے طور پر چھوڑتے ہیں اور اس سے اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ انبیاء کی حکومت دنیاوی حکومت کی طرح نہیں ہے کہ جس کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ اپنے لئے مال جمع کرتے رہو۔ حدیث کا یہ مطلب ہے نہ کہ یہ مراد ہے کہ انبیاء مال کو بطور میراث چھوڑتے ہی نہیں۔

پیغمبرؐ کی زندگی چونکہ بہت سادہ تھی اپنے مقام و منصب سے آپ نے کوئی مادّی فائدہ نہیں حاصل کیا تھا کہ اس کو بطور میراث چھوڑ جاتے جو چیز آپ نے بطور میراث چھوڑی وہ علم ہے جو تمام امور میں اشرف ہیں۔ خصوصًا وہ علم جو خدا کی طرف سے عطا کیا گیا ہو اور روایت میں بھی علم کا جو ذکر آیا ہے وہ بھی شاید اسی وجہ سے ہے۔ اور اسی لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ روایت میں جو اوصافِ علماء بیان کئے گئے ہیں اس سے صرف علم و حدیث ہی کی میراث مراد ہے۔

بعض روایات میں اس حدیث کے آخر میں "ماترکناہ صدقہ" کا جملہ بھی آیا ہے۔ جو حدیث کا جزو نہیں ہے۔ صرف سیاسی اغراض کے ماتحت اس کا اضافہ کیا گیا ہے اور اہلِ سنت کی فقہ میں بھی اس حدیث کا ذکر ہے۔

زیادہ سے زیادہ جو بات یہاں کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ "ممکن ہے کہ یہ جملے قرینہ ہوں تو پھر "العلماء ورثة الانبیاء" کے اطلاق سے تمسک کرکے "کل ماکان للہ نبیاء للعلماء"۔ نہیں کہہ سکتے (لہٰذا علماً کے لئے حکومت ثابت نہیں کی جاسکتی۔ مترجم)۔ مگر یہ بات بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ ان جملوں کے قرینہ ہونے کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ آپ کہنے لگے۔ روایت کا ظہور اس بات میں ہے کہ علماء صرف علم انبیاء کے وارث ہیں۔ اس لئے اس روایت (العلماء ورثة الانبیاء) اور پہلی روایات (جو ہمارے مفید مطلب ہیں) میں تعارض ہو گیا اور اس روایت نے ماسبق مطالب کو ختم کردیا۔ جی نہیں۔ اس قسم کی کوئی بات روایت سے مستفاد نہیں ہوتی۔
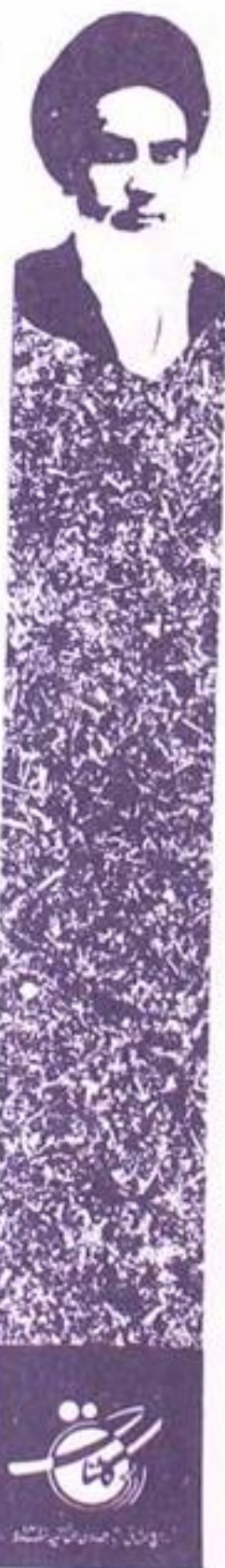
نص کے ذریعہ ولایت فقیہ کا اثبات

بالفرض اگر یہ کہا جائے کہ " روایت سے مستفاد ہوتا ہے کہ رسولِ خدا صرف علم کو بطور میراث چھوڑ گئے اور امر ولایت وحکومت لائقِ میراث نہیں ہے۔ بلکہ اگر پیغمبر " علیؑ وارثی " بھی فرما دیتے تو اس سے حضرت علیؑ کی خلافت ثابت نہیں ہو سکتی تھی " تو پھر ایسی صورت میں ہم مجبور ہیں کہ حضرت علیؑ اور ائمہؑ کی خلافت نص کے ذریعہ ثابت کریں اور کہیں کہ رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ کو خلافت کے لئے منصوب فرمایا ہے۔ تو پھر یہی بات ہم ولایت فقیہ کے لئے بھی کہیں گے۔ کیونکہ سابقہ روایات کی بنا پر علماء (بھی) رسولؐ خدا کی طرف سے خلافت وحکومت کے لئے منصوب ہیں اس طرح اس روایت میں اور ان روایات میں جو نصب پر دلالت کرتی ہیں جمع کیا جائے گا۔

فقہ رضوی سے مؤیّد

عوائد نراقی میں فقہ رضوی کے حوالہ سے ایک روایت نقل ہے جس کا مضمون یہ ہے۔ " منزلة الفقیہ فی ھذا الوقت کمنزلة الانبیاء فی بنی اسرائیل " [1] اس زمانہ میں فقیہ کی منزلت بنی اسرائیل کے انبیاء جیسی ہے۔ البتہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے " فقہ رضوی " امام رضاؑ سے صادر ہوئی ہے۔ ہاں بعنوانِ مؤیّد اس سے تمسک کیا جا سکتا ہے۔

یہ بات جان لینا چاہیئے کہ " انبیاء بنی اسرائیل " سے حضرت موسیٰؑ کے زمانہ والے فقہاء مراد نہیں۔ کیونکہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے والے تمام فقہاء حضرت موسیٰؑ کے تابع تھے اور ان کی پیروی کرتے

[1] عوائد نراقی، ۱۸۶ حدیث ۷،

تھے۔ اور ممکن ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ ان لوگوں کو تبلیغ کے لئے بھیجتے ہوں تو ان کے لئے ولی امر معین کر دیتے ہوں۔ البتہ ان کے حالات پر ہم کو دقیق اطلاع نہیں ہے۔ ہاں یہ معلوم ہے کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے تھے اور تمام وہ باتیں جو رسولِ خدا کے لئے ہیں حضرت موسیٰ کے لئے بھی تھیں۔ البتہ دونوں کے مقام و منزل اور رتبہ میں فرق تھا۔ اس لئے روایت عموم منزلت سے ہم یہ سمجھتے ہیں نہ حضرت موسیٰ کے لئے جو حکومت و ولایت لوگوں پر تھی وہ فقہاء کے لئے بھی ہے۔

باقی مؤیدات

جامع الاخبار سے ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا۔
یوم القیامة بعلماء امتی وعلماء امتی کسایر انبیاء قبلی۔
(۲) قیامت کے دن اپنی اُمت کے علماء پر میں فخر کروں گا۔ میری اُمت کے علماء مجھ سے پہلے والے انبیاء کی طرح ہیں۔

یہ روایت بھی مؤید مطلب ہے۔ مستدرک میں بھی "غرر" کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے جس کا مضمون یہ ہے۔ العلماء حکام علی الناس۔ علماء لوگوں پر حاکم ہیں۔ حکماء علی الناس بھی منقول ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ غرر میں حکماء علی الناس بھی ہے۔ اگر اس روایت کی سند معتبر ہو تو اس کی بھی دلالت واضح اور یہ بھی مؤید مطلب ہے۔ دوسری روایت میں بھی بطور تائید ذکر کی جا سکتی ہے۔

اس قسم کی روایات کی طرح "تحف العقول" میں بھی ایک روایت۔ "مجاری الامور والاحکام ایدی العلماء" کے عنوان سے ذکر ہے۔ یہ روایت دو حصوں پر تقسیم ہے۔ پہلا حصہ وہ روایت ہے جو امام حسینؑ نے "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کے سلسلہ میں حضرت علیؑ سے نقل فرمایا ہے۔ اور دوسرا حصہ حضرت امام حسینؑ کی وہ تقریر ہے جو "ولایتِ فقیہہ" اور فقہاء کے

وظائف سے متعلق ہے۔ اس تقریر کو حضرت نے "منیٰ" میں فرمایا تھا۔ اور اس میں دولت جائر کے خلاف اپنے جہادِ داخلی کی علت کو بیان فرمایا ہے۔ اس روایت سے دو اہم مطالب ثابت ہوتے ہیں۔ ایک تو "ولایتِ فقیہہ" اور دوسرے یہ کہ فقہاء کو چاہیئے کہ اپنے جہاد اور امر بمعروف ونہی از منکر کے ذریعہ حکام جائر کو ذلیل ورسوا کریں۔ اور لوگوں کو بیدار کریں۔ تاکہ بیدار مسلمانوں کی نہضت عمومی حکومتِ جور کو سرنگوں کر دے اور حکومتِ اسلامی کو قائم کرے۔ روایت یہ ہے
(اصل روایت کو کتاب سے نقل کیا جائے۔ یہاں صرف ترجمہ کیا جاتا ہے)

اے لوگو! احبار کی برائی کرکے خدا نے اپنے دوستوں کو جو نصیحت کی ہے اس سے عبرت حاصل کرو۔ ارشاد ہوتا ہے کہ علماء دین اور احبار گنہگار یہودیوں کو ان کی گفتگو اور حرام خوری سے کیوں نہیں روکتے؟ انھوں نے جو کچھ کیا ہے وہ بہت برا کیا ہے۔ نیز ارشاد ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر لعنت کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ ارشاد ہے۔ واقعی انھوں نے جو کچھ انجام دیا وہ بہت برا کیا۔ درحقیقت خدا نے ان لوگوں کی برائی اس لئے کی ہے کہ ان کی نظروں کے سامنے ستم گار برائی اور فسق میں مبتلا رہتے تھے مگر یہ ان کو روکتے نہیں تھے۔ کیونکہ ان سے پانے والی چیزوں کی رغبت اور ڈرنے والی باتوں کے خوف سے وہ ایسا کرتے تھے۔ (حالانکہ) خدا فرماتا ہے "لوگوں سے مت ڈرو، مجھ سے ڈرو"۔ نیز ارشاد ہوتا ہے "ایمان والے اور ایمان والیاں، ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ امر بمعروف کرتے ہیں نہی از منکر کرتے ہیں خدا نے امر بمعروف ونہی از منکر سے ابتدا فرمائی اور اس کو پہلا واجب شمار کیا۔ اسلئے کہ خدا جانتا ہے اگر امر بمعروف ہوتا رہا اور نہی از منکر ہوتا رہا تو تمام فرائض خواہ آسان ہوں خواہ مشکل، سب ہی انجام پا جائیں گے۔ کیونکہ اس کا۔ امر بمعروف ونہی از منکر۔ مطلب یہ ہے دعوتِ اسلام۔ یعنی جہادِ اعتقادی خارجی۔ ہوتی رہے۔ مظلوموں کے حقوق ان کو ملتے رہیں۔ ظالموں کی مخالفت ہوتی رہے مالِ غنیمت اور فئی کی تقسیم ہوتی رہے۔ صدقات، زکوٰۃ وتمام مالیتہائے الزامی ۔ حاصل کرکے ان کی صحیح تقسیم ہوتی رہے۔

پھر اے گروہِ آدم! اے وہ گروہ جو علم و عالم ہوتے میں مشہور ہو۔

تمہارا ذکر خیر ہوتا ہی رہتا ہے اور خیر خواہی و رہنمائی میں مشہور ہو۔ خدا کی خاطر لوگوں کے دلوں میں تم اپنی ہیبت قائم رکھنے میں مشہور ہو۔ اس طرح کہ مقتدر آدمی تم سے ڈرتا ہے۔ کمزور تمہاری تعظیم کرتا ہے۔ وہ شخص (جس پر تم کوئی برتری نہیں رکھتے اور نہ جس پر تم کو کوئی قدرت ہے۔) بھی تم کو اپنے پر برتری دیتا ہے۔ اپنی نعمتوں کو اپنے پر خرچ نہ کر کے تم پر خرچ کرتا ہے۔ ضرورت کے وقت تم لوگوں کی مدد کرتے ہو۔ بادشاہوں کی ہیبت اور بزرگوں کی بزرگی کے ساتھ راستہ چلتے ہو۔ کیا یہ سب باتیں صرف اس لئے نہیں ہیں کہ تم سے اُمید ہے کہ اجرائے قانون پر کمرہمت کو باندھو گے۔ اگرچہ خدا کے بہت سے حقوق کی ادائیگی میں تم سے تقصیر بھی ہوئی ہے کہ ملّت کے حقوق کو ذلیل کیا ہے۔ کمزوروں کے حقوق کو ضائع و برباد کیا ہے۔ لیکن جس کو تم نے اپنا حق خیال کیا ہے اس کو طلب کیا ہے۔ نہ تو تم نے اپنا مال خرچ کیا ہے اور نہ پالنے والے کی راہ میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا ہے اور نہ خدا کے لئے کسی قبیلہ سے دشمنی کی ہے۔ (اس کے باوجود) تم جنّت کی آرزو کرتے ہو۔ پیغمبروں کی ہم نشینی کے خواہش مند ہو عذاب خدا سے بچنا چاہتے ہو۔ خدا سے اس قسم کی اُمید رکھنے والو! مجھے ڈر ہے کہ تمہارے اوپر عذابِ الٰہی نہ نازل ہو جائے۔ کیونکہ خدا کی عظمت و عزت کے سایہ میں تم ایسی بلند منزلت تک پہنچے ہو۔ مگر تم خدا شناسوں کی قدر و منزلت نہیں کرتے حالانکہ خدا ہی کی وجہ سے تم اس کے بندوں میں محترم ہو۔ (اور اس لحاظ سے بھی تمہارے لئے ڈرتا ہوں کہ) تم دیکھتے ہو کہ خدا کے میثاق توڑے جا رہے ہیں۔ مگر تم نہیں ڈرتے۔ لیکن اپنے آباؤ اجداد کے معاہدے کے توڑے جانے پر پریشان ہو جاتے ہو۔ رسولِ خدا کے عہد و پیمان ۔ پیغمبر اسلام سے بیعت کی وجہ سے مناسباتِ اسلامی، جو عہد و پیمان ہوا تھا۔ علی اور اولادِ علی کی اطاعت کے بارے میں غدیر خم میں جو تم سے عہد لئے گئے تھے ۔ کی بے اعتنائی کرتے ہو۔

اندھے گونگے، زمین گیر، کمزور تمام شہروں میں بے سرپرست ہیں۔ کوئی ان پر رحم نہیں کرتا۔ نہ اپنی اور ان کی حیثیت کے مطابق کام کرتے ہو اور نہ ایسے
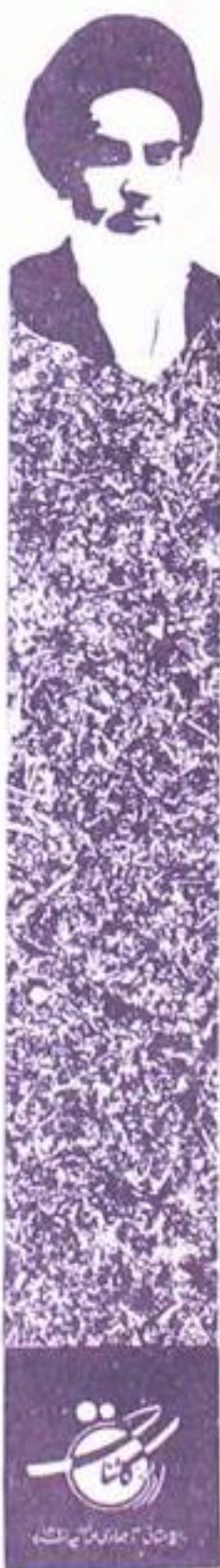
کام کرنے والے اور تمہاری شان کو بڑھانے والوں کی کوئی مدد کرتے ہو۔ چرب زبانی، چاپلوسی، ستم گاروں سے ساز باز کرکے اپنے کو بے خوف بنا لیتے ہو۔ یہ تمام وہ باتیں ہیں جن سے خدا نے تم کو روکا ہے اور تم ان سے غفلت کرتے ہو۔ تمہاری مصیبت تمام لوگوں سے زیادہ ہے۔ کیونکہ منزلتِ علماء کو تم سے واپس لے لیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ملک کا انتظام، احکام قضائی کا نفاذ، سلطنت کے پروگرام کی تکمیل، دانش مندانِ روحانی کے ہاتھوں میں ہونی چاہیئے۔ جو حقوق الٰہی کے امین، حلال و حرام کے جاننے والے ہیں۔ اب یہ کہ تمہاری وہ حیثیت نہ رہی اس کی وجہ اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ تم نے قانونِ اسلام اور حکم خدا کو پراگندہ کر دیا ہے۔ سنّت میں اختلاف پیدا کر دیا ہے۔ اگر تم تکلیفوں پر صبر کرتے، خدا کی راہ میں زحمتوں کو برداشت کرتے تو سارے امور کا دار و مدار تم پر ہوتا۔ لیکن تم نے ظالموں کو قدرت عطا کی اور خدا کو ان کے ہاتھوں میں دے دیا۔ وہ شبہات پر عمل کرتے ہیں، شہوتوں کے مطابق کام کرتے ہیں۔ تمہارا موت سے بھاگنا ہی اس کا سبب تھا کہ وہ اس پر مسلّط ہو جائیں۔ اور تمہارا زندگی کو پسند کرنا بھی اس کا سبب بنا، حالانکہ تمہاری زندگی تم سے چھین لی جانے والی ہے۔ تم نے اپنے اس رویّہ سے کم زوروں کو ستم گاروں کے ہاتھوں میں دے دیا تاکہ کوئی غلام بنایا جائے، اس پر ظلم کے پہاڑ توڑے جائیں اور کوئی بے چارہ نان و نمک کے لئے محتاج رہے۔ اور ظالم حکام مزے لوٹتے رہیں اور اپنی ہوس رانی سے ذلت و رسوائی کا سامان کرتے رہیں۔ بڑوں کے پیرو ہو جائیں، خدا سے گستاخی کریں، ہر شہر میں منبر پر ان کا خطیب ہے۔ خاکِ وطن پراگندہ ہے۔ ان کے ہاتھ دراز ہیں۔ لوگ ان کے غلام ہیں۔ اپنے میں دفاع کی قوت نہیں رکھتے، ان کا کوئی حاکم ڈکٹیٹر ہے، کینہ پرور و بدخواہ ہے دوسرا حاکم مظلوموں پر ظلم کرتا ہے، سختی کرتا ہے، تیسرا حکومت پر قابض ہے نہ خدا سے ڈرتا ہے، نہ روزِ جزا سے، نہ خدا کو پہچانتا ہے۔ تعجب ہے اور کیوں نہ

تعجب ہو۔ زمین پر ظالم، ستم گر اور مومنین کے لئے بے رحم حاکم ہیں۔ بس اللہ ہی ہمارے درمیان حکم کرنے والا ہے اور ہمارے اختلافات میں وہی فیصلہ کرنے والا ہے۔

خدایا! تو جانتا ہے ہم نے جو کچھ کیا ہے۔ ظالم اور اموی حکومت کے خلاف اقدام۔ وہ سیاسی اقتدار کی خاطر نہیں تھا اور نہ ہی دولت و حکومت کی خاطر تھا بلکہ مقصد یہ تھا کہ تیرے دین کے درخشاں اصول کی رہنمائی کریں۔ تیرے ملک میں فساد کو ختم کر کے اصلاح کریں۔ تیرے مظلوم بندوں کو بے خوف بنا کر ان کے حقوق ان تک پہنچا دیں اور اس لئے ایسا کیا ہے کہ تیرے فرائض پر تیرے احکام پر عمل ہونے لگے۔ اس لئے تم لوگ (علماء دین) اس مقصد کی انجام دہی میں میری مدد کرو۔ اور تم پر ظلم کرنے والوں اور انبیاء کی شمع حیات کو گل کرنے والوں سے انصاف کیا جائے۔ ہمارے لئے اللہ کافی ہے، اس پر ہمارا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف ہماری بازگشت ہے۔
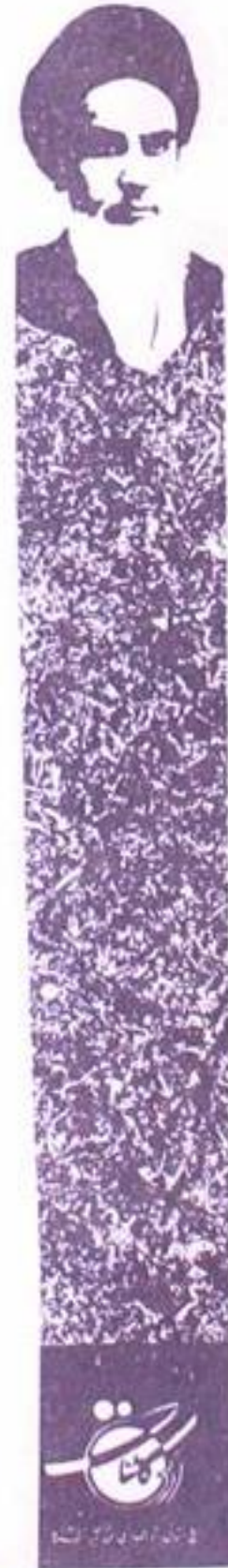
حضرت کا یہ ارشاد۔ "اعتبروا ایھا الناس بما وعظ اللہ بہ من سوء ثنائہ علی الاحبار"۔ کسی مخصوص گروہ، حاضرینِ مجلس، اہل شہر، اہلِ مملکت، یا اس زمانے کے لوگوں سے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ جس زمانے میں جو بھی اس خطاب کو سُنے اس کو مخاطب کیا گیا ہے۔ جیسے قرآن میں یا ایھا الناس تمام لوگوں کے لئے ہے۔ اسی طرح حضرت کا بھی خطاب ہے۔ خداوندِ عالم علماءِ یہود پر اعتراض اور ان کے رویہ سے بیزار ہو کر اپنے دوستوں کو موعظہ کر رہا ہے۔ "دوستوں" سے مراد وہ افراد ہیں جو خدا کی طرف متوجہ ہیں اور معاشرہ میں مسوءِ دل ہیں۔ اس سے ائمہ معصومین مراد نہیں ہیں۔

"اذ یقول لولا ینھاھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم واکلھم السحت لبئس ما کانوا یفعلون"۔

خدا اس آیت میں "ربانیون" اور "احبار" کی سرزنش کر رہا ہے۔ کہ یہودی علماء نے ستم گروں کو گنہگارانہ گفتگو۔ خواہ جھوٹ ہو، تحریف ہو، اور اسی قسم کی دوسری بات ہو۔ اور حرام خوری سے کیوں نہیں روکا؟ ظاہر ہے کہ

یہ سرزنش نہ تو علماء یہود کے لئے مخصوص ہے نہ علماء نصاریٰ کے لئے بلکہ جامعۂ اسلامی کے علماء اور بطور کلی تمام علماء دین کو شامل ہے۔ اس لئے اگر معاشرۂ اسلامی کے علماء ستم گروں کے رویہ اور سیاست پر خاموش رہیں تو وہ بھی اس سرزنش کے مستحق ہیں۔ یہ حکم بزرگوں اور نسل گذشتہ کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ گذشتہ اور آئندہ کی ساری نسلیں اس حکم میں برابر ہیں۔ حضرت امیرؑ نے قرآن کے اسناد کے ساتھ یہ بات بیان فرمائی تاکہ معاشرۂ اسلامی کے علماء بھی اس سے عبرت حاصل کریں۔ ہوشیار ہو جائیں، امر بمعروف و نہی از منکر سے غض بصر نہ کریں۔ حکومت جور وستم گر کے مقابلہ میں سکوت نہ اختیار کریں۔ حضرت نے "لولا ینهاهم الربانیون ......" سے استشہاد فرما کر دو نکتے کی طرف متوجہ کرنا چاہا ہے۔

۱۔ فرائض مشترک کی ادائیگی میں علماء کی سہل انگاری کا ضرر دوسروں کے ادائیگی فرائض سے کوتاہی میں بہت زیادہ ہے۔ مثلاً اگر ایک بازاری غلط کام کرے تو اس کا ضرر اسی کو پہنچے گا۔ لیکن اگر علماء اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کریں گے۔ جیسے ستم گروں کے مقابلہ میں خاموشی۔ تو اس کا ضرر اسلام کی طرف متوجہ ہوگا۔ اور اگر انھوں نے اپنے فرائض پر عمل کیا اور جہاں بولنا چاہیئے وہاں خاموش نہیں رہے تو اس کا فائدہ بھی اسلام کو پہنچے گا۔

۲۔ تمام خلافِ شرع امور سے روکنا چاہیئے۔ لیکن اسی کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ "قول اثم" اور اکل سحت کا ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ یہ دو "منکر" تمام منکرات سے زیادہ خطرناک ہیں اور ان کی مخالفت بہت زیادہ کرنی چاہیئے۔ چونکہ کبھی دست گاہ ستم گر کی تبلیغ و گفتار ان کی سیاست و کردار سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے خطرناک ہوتی ہے۔ اس لئے خدا سرزنش کر رہا ہے کہ ستم گروں کے گنہگارانہ تبلیغات و نادرست گفتار کو کیوں نہیں روکا؟ وہ مرد جو خلیفۃ اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا تھا، مشیتِ الٰہی کا ذریعہ ہونے کا مدعی تھا اور یہ سمجھتا تھا احکامِ

الٰہی وہی ہیں جس کا اجراء میں کرتا ہوں۔ اسلامی عدالت وہی ہے جو میں کہتا ہوں ۔ حالانکہ اصولی طور پر عدالت سے اس کا کوئی واسطہ نہ تھا۔ ایسے شخص کی تکذیب کیوں نہ کی ؟ اس قسم کی باتوں کو " قولِ اثم " کہتے ہیں ۔ اس قسم کی باتوں سے کیوں نہیں جلوگیری کی ؟ جو ظالم نا بوط بکواس کرتے تھے، خیانتوں کے مرتکب ہوتے تھے، بدعتوں کا اسلام میں اضافہ کرتے تھے، اسلام کو ضرر پہنچاتے تھے، ان کو کیوں نہ روکا ؟ ان گناہوں سے کیوں نہ باز رکھا ؟

اگر کوئی مرضئ الٰہی کے خلاف احکام کی تفسیر کرے، اسلام میں بدعت کو یہ کہہ کر ۔ کہ اصولِ اسلامی کا یہی تقاضہ ہے ۔ رواج دے، اسلام کے خلاف احکام کا اجراء کرے، تو علماء پر واجب ہے کہ اس کی مخالفت کریں۔ اگر مخالفت نہ کریں گے تو خدا کی لعنت کے مستحق ہوں گے ۔ حدیث میں بھی ہے کہ ۔ اذا ظهرت البدع فللعالم ان يظهر علمه والا فعليه لعنة الله ۔ جب بدعتوں کا ظہور ہونے لگے تو عالم پر واجب ہے کہ اپنے علم کا اظہار کرے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس پر خدا کی لعنت ہو ۔

تو مخالفت کا اظہار، تعلیم و احکامِ خدا کا بیان، بدعت و ظلم و گناہ کی مخالفت بھی فائدہ مند ہے ۔ کیونکہ اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اجتماعی فساد اور خائن و فاسق حکام کے مظالم کے خلاف عوام کھڑے ہو جاتے ہیں اور ظالموں کا ساتھ دینے سے پرہیز کرنے لگتے ہیں ۔ بلکہ ان کی نافرمانی کرنے لگتے ہیں۔ ایسے مواقع پر علماء دین کی مخالفت ایک (نہی از منکر) ہے اور معاشرہ کے دینی رہبر کی طرف سے مخالفت (نہی از منکر) کی موج ہوتی ہے ۔ جو رفتہ رفتہ انقلاب کا باعث بن جاتی ہے ۔ اور اگر ظالم حکام اس کے سامنے سرنگوں نہ ہو جائیں اور احکامِ الٰہی کا اتباع نہ کرنے لگیں ۔ اور طاقت کے ذریعہ اس انقلاب کو خاموش کرنے لگیں تو پھر ان کا شمار " فئۂ باغیہ " باغی گروہ میں ہونے لگے گا ۔ اور مسلمانوں پر مسلح جہاد واجب ہو جائے گا ۔ تاکہ حکومت کرنے والوں کا رویہ اسلام کے احکام و اصول کے مطابق ہو جائے ۔

آپ حضرات چونکہ سر دست حکام کی بدعتوں کو نہیں روک سکتے اور

ان مفاسد کو ختم نہیں کر سکتے تو کم از کم خاموش تو نہ رہیئے۔ ماریہٹ پر داد فریاد کیجئے، اعتراض کیجئے، پردہ پوشی نہ کیجئے، ظلم برداشت نہ کیجئے، ظلم برداشت کر لینے پر آمادگی ظلم سے بھی بدتر ہے۔ اعتراض کیجئے، انکار کیجئے، تکذیب کیجئے، فریاد کیجئے، ان کی تبلیغات و انتشارات کے مقابلہ میں آپ بھی تبلیغات و انتشارات قائم کیجئے تاکہ ان کے جھوٹ کی تکذیب کی جاسکے۔ یہ کہا جاسکے کہ یہ غلط ہے۔ عدالتِ اسلامی یہ نہیں ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں۔ بلکہ عدلِ اسلامی وہ ہے جو مدوّن و مضبوط صورت میں موجود ہے۔ ان باتوں کا اعلان ضروری ہے تاکہ لوگ متوجہ رہیں آنے والی نسل علماء کے سکوت کو حجّت نہ بنالے کہ اگر ظالموں کی حکومت خلافِ شرع ہوتی تو علماء مخالفت کرتے۔ علماء کی مخالفت نہ کرنا بتاتا ہے کہ حرام خوری اسلامی حکم ہے۔

کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اس مسجد کے آگے کی بات نہیں سوچتے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ "اکلِ سحت" یعنی حرام خوری جائز نہیں ہے تو ان کے ذہن میں کوچۂ مسجد میں بیٹھنے والے بقّال ہی کا تصوّر آتا ہے کہ (العیاذ باللہ)۔ وہ کم تولتا ہے۔ لیکن حرام خوری کا وہ بزرگ دائرہ جو بزرگ ترین سرمایہ کو نگل کر ڈکار بھی نہیں لیتے، ان کے ذہن میں نہیں آتا۔ جو لوگ بیت المال کو کھا لیتے ہیں ہمارے تیل کو کھا جاتے ہیں۔ غیر ملکی کمپنیوں کے نام سے نمائندگی کر کے ہم کو غیر ضروری اور مہنگی چیزوں کے بازار میں لا کھڑا کرتے ہیں اور اس طرح لوگوں کے روپے کو اپنے اور غیر ملکی سرمایہ داروں کے جیب میں بھر دیتے ہیں۔ غیر ملکی حکومتیں تیل نکال کر اپنے لئے لے جاتی ہیں اور ایک تھوڑی سی مقدار جو حکامِ جور کو دیتی بھی ہیں اس کو بھی دوسری راہ سے اپنی جیبوں میں بھر لیتی ہیں اور تھوڑا مال جو صندوقِ دولت میں پہنچتا ہے خدا جانے وہ کہاں پر خرچ ہوتا ہے۔ اس قسم کی حرام خوری پر ان کی نظر نہیں پڑتی۔ آخر یہ بھی تو مقیاس بین المللی کے لحاظ سے حرام خوری ہے۔ وحشت ناک قسم کا منکر ہے۔ آپ ذرا معاشرہ کے اوضاع، حکومت کے کاموں کو دقّت نظر سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ کتنی وحشت ناک قسم کی حرام خوری ہوتی ہے۔ اگر ملک کے کسی گوشہ میں

زلزلہ آجائے تو حرام خور و سود خور حاکموں کی بن آتی ہے کہ زلزلہ زدگان کے نام پر یہ اپنی جیب بھر سکیں گے۔ ستم گر حکام ملت کے خلاف حکومتوں یا خارجی کمپنیوں سے جو قرار داد کرتے ہیں۔ اس سے لاکھوں روپے اپنی جیب میں اور لاکھوں روپے خارجی سرمایہ داروں کے جیب میں پہنچا دیتے ہیں۔ حرام خوری کا یہ سمندر ہماری نظروں کے سامنے موجیں مار رہا ہے۔ خارجی تجارت کی صورت میں استخراج معادن کی قرار دادوں کی صورت میں، جنگلوں کی بہرہ برداری کی صورت میں، بلکہ تمام طبعی منافع کے حصول کی صورت میں حرام خوری کرتے ہیں، کبھی عمارتوں کی تعمیرات میں، کبھی سڑکوں کی مرمت کے نام پر، کبھی اسلحے کی خریداری کے نام پر یہ سب کچھ ہوتا ہے۔

ان حرام خوریوں اور غارت گریوں کا مقابلہ واجب ہے۔ تمام لوگوں کا یہ فریضہ ہے۔ البتہ علماء دین کا فریضہ سنگین تر اور اہم تر ہے۔ تمام مسلمانوں سے پہلے اس مقدس جہاد اور عظیم فریضہ میں ہم کو شریک ہونا چاہیئے۔ ہم کو اپنے مرتبہ و عزت کی وجہ سے سب سے پہلے اقدام کرنا چاہیئے۔ اگر آج ہم ان حرام خوروں ملت کے خائنوں، عزت دار چوروں اور حاکموں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو ہم کو کوشش کرتے رہنا چاہیئے کہ اس قابل ہو جائیں اور کم از کم فریضہ کی انجام دہی، اظہارِ حق، افشاء حرام خوری میں کوتاہی نہ کریں۔ جب اس قابل ہو جائیں تو نہ صرف یہ کہ سیاست و اقتصاد و ادارۂ کشور کو درست کریں بلکہ حرام خوروں اور جھوٹوں کو کوڑے لگائیں اور ان کو قرار واقعی سزا دیں

یہودیوں نے مسجدِ اقصیٰ کو جلا دیا۔ ہم فریاد کرتے ہیں، مسجدِ اقصیٰ کو نیم سوختہ حالت ہی میں باقی رہنے دو، اس جرم کو برباد نہ کرو لیکن رژیم شاہ حساب کھول دیتا ہے، صندوق رکھتا ہے اور مسجدِ اقصیٰ کی تعمیر کے نام پر لوگوں سے پیسے اینٹھتا ہے تاکہ اس حیلہ سے اپنی جیب کو بھر سکے۔ اور ضمناً اسرائیل کے جرم کو ختم کر دے۔

یہ وہ مصیبتیں ہیں جو امتِ اسلام کے گریباں گیر ہو گئی ہیں اور

نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ پھر آخر علماء اسلام ان مطالب کو کیوں نہیں کہتے؟ کیوں فریاد نہیں کرتے؟ ان غارت گریوں کے لئے کیوں کچھ نہیں کہتے؟

اس کے بعد ۔لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل۔ سے استناد فرمایا ہے۔ جو ہمارے موضوعِ بحث سے خارج ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ وانما عاب اللہ ذالک علیہم لانہم کانوا یرون من الظلمۃ الذین بین اظہرہم المنکر والفساد فلا ینھونھم عن ذلک رغبۃ فیما کانوا ینالون منھم ورھبۃ لما یحذرون ۔ خداوندِ عالم کا "ربانیون" سے استنکار صرف اس وجہ سے تھا کہ وہ ستم گروں کو دیکھتے تھے کہ کیا کر رہے ہیں اور کن خباثتوں کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود خاموش رہتے تھے اور ان کو منع نہیں کرتے تھے اور — اس روایت کی بنا پر — ان کے سکوت کی دو وجہیں تھیں۔

۱۔ سود جوئی ۲۔ زبونی ۔ یا پھر وہ لالچی افراد تھے۔ جو ستم گروں سے مادی فائدہ حاصل کرتے تھے اور حق السکوت وصول کرتے تھے اور یا پھر بزدل وڈرپوک تھے۔ ظالموں سے ڈرتے تھے۔ اس لئے کچھ نہیں کہتے تھے۔ امر بمعروف ونہی از منکر کی روایات کو ملاحظ فرمایئے کہ اس میں بعض ایسے لوگ جو امر بمعروف ونہی از منکر سے عذر تراشی کرتے تھے۔ ان کی کتنی مذمت کی گئی ہے اور ان کے سکوت کو عیب شمار کیا گیا ہے۔

واللہ یقول ولا تخشوا الناس واخشونی۔ خدا فرماتا ہے" ان سے مت ڈرو۔ تمہیں کیا خوف ہے؟۔ قیدی بنائے جانے، قتل کئے جانے، ملک بدری، کے علاوہ اور کس چیز کا خوف ہے؟ ہمارے اولیاء نے اسلام کی خاطر جان دے دی۔ تم بھی اس کے لئے آمادہ رہو۔

وقال: والمومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر . . . ,

اور ذیلی آیہ میں ارشاد ہے۔ ویقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ ویطیعون اللہ ورسولہ . . . . .

"فبدأ اللہ بالامر بالمعروف والنھی عن المنکر فریضۃ

منه لعلمه بانها اذا اديت واقيمت استقامت الفرائض كلها هينها وصعبها وذلك بان الامر بالمعروف والنهی عن المنکر دعاء الی الاسلام مع رد المظالم ومخالفة الظالم وقسمة الفئ والغنائم واخذ الصدقات من مواضعها ووضعها فی حقها"

اگر قاعدہ سے امر بمعروف ونہی از منکر واقع ہو تو دوسرے فرائض بھی طور پر ادا ہونے لگیں گے اور ستم گروں اور ان کے عمال مال مردم کو نہیں لے سکیں گے اور نہ اپنی مرضی کے مطابق خرچ کر سکیں گے اور نہ مال مردم کو برباد کر سکیں گے۔ امر بمعروف ونہی از منکر' دعوت باسلام ورد مظالم ومخالفت ظالم کرتا ہے۔ امر بمعروف ونہی از منکر کا مقصد انھیں چیزوں کے لئے ہے۔ ہم نے اس کے دائرہ کو مختصر کر کے ایسی جگہوں کے لئے مخصوص کر دیا ہے کہ جس کا ضرر ایسے افراد کے لئے ہے۔ جو اس کے مرتکب ہوتے ہیں یا ترک کر دیتے ہیں۔ ہمارے ذہنوں میں تو یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ منکرات تو بس یہی ہیں جس کو ہم ہر روز دیکھتے اور سنتے رہتے ہیں۔ مثلاً اگر موٹر میں ریڈیو کھول دیا۔ یا فلاں قہوہ خانہ میں خلاف شرع کام ہوا' یا سر بازار کسی نے روزہ کھا لیا تو ہماری نظر میں یہی منکرات ہیں اور انھیں سے روکنا چاہیئے۔ اور بزرگ ترین منکرات کی طرف توجہ تک نہ دیں۔ جو لوگ رسوم کی حیثیت کو برباد کرتے ہیں' ضعفاء کے حقوق کو پامال کرتے ہیں۔ ...... ان کو نہی از منکر کرنا چاہیئے۔

حکامِ جور جو خلاف شرع افعال کرتے ہیں یا جنایت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اگر ان پر اعتراض کیا جائے اور تمام اسلامی حکومتوں سے ہزاروں ٹیلیگرام بھیجے جائیں کہ یہ کام نہ کیا جائے تو یہ لوگ اس سے یقیناً رک جائیں گے۔ اگر حیثیتِ اسلام کے خلاف' مصالح مردم کے خلاف کوئی کام انجام دیا جائے اور اس پر ملک کے ہر گوشہ سے تمام دیہاتوں اور قصبوں سے اس کی مخالفت کی جائے۔ تو یہ لوگ پیچھے ہٹ جائیں گے اور اس کام کو انجام نہیں دیں گے۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ یہ پیچھے نہیں ہٹیں گے؟ ہرگز نہیں۔ یہ پیچھے ہٹ جائیں گے۔ میں ان کو خوب پہچانتا ہوں۔ یہ بہت ڈرپوک ہیں۔ بہت جلد عقب نشیں ہو جائیں گے۔ لیکن جب ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ہماری کوئی حقیقت نہیں ہے تو وہ اپنے منصوبہ پر عمل کر کے رہیں گے۔

جس بات پر علماء متحد ہو جاتے تھے اور ہر شہر سے ان کی پشت پناہی ہوتی تھی، وفود آتے تھے، تقریریں ہوتی تھیں۔ اس میں یہ لوگ پیچھے ہٹ جاتے تھے اور قرارداد کو منسوخ کر دیا جاتا تھا لیکن جب رفتہ رفتہ ہم کو سست و کمزور کر دیا گیا۔ آپس میں اختلاف ڈال دیا گیا اور ہر ایک کے لئے "تکلیف شرعی" معین ہو گئی۔ یہ لوگ جری ہو گئے اور اب وہ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں۔ دعاء الی الاسلام مع رد المظالم و مخالفة الظالم۔ امر بمعروف و نہی از منکر انھیں کاموں کے لئے ہے۔ بیچارہ عطار اگر کوئی خلاف شرع کام کرتا ہے تو اس سے اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ بس اسی کو ضرر پہنچتا ہے جو لوگ اسلام کو ضرر پہنچاتے ہیں اور مختلف طریقے سے لوگوں کو قتل و غارت کرتے ہیں۔ ان کو زیادہ امر بمعروف و نہی از منکر ہونا چاہیئے۔

یہ باتیں اخباروں میں بھی آتی رہتی ہیں۔ کبھی مذاق و شوخی کے عنوان پر اور کبھی جدی اور واقعی لحاظ سے کہ سیلاب زدہ، زلزلہ زدہ افراد کو عنوان بنا کر روپے جمع کئے جاتے ہیں اور یہ لوگ اسے کھا جاتے ہیں۔ ملایر کے ایک عالم مجھ سے نقل کر رہے تھے کہ ایک حادثہ میں مرنے والوں کے لئے ہم لوگ ایک ٹرک کفن لے کر گئے مگر مامورین دولت نے ہم کو وہاں تک نہیں لے جانے دیا۔ وہ لوگ خود ہی اس کو ہڑپ کرنا چاہتے تھے۔ ان کے لئے امر بمعروف و نہی از منکر ضروری ہے۔

اب میں آپ حضرات سے سوال کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت امیرؑ نے اس حدیث میں جن مطالب کا ذکر فرمایا ہے۔ کیا صرف حضرتؑ کے آس پاس والے اصحاب کے لئے تھے؟ اعتبروا ایھا الناس۔ کا خطاب کیا ہم سے نہیں ہے؟ ہمارا شمار کیا ناس میں نہیں ہے؟ کیا ہم کو اس خطاب سے عبرت نہیں حاصل کرنی چاہیئے۔

جیسا کہ میں نے شروع میں ذکر کیا کہ یہ مطالب کسی خاص گروہ سے متعلق نہیں ہیں۔ بلکہ حضرت علیؑ کی طرف سے ہر امیر، وزیر، حاکم، فقیہہ، تمام دنیا، تمام انسان تمام زندہ افراد کے لئے یہ خطاب ہے۔ حضرت کا فرمان قرآن کے مطابق ہے اور جس طرح قیامت تک قرآن واجب الاتباع ہے، حضرتؑ کے احکام بھی واجب الاتباع ہیں۔ لولا ینھاھم الربانیون۔ میں اگرچہ خطاب ربانیوں اور احبار کی طرف ہے۔ لیکن عموم افراد کے لئے یہ حکم ہے۔ چونکہ ربانیوں و احبار لالچ

یا خوف کی وجہ سے ستم گروں کے ظلم پر خاموش رہے۔ داد فریاد اور تقریر کر کے ظالموں کو اس کام سے روک سکتے تھے۔ مگر نہ روکنے کی وجہ سے باعثِ ملامت ہو گئے اسی طرح علمائے اسلام اگر ستم گروں کے ظلم پر خاموش رہیں گے تو یہ بھی مستحق ملامت ہوں گے۔

ثم انتم ایتھا العصابۃ ۔ عام لوگوں سے خطاب کے بعد علماء اسلام کے گروہ کو مخاطب کیا جا رہا ہے۔ عصابۃ بالعلم مشھورۃ، وبالخیر مذکورۃ، بالنصیحۃ معروفۃ، وباللہ فی انفس الناس مھابۃ، یھابکم الشریف ویکرمکم الضعیف، ویؤثرکم من لا فضل لکم علیہ ولا ید لکم عندہ، تشفعون فی الحوائج اذا امتنعت من طلابھا وتمشون فی الطریق بھیبۃ الملوک وکرامۃ الاکابر، الیس کل ذلک انما نلتموہ بما یرجی عندکم من القیام بحق اللہ۔" معاشرہ میں تمہاری ہیبت و شوکت ہے۔ ملتِ اسلام تمہارا احترام کرتی ہے۔ معاشرہ میں یہ عزت و احترام اس وجہ سے ہے کہ لوگوں کو انتظار ہے کہ ستم گروں کے مقابلہ میں آپ قیام کریں گے، مظلوموں کا حق ظالموں سے دلائیں گے۔ لوگ منتظر ہیں کہ آپ قیام کر کے ستم گروں کا مقابلہ کریں۔

"ان کنتم عن اکثر حقہ تقصرون، فاستخففتم بحق الائمۃ فاما حق الضعفاء فضیعتم واما حقکم بزعمکم فطلبتم فلا مالا بذلتموہ ولا نفسا خاطرتم بھا للذی خلقھا ولا عشیرۃ عادیتموھا فی ذات اللہ انتم تتمنون علی اللہ جنتہ ومجاورۃ رسلہ وامانا من عذابہ۔ لقد خشیت علیکم ایھا المتمنون علی اللہ ان تحل بکم نقمۃ من نقماتہ لانکم بلغتم من کرامۃ اللہ منزلۃ فضلتم بھا ومن یعرف باللہ لا تکرمون، وانتم باللہ فی عبادہ تکرمون"۔ تم لوگوں کو عزت و احترام حاصل ہو گیا۔ مگر جب صاحبِ مرتبہ ہو گئے تو اسکے حق کو ادا نہ کیا۔

وقد ترون عھود اللہ منقوضۃ فلا تفزعون، وانتم لبعض ذمم آبائکم تفزعون، وذمۃ رسول اللہ محقورۃ (مخفورۃ)۔

اگر تمہارے بزرگوں کے لئے کوئی پیش آمد ہو یا خدانخواستہ۔ کوئی تمہارے
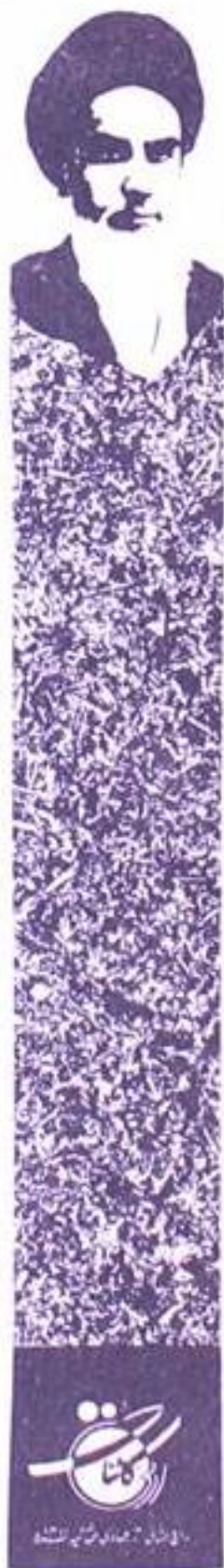
باپ کی بے احترامی کرے تو بہت ناراحت ہوتے ہو، دادو فریاد کرتے ہو۔ حالانکہ تمہاری نظروں کے سامنے الٰہی عہد و پیمان کو توڑا جاتا ہے، اسلام کی بے حرمتی کی جاتی ہے۔ مگر تمہاری آواز بھی نہیں سنائی دیتی۔ حد ہے کہ دل سے ناراحت نہیں ہوتے اصولاً اگر تم کو اس سے تکلیف پہنچی ہوتی تو تمہاری آوازیں بلند ہو جاتیں۔

والعمی والبکم والزمن فی المدائن مھملة لا ترحمون

اندھے، گونگے، زمین گیر برباد ہو رہے ہیں۔ کسی کو ان کی فکر نہیں۔

ملت کے لئے کسی کو کوئی احساس نہیں ہے۔ ذرا سوچئے۔ یہ ریڈیو میں ہلڑ ہنگامہ جو ہوتا ہے۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟ ذرا قریب سے جا کر دیکھئے کہ لوگ کیوں کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ سو دو سو میں ایک ہسپتال بھی نہیں ہے۔ بے چارے اور بھوکے لوگوں کی کوئی فکر نہیں کی گئی ہے۔ اس کی بھی تو اجازت نہیں دیتے کہ اسلام نے فقراء کے لئے جو لائحہ عمل مرتب کیا ہے، اسی پر عمل کیا جا سکے۔ اسلام نے فقراء کی تشکل کو حل کر دیا ہے۔ اسلامی پروگرام کے سرفہرست۔ "انما الصدقات للفقراء ...." ہے۔ اسلام تو شروع سے متوجہ تھا کہ پہلے فقراء کی طرف توجہ دی جائے، مگر اس کو کرنے کہاں دیا جاتا ہے۔ افراد ملت فقر و فاقہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور ایران کے افراد حکومتی لوگوں سے تمام مالیات وصول کر کے اپنے حسب منشاء خرچ کر رہے ہیں۔ فینتم ہوائی جہاز خریدے جا رہے ہیں تاکہ اسرائیل کے فوجی ہماری حکومت میں فوجی تربیت دیکھیں (اور سیکھیں)۔ اسرائیل۔ جو ابھی تک مسلمانوں سے جنگ کر رہا ہے اور اس کی تائید کرنے والے مسلمانوں سے جنگ کر رہے ہیں۔ کے بال و پر ہماری حکومت میں کھلے ہیں اور ایران نے اس کی ایسی تائید کی ہے کہ آج اسرائیلی آکر ہماری فوجی تربیت دیکھتے ہیں۔ ہماری حکومت اسرائیلیوں کے لئے پاگاہ ہے۔ ہمارے بازار ان کے ہاتھوں میں ہیں۔ اگر یہی صورتِ حال رہی اور مسلمان یوں ہی خوابِ غفلت میں پڑے رہے تو یہ لوگ مسلمانوں کے بازار ختم کر دیں گے۔

ولا فی منزلتکم تعلمون ولا من عمل فیھا (تعنون)

تم نے اپنے مرتبہ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا اور نہ کوئی کام ہی کیا بلکہ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں ان کی بھی مدد نہیں کی۔
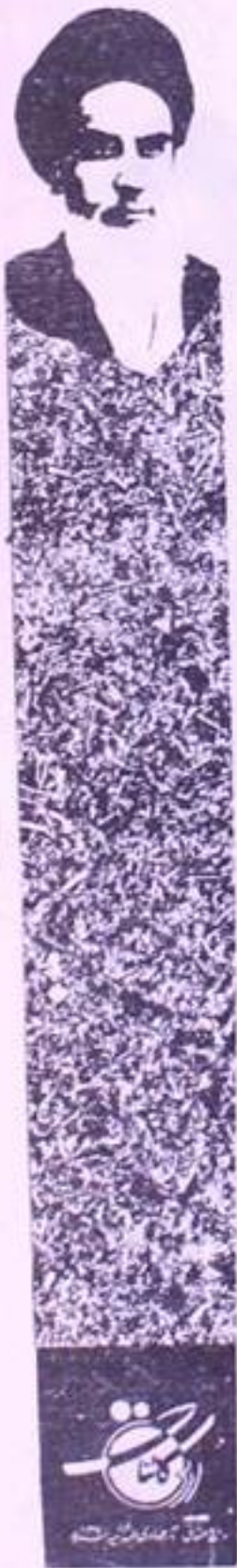
وبالادھان والمصانعة عند الظلمة تامنون۔ کل ذلک مما امرکم اللہ بہ من النھی والتناھی وانتم عنہ غافلون۔

تمہاری خواہش وخوشی اس میں ہے کہ ظالم تمہارے پشت پناہ رہیں۔ تمہارا احترام کریں۔ مثلاً۔ ایھا الشیخ الکبیر کہیں۔ اسکے بعد تمہیں کوئی فکر نہیں ہے کہ ملت پر کیا گزرتی ہے اور حکومت کیا کرتی ہے۔

"وانتم اعظم الناس مصیبۃ لما غلبتم علیہ من منازل العلماء لو کنتم تسعون، ذلک بان مجاری الامور والاحکام علی ایدی العلماء باللہ الامناء علی حلالہ وحرامہ فانتم المسلوبون تلک المنزلۃ۔ امام یوں بھی فرماتے ہیں کہ میرے حق کو چھین لیا گیا۔ مگر تم نے قیام نہیں کیا۔ یا حق ائمہ لے لیا گیا اور تم خاموش رہے۔ لیکن "علماء باللہ" فرمایا جس سے "ربانیون" اور پیشوائے ملت مراد ہیں۔ اہل فلسفہ واہل عرفان مراد نہیں ہیں۔ "عالم باللہ" سے مراد احکام خدا کا جاننے والا ہے اور جسے ربانی و روحانی کہا جا سکے وہ مراد ہے۔ البتہ یہ اطلاق اسی پر ہو گا جس میں روحانیت اور خدا کی طرف توجہ زیادہ ہو۔

"فانتم المسلوبون تلک المنزلۃ وما سلبتم ذلک الا بتفرقکم عن الحق واختلافکم فی السنۃ بعد البینۃ الواضحۃ۔ ولو صبرتم علی الاذی وتحملتم المؤونۃ فی ذات اللہ کانت امور اللہ علیکم ترد وعنکم تصدر والیکم ترجع۔"

اگر تم اچھے لوگ ہوتے، قیام بحق کرتے تو تم دیکھتے کہ امور کا نفاذ اور اس کی بازگشت تمہاری ہی طرف ہوتی۔ اگر اسلامی حکومت کا قیام ہو جاتا تو دنیا کی تمام سلطنتیں اس کے مقابل نہیں آ سکتی تھیں۔ ان کو سرنگوں ہونا پڑتا۔ لیکن افسوس اتنی کوتاہی ہے کہ ایسی حکومت کا قیام نہیں کیا جا سکا بلکہ صدر اسلام ہی میں بھی دشمنوں نے حکومت ایسے افراد کے ہاتھ میں نہیں آنے دی جن سے خدا و رسول خوش تھے۔ اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو آج صورت حال ہی دوسری ہوتی۔ ولکنکم مکنتم الظلمۃ من منزلتکم۔ جب تم نے اپنے وظیفہ پر عمل نہیں کیا۔ اور حکومت کو چھوڑ دیا تو ظالمین کو یہ موقع مل گیا کہ حکومت پر قبضہ کر لیں

"واستسلمتم امور الله فی ایدیھم یعلمون بالشبھات ویسیرون فی الشھوات سلطھم علی ذلک فرارکم من الموت اعجابکم بالحیاۃ التی مفارقتکم، فاستسلمتم الضعفاء فی ایدیھم فمن بین مستعبد مقھور وبین مستضعف علی معیشتہ مغلوب۔"

یہ ساری باتیں ہمارے زمانے پر منطبق ہیں بلکہ جس زمانہ میں حضرت نے ارشاد فرمایا تھا اس سے زیادہ آج ہمارے زمانہ میں یہ چیزیں منطبق ہیں۔

"ویتقلبون فی الملک بآرائھم ویستشعرون الخزی باھوائھم اقتداء بالاشرار وجرأۃ علی الجبار فی کل بلد منھم علی منبر خطیب یصقع۔

اس زمانہ میں خطیب منبر پر ستم گاروں کی تعریف کیا کرتا تھا۔ اور آج ریڈیو شور و غل مچاتا ہے برخلاف اسلام ظالموں کے لئے بولتا رہتا ہے اور احکام اسلام کو مسخ کر کے پیش کرتا ہے۔

فالارض لھم شاغرۃ۔ آج زمینیں ظالموں کے لئے آمادہ ہیں۔ کوئی ان کو روکنے والا نہیں۔ اور نہ کوئی ان کے خلاف قیام کرنے والا ہے۔

وایدیھم فیھا مبسوطۃ والناس لھم خول لا یدفعون ید لامس فمن بین جبار عنید وذی سطوۃ علی الضعفاء شدید مطاع لا یعرف المبدی المعید فیا عجبا مالی لا اعجب والارض من غاش غشوم ومتصدق ظلوم وعامل علی المؤمنین لھم غیر رحیم، فاللہ الحاکم فیما فیہ تنازعنا والقاضی لحکمہ فیما شجر بیننا۔

اللھم انک تعلم انہ لم یکن ما کان منا تنافسا فی سلطان ولا التماسا من فضول الحطام ولکن لنری المعالم من دینک ونظھر الاصلاح فی بلادک، ویامن المظلومون من عبادک وتعمل بفرائضک وسننک واحکامک۔

فانکم ان تنصرونا وتنصفونا قوی الظلمۃ علیکم وعملوا فی اطفاء نور نبیکم وحسبنا اللہ وعلیہ توکلنا

والیہ انبنا والیہ المصیر۔

آپ خود ہی ملاحظہ فرمارہے ہیں کہ شروع سے آخر تک حدیث علماء سے مربوط ہے اور اس بات کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ علماء سے مراد "ائمہ معصومین" ہیں۔ علماء اسلام "علماء باللہ" ہیں اور ربانی ہیں۔ ربانی ایسے شخص کو کہتے ہیں جو خدا پر اعتقاد رکھتا ہو احکام خدا کی حفاظت کرتا ہو احکام خدا کا عالم ہو۔ حلال و حرام خدا کا امین ہو۔

حضرت کا یہ ارشاد۔ ہمارے امور علماء کے ہاتھوں میں ہیں۔ دو سال یا دس سال کے لئے نہیں ہیں، یا صرف اہل مدینہ ہی مخاطب نہیں ہیں۔ خود روایت اور خطبہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امیرؑ کی نظر وسیع تھی، ایک ایسی اُمت پیش نظر تھی جو قیام بحق کر سکے۔
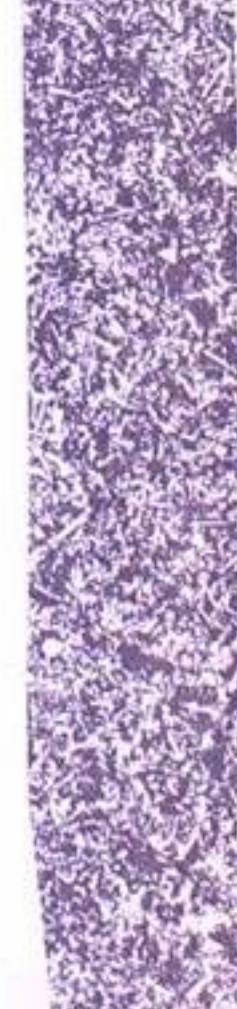
اگر علماء حرام و حلالِ الٰہی کے امین ہو جائیں اور علم و عدالت کے حامل بن جائیں، حکمِ الٰہی کا اجراء کرنے لگیں، حدود کو جاری کرنے لگیں، احکام و امورِ اسلام ان کے ہاتھوں جاری ہونے لگیں تو پھر ملت بیچارہ نہیں رہ سکتی۔ احکامِ اسلام معطل نہیں ہو سکتے۔

یہ روایت ہمارے بحث کی مؤید ہے۔ اگر سند ضعیف نہ ہوتی تو اس کو ادلہ میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

—✳—

"ولایتِ فقیہہ" کا موضوع ختم ہو گیا اب اس موضوع پر گفتگو نہیں کروں گا اور اس کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ اس موضوع کے فروع — مثلاً زکوٰۃ کیوں کر ہو؟ حدود کیسے جاری کئے جائیں؟ — سے بحث کی جائے۔ میں نے "حکومتِ اسلامی" کے اصول کی تحقیق کر دی اور عرض کر چکا کہ رسولِ خدا اور ائمہ معصومینؑ کے لئے جو ولایت ثابت ہے وہ فقہائے کے لئے بھی ثابت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ البتہ اگر دلیل سے کوئی چیز خارج ہو جائے تو ہم بھی اس کو خارج مان لیں گے۔

یہ موضوع — ولایتِ فقیہہ — کوئی نیا موضوع نہیں ہے کہ جس کو میں نے بیان کیا ہے۔ بلکہ شروع ہی سے یہ مسئلہ محل بحث رہا ہے۔ مرحوم

میرزائے نائینی کا تمباکو کی حرمت کا حکم چونکہ حکومتی حکم تھا اس لئے دوسرے فقہاء پر بھی واجب الاتباع تھا اور ایران کے تمام بزرگ علماء ــــ چند کو چھوڑ کر ــــ نے اس حکم کی پابندی بھی کی تھی۔ حرمتِ تمباکو کا حکم قضاوتی نہیں تھا کہ چند افراد کے درمیان اس میں اختلاف رہا ہو اور مرحوم میرزا نے اپنی تشخیص کے مطابق حکم دے دیا ہو۔ مصالح مسلمین اور بعنوانِ ثانوی مرحوم نے اس حکومتی حکم کو صادر فرمایا تھا اور جب تک عنوان موجود تھا یہ حکم بھی تھا، جب عنوان ختم ہو گیا تو حکم بھی ختم ہو گیا۔

میرزا محمد تقی شیرازی مرحوم نے جو جہاد کا حکم دیا تھا ـ البتہ اس کا نام دفاع تھا ـ اور تمام علماء نے اس کی متابعت کی تھی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ یہ حکم بھی حکومتی تھا۔

جیسا کہ مجھ سے نقل کیا گیا ہے۔ خود کاشف الغطاء مرحوم بھی بہت سے ان مطالب کے قائل تھے۔ یہ کہہ چکا کہ متاخرین میں سے علامہ نراقی مرحوم بھی تمام شئون رسولِ خدا کو فقہاء کے لئے ثابت جانتے تھے۔ آقائے نائینی مرحوم بھی فرماتے تھے کہ "مقبولہ عمر بن حنظلہ" سے یہ مطلب ثابت ہوتا ہے۔ بہر حال یہ بحث نئی نہیں ہے۔ میں نے موضوع پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور حکومت کے شعبوں کا ذکر کر کے آپ حضرات کے ہاتھوں میں دے دیا ہے تاکہ مسئلہ اور واضح ہو جائے۔ تھوڑے سے روزمرہ کے بھی مسائل کا ذکر کر دیا ہے۔ ورنہ مطلب وہی ہے جس کو بہت سے لوگ پہلے ہی سے جانتے ہیں۔

میں نے اصل موضوع کی بنیاد رکھ دی ہے۔ اب موجودہ نسل اور آئندہ نسل کا فریضہ ہے کہ اطرافِ موضوع پر فکر و بحث کر کے اس کے حصول کی کوشش کریں۔ سستی، مایوسی وغیرہ کو اپنے سے دور کریں اور انشاء اللہ تعالیٰ کیفیت تشکیل و تمام متفرقات کو مشورہ اور تبادلۂ خیال کے ذریعہ حاصل کریں اور اسلامی حکومت کے کاموں کو جاننے والے امین، عقلمند، معتقد حضرات کے سپرد کریں اور خائن کے ہاتھوں کو حکومت، وطن، بیت المال تک نہ پہنچنے دیں اور یہ اطمینان رکھیں کہ خدائے قادر ان کے ساتھ ہے۔
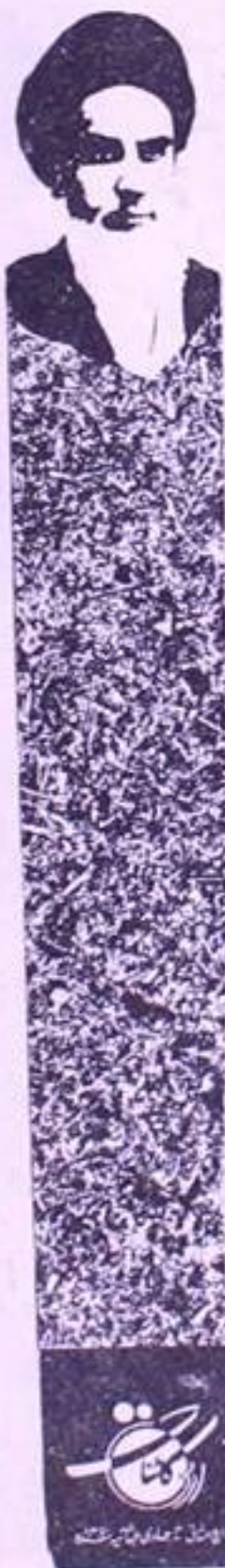
حکومت اسلامی کی تشکیل کا برنامہ

حکومتِ اسلامی کے لئے واقعی طور پر کوشش کرنا ہمارا فریضہ ہے۔

سب سے پہلے تو ہم کو اس سلسلہ میں تبلیغات سے کام لینا چاہیئے۔ ہمیشہ اور تمام دنیا میں یہی ہوتا رہا ہے کہ پہلے چند آدمی مل کر بیٹھتے تھے، فکر کرتے تھے اور مصمم ارادہ کرکے تبلیغ شروع کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ کچھ ہم نوا بھی پیدا ہوجاتے تھے۔ اور آخر میں ایک مستقل حکومت کی صورت میں ظاہر ہوجاتے تھے یا موجودہ حکومت سے جنگ کرکے اس کو ختم کرکے دوسری حکومت قائم کرتے تھے۔ محمد علی میرزائی کو ختم کرکے مشروطہ حکومت کی تشکیل ہوئی تھی۔ ہمیشہ ہی سے یہ بات ہے کہ شروع میں لاؤ لشکر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ صرف تبلیغ سے کام لیا جاتا ہے۔ ناپسندیدہ افراد کو محکوم کرکے ملت کو آگاہ کرتے تھے کہ یہ لوگ نالائق ہیں۔ رفتہ رفتہ دائرۂ تبلیغ وسیع ہوتا رہتا تھا اور معاشرہ کے تمام افراد اس میں شامل ہوجاتے تھے۔ اور پھر لوگ بیدار ہو کر فعّال ہوجاتے تھے اور نتیجہ تک پہنچ جاتے تھے۔

آپ کے پاس اس وقت نہ تو لشکر ہے نہ حکومت ہے۔ صرف تبلیغ کا ذریعہ ہے اور دشمن کے بس کی یہ بات نہیں ہے کہ آپ کے تمام تبلیغی وسائل کو ختم کردے لیکن اسی کے ساتھ عبادی مسائل کو بتاتے رہنا چاہیئے۔ لیکن اہم ترین مسئلہ اسلامی سیاست ہے۔ اسلام کے اقتصادی و حقوقی مسائل ہیں۔ انھیں پر ہمیشہ سے دارومدار رہا ہے اور رہنا بھی چاہیئے۔ ہمارا فریضہ ہے کہ ابھی سے ایک واقعی حکومتِ اسلامی کی بنیاد رکھنے میں کوشش سے کام لیں، تبلیغ کریں، تعلیم دیں، ہم نوا بنائیں۔ ایک تبلیغی و فکری سلسلہ شروع کریں تاکہ ایک اجتماعی صورت پیدا ہوجائے اور رفتہ رفتہ گروہ در گروہ دین دار افراد نہضتِ اسلام کے لئے قیام کریں اور اسلامی حکومت کی تشکیل کریں۔

تبلیغ و تعلیم ہی دو اہم بنیادی چیزیں ہیں۔ فقہاء کا فریضہ ہے کہ اسلام کے عقائد، نظام احکام کی تبلیغ کریں اور لوگوں کو تعلیم دیں۔ تاکہ

اجرائے احکام اور نظامِ اسلام کی برقراری کے لئے معاشرہ میں زمین ہموار ہو جائے۔ آپ نے خود ملاحظہ فرمالیا کہ حدیث میں فقہاء کی صفت۔ "یعلّمونها الناس" ۔ "لوگوں کو مسائل کی تعلیم دیتے ہیں" آئی ہے۔

بالخصوص ایسے شرائط کے سلسلہ میں استعماری سیاستیں، ستم گر حاکم، خائن حکام، یہودی، نصاریٰ، مادی حضرات، حقائقِ اسلام کی تحریف اور مسلمانوں کے گمراہ کرنے کی فکر میں لگی رہتی ہیں۔ اس سلسلہ میں تبلیغ و تعلیم کی مسؤلیت ہر وقت سے زیادہ ہمارے اوپر ہے۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہودیوں نے "خذلهم الله" ۔ قرآن میں تصرف کر دیا ہے اور جو قرآن ان مناطق میں شائع ہوئے ہیں، ان میں کافی تغیرات ہیں۔ ہمارا فریضہ ہے کہ اس قسم کے خائنانہ تصرفات کو روکیں۔ اس پر ہنگامہ کرنا چاہیئے، لوگوں کو متوجہ کرنا چاہیئے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہودی اور ان کے پشت پناہ سب ہی اسلام کے مخالف ہیں یہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں یہودی حکومت قائم ہو جائے اور چونکہ یہ لوگ بہت موذی اور کام کرنے والے ہیں اس لئے مجھے خطرہ ہے کہ کہیں یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو جائیں اور ہم میں سے بعضوں کی سستی کا نتیجہ کہیں یہ نہ ہو جائے کہ ہمارے اوپر یہود کی حکمرانی ہو جائے خدا وہ دن نہ لائے۔ دوسری طرف کچھ مستشرقین جو استعماری موسسات کے عمیل ہیں، ان کی بھی یہی کوشش ہے کہ حقائقِ اسلام کو تحریف کرکے الٹا پیش کریں۔ استعماری مبلغین سرگرم کار ہیں۔ اسلامی شہروں کے گوشہ گوشہ میں ہمارے جوانوں کو غلط تبلیغ کرکے ہم سے الگ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ یہودی یا نصرانی نہیں بنانا چاہتے۔ وہ تو بے دین و لاابالی بنانا چاہتے ہیں۔ استعمار گروں کے لئے یہی کافی ہے۔ خود ہمارے تہران میں مرکز تبلیغات موجود ہیں۔ کلیسا صیہونیت اور بہائیت کا وجود ہو چکا ہے کہ جس سے لوگوں کو گمراہ کرکے بے دین بنا دیں۔ کیا ایسے مراکز۔ جو اسلام کے لئے نقصان دہ ہیں۔ کا برباد کر دینا ہمارا فریضہ نہیں ہے؟ کیا صرف نجف کا باقی رہنا ہمارے لئے کافی ہے؟ حالانکہ وہ بھی نہیں ہے۔ کیا قم میں بیٹھ کر غم مناتے رہیں یا اس کے برخلاف زندہ و فعال بنیں؟

آپ حضرات جو نسلاً جوان ہیں ان کا فریضہ ہے کہ حوزہ ہائے روحانیت کو باقی رکھیں۔ امر خدا کو زندہ رکھیں۔ آپ جوان ہیں اپنی فکروں میں تکامل پیدا کیجئے۔ علوم کے دقائق و حقائق

کے اطراف جو افکار گردش کرتے ہیں، ان کو چھوڑیئے۔ کیونکہ یہ ریز بینی ہم میں سے بہتوں کو احساسِ مسؤلیت سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ اسلام کی مدد کیجئے، مسلمانوں کو خطرات سے بچایئے۔ یہ لوگ اسلام کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام اور رسولِ اسلام کے نام پر اسلام کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ تمام حوزہائے خارجی و داخلی کے مبلغین — خواہ وہ استعمار کے تابع ہوں یا ایسے داخلی مبلغ ہوں جو دیہاتوں میں جاکر ہمارے بچوں اور نوجوانوں کو خراب کر رہے ہیں — کے ساتھ انصاف کیجئے۔

آپ کا فریضہ ہے، جو علمِ فقہ آپ نے حاصل کیا ہے اسکو لوگوں میں نشر کریں۔ یاد کئے ہوئے مسائل لوگوں کو بتایئے۔ روایت میں اہلِ علم کی جو تعریف و تمجید آئی ہے وہ اسی لئے ہے کہ احکام وعقائد و نظامِ اسلام کا تعارف کرایئے۔ سنتِ رسول کی تعلیم لوگوں کو دیجئے اور تبلیغ و تعلیم میں کوشش کیجئے۔ اسلام کے سلسلہ میں جو ابہام پیدا کر دیا گیا ہے۔ ہمارا فریضہ ہے کہ اس کو دور کریں۔ ہم کو چاہیئے کہ خود اور آنے والی نسلوں کو آمادہ کریں اور ان کو بتائیں کہ تم اپنے بعد آنے والی نسلوں کو مامور کرو کہ چند صد سالہ غلط تبلیغ کا اثر جو ذہنوں میں پیدا ہوگیا ہے — حد یہ ہے کہ بہت سے پڑھے لکھے ذہن بھی اس کے شکار ہو گئے ہیں — اس کو ختم کریں اور اسلام کی صحیح تعلیم ذہن نشین کرائیں۔ حکومتِ اسلامی کا تعارف کرائیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے اسلام کیا ہے؟ اس کے قوانین کیسے ہیں؟ آج حوزہ قم، حوزۂ مشہد اور دیگر حوزہ ہائے علمیہ کا فریضہ ہے کہ اسلام کی تبلیغ کریں۔ لوگ اسلام کو نہیں پہچانتے۔ آپ کو چاہیئے اپنے کو، اپنے اسلام کو، رہبری کے نمونوں کو، حکومت اسلامی کو دنیا کو پہچنوائیں خصوصاً عقلاء کو، پڑھے لکھے افراد کو، طلاب کو بتائیں، طلباء کی آنکھیں کھلی ہیں اگر ان کو صحیح اسلامی حکومت کا تعارف کرایا جائے تو آپ یقین رکھیئے یونیورسٹی کے طلباء استقبال کریں گے۔ طلباء ظلم و استبداد کے مخالف ہیں۔ استعماری حکومتوں کے مخالف ہیں۔ اموالِ عمومی کے غارت گری کے مخالف ہیں۔ حرام خوری، دروغ گوئی کے مخالف ہیں۔ لیکن ایسا اسلام جس کی تعلیم ایسی ہو۔ جیسا کہ بیان کر چکے۔ اس کا کوئی طالبِ علم، کوئی یونیورسٹی مخالف نہیں ہے۔ ان کے ہاتھ نجف اشرف کے حوزہ علمیہ کی طرف بڑھے ہوئے ہیں کہ ہمارے لئے کچھ فکر کیجئے۔ کیا ہم بیٹھے رہیں؟ جب تک کہ خود وہ لوگ ہمیں

امر بمعروف کے انجام دہی کی دعوت نہ دیں؟ یورپ کے جوان ہم کو دعوت دیں کہ ہم نے حوزۂ اسلامی کی تشکیل دے لی ہے۔ آپ ہماری مدد کیجئے؟ ہم کو امر بمعروف کیجئے؟ ہمارا فریضہ ہے کہ ان مطالب کی یاد دہانی کرائیں۔ اسلامی حکومت کا طریقہ، صدر اسلام میں حکامانِ اسلام کا رویہ بیان کریں اور کہیں کہ دارالامارہ، دکۃ القضاء (وزارتِ عدل و انصاف) کا وجود مسجد کے گوشہ میں تھا اور حکومت کا دامن انتہائے ایران، مصر، حجاز، یمن تک پھیلا ہوا تھا۔ افسوس جب حکومت بعد والے طبقہ تک پہنچی تو طرزِ حکومت بدل گیا۔ طرزِ حکومت سلطنتی — بلکہ اس سے بھی بدتر — ہوگیا۔

ان مطالب کو لوگوں تک پہنچانا چاہیئے اور ان کو سیاسی و فکری رشد دینا چاہیئے۔ ان کو بتانا چاہیئے کہ ہم کس قسم کی حکومت چاہتے ہیں؟ ہمارے حکام کو کیسا ہونا چاہیئے؟ ان کو کس قسم کی سیاست پر عمل کرنا چاہیئے؟

اسلامی حکومت کا ذمہ دار وہ ہے جو اپنے حقیقی بھائی — حضرت عقیل — کے ساتھ ایسا سلوک کرے کہ پھر زندگی بھر ایک حبہ اضافہ مانگنے کی ہمت نہ پڑے ہم کو ایسے حاکم کی ضرورت ہے۔ ہم ایسا حاکم چاہتے ہیں۔ ایسا حاکم جو قانون کا اجراء کر سکے۔ نہ یہ کہ خواہش کا بندہ ہو۔ تمام لوگوں کو قانون کی نظر میں برابر سمجھے۔ افراد کے درمیان امتیاز سے کام نہ لے۔ اپنے اور دوسرے کے خاندان کو ایک نظر سے دیکھے۔ اگر بیٹا چوری کرے تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دے۔ اگر بہن بھائی ہیروئن فروشی کریں تو ان کو بھی اعدام کرے۔ ایسا نہ ہو کہ کچھ لوگوں کو دس گرام ہیروئن کی خاطر قتل کرا دے۔ اور کچھ لوگوں کے پاس منوں ہیروئن ہوں تو ان سے کچھ نہیں کہے۔

تبلیغات و تعلیمات کے لئے اجتماعات

اسلام کے بہت سے عبادی احکام ایسے ہیں کہ ان سے اجتماعی و سیاسی خدمات حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اسلامی عبادتیں معاشرہ کے تدبیر و سیاست کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔ مثلاً نمازِ جمعہ، جماعت، حج، وغیرہ آثار اخلاقی و اعتقادی

کے ساتھ آثار سیاسی بھی اس میں موجود ہیں۔ اسلام نے اس قسم کے اجتماعات کا اہتمام کیا ہے۔ تاکہ اس سے دینی فوائد بھی حاصل کئے جاسکیں۔ عواطف برادری کو تقویت پہنچے۔ فکری رشد اور زیادہ ہو جائے۔ اپنی اجتماعی و سیاسی مشکلات کا راستہ تلاش کرلیا جائے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ عبادت بھی ہوتی رہے۔

غیر اسلامی ممالک یا غیر اسلامی حکومتیں جب اسلامی حکومتوں میں ایسے اجتماعات کرنا چاہتے ہیں تو کروڑوں روپے کے خرچ کرنے پر مجبور ہیں۔ مگر اسی کے ساتھ ان کے اجتماعات بے صفا، اور آثار خیر سے عاری ہوتے ہیں۔ اسلام نے ایسا انتظام کیا ہے کہ ہر شخص خود ہی چاہتا ہے کہ حج کرنے جائے۔ خود ہی اپنے شوق سے نماز جماعت میں شرکت کرے۔ اس قسم کے اجتماعات میں ہم کو دینی تبلیغات اور تعلیمات اور نہضت اعتقادی و سیاسی اسلامی کا فائدہ حاصل کرنا چاہیئے۔ کچھ لوگوں کو اس کی پرواہ ہی نہیں ہے۔ ان کو اس کے علاوہ کوئی فکر نہیں ہے کہ " ولا الضالین " کو مخرج سے اچھی طرح ادا کر سکیں۔ حج میں جاکر برادران اسلامی تفاہم کرنے اور احکام اسلام کے نشر کرنے کی بجائے تجارت کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ حالانکہ چاہیئے وہاں پر مسلمانوں کے عمومی مصائب و مشکلات کا حل تلاش کریں مثلاً فلسطین۔ جو وطن اسلام ہے۔ کے آزاد کرانے کے لئے اپنے اختلافات کو چھوڑ کر باہم سر جوڑ کر کوشش کریں۔ صدر اسلام کے مسلمان حج و جمعہ و جماعت کے اجتماع میں اہم کام انجام دے لیا کرتے تھے۔ خطبۂ جمعہ میں یہ نہیں تھا کہ ایک سورۂ اور دُعا پڑھ لیں اور اور چند کلمے ادا کر دیں اور بس۔ بلکہ جمعہ کے خطبوں میں لشکر کی تیاری کا اعلان ہوتا تھا لوگ مسجد سے میدان جنگ کی طرف جاتے تھے۔ ظاہر ہے جو مسجد سے میدان جنگ کی طرف جائے گا وہ خدا کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرے گا۔ وہ قتل ہونے، آوارہ وطن ہونے سے نہیں ڈرے گا۔ اسی قسم کا لشکر فاتح و کامیاب ہوتا تھا۔ اگر آپ جمعہ کے خطبے، حضرت علی کے خطبوں کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو جائے گا۔ ان خطبوں کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو راستہ پر لگایا جائے، ان میں حرکت پیدا کی جائے، ان کو جنگ کے لئے آمادہ کیا جائے اسلام کے لئے فدائی اور مجاہد تیار کئے جائیں، دنیا کے لوگوں کی پریشانیوں کو دور کیا جائے۔ اگر مسلمان ہر جمعہ کو مجتمع ہوا کرتے، مسلمانوں کے اجتماعی مشکلات کا تذکرہ کیا کرتے، اور اس کے رفع کی کوشش کیا کرتے تو نوبت یہاں تک

نہ پہنچتی۔ اس زمانہ میں ایسے اجتماعات کا فراہم کرنا ضروری ہے تاکہ اس سے تبلیغات و تعلیمات کا استفادہ کرسکیں۔ اس طرح سے اسلام کی اعتقادی و سیاسی نہضت وسعت پیدا کرے گی اور اس کو ترقی نصیب ہوگی۔

ایک اور عاشورہ کا وجود ضروری ہے

اسلام کو پیش کیجئے اور عاشورہ کی طرح لوگوں میں اس کو پیش کیجئے جس طرح عاشورہ کو محفوظ رکھا گیا ہے کہ لوگ اس دن ماتم کرتے ہیں، اجتماع کرتے ہیں۔ ان کے مؤسس پر لاکھوں سلام۔ اسی طرح آپ ایسا کام کیجئے کہ حکومت کے لئے ایک موج پیدا کر دے، اس میں بھی منبری پیدا ہوں اور لوگوں کے ذہن میں صحیح اسلام کو پیش کریں۔

اگر اسلام کی معرفی کی جائے اور اسلام کے اجتماعی نظام، اصول و احکام سے لوگوں کو پہنچوایا جائے، تو خدا شاہد ہے، باشتیاق کامل لوگ اس کا استقبال کریں گے۔ کیونکہ اس کے چاہنے والے بہت ہیں۔ میں نے تجربہ کیا ہے۔ جس وقت کوئی تقریر ہوتی تھی لوگوں میں ایک ہیجان پیدا ہو جاتا تھا۔ کیونکہ تمام لوگ اس وضع سے ناراض و ناراحت ہیں۔ کیونکہ نوک نیزہ پر کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔ لوگ تو ایک ایسے شخص کے خواہش مند ہیں جو میدان میں آئے اور بہادری کے ساتھ گفتگو کرسکے۔ آپ اسلام کے دلیر فرزند ہیں۔ آپ کو مردانہ وار کھڑا ہونا چاہیئے۔ اور لوگوں کے لئے تقریر کرنی چاہئے۔ حقائق کو سادہ زبان میں لوگوں کے لئے بیان کیجئے اور ان کو حرکت میں لائیے۔ کوچہ و بازار کے لوگوں میں ارے انھیں مزدوروں میں، پاک دل دیہاتوں میں، بیدار مغز طلبہ میں مجاہد بنائیے۔ تمام لوگ مجاہد بن جائیں گے۔ معاشرے کے ہر قسم کے لوگ اس بات پر آمادہ ہیں کہ ملت کی سعادت اور آزادی و استقلال کے لئے مبارزہ کریں۔ آزادی و سعادت کے لئے مبارزہ دین کا محتاج ہے۔ اسلام جو مکتب جہاد و دین مبارزہ ہے، اس کو لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچایئے تاکہ وہ اپنے عقائد و اخلاق کو اسی کے سانچے میں ڈھال لیں اور پھر مجاہدانہ سرگرمی کے ساتھ استعماری حکومت

کو سرنگوں کر کے اسلامی حکومت قائم کریں ۔ فقہاء " اسلام کے قلعے " ہیں ۔ ان
کو چاہیئے عقائد و نظامِ اسلام کی معرّفی کریں ' اس کی حفاظت کریں اور اس
معرّفی و حفاظت کو دھواں دھار تقریروں میں ثابت کریں ۔ اس طرح اگر ایک سو بیس
سال تک تبلیغ کرتے رہیں تب لوگوں کو احساس ہوگا کہ ہاں اسلام پر کوئی مصیبت
آگئی ہے اور اس میں کوئی خلا پیدا ہوگیا ہے اور روایت کی زبان میں ـــــ
ثلم فی الاسلام ثلمۃ لایسد ھاشی کا مصداق ہوگیا ہے ۔ یہ جو
حضرات ائمہؑ نے فرمایا ہے کہ فقیہہ کے مرنے سے دیوارِ اسلام میں ناقابلِ درستگی
خلا پیدا ہو جاتا ہے ' کیا اس سے میری موت مراد ہے کہ جو دن بھر گھر میں مطالعہ
کرنے کے علاوہ کوئی بھی کام نہیں کرتا ؟ بھلا میرے مرجانے سے کون سا خلا پیدا ہو جائے
گا اسلام میں خلا اسوقت پیدا ہوتا ہے جب امام حسینؑ جیسی شخصیت دنیا سے
اُٹھ جائے ۔ جو علماء عقائد و قوانین اور نظامِ اجتماعی اسلام کے محافظ ہیں ۔
جیسے خواجہ نصیر الدین طوسیؒ ۔ علامہ حلّیؒ وغیرہ ۔ ان کے مرجانے سے اسلام میں
خلا پیدا ہو جاتا ہے ۔ میرے یا آپ کے مرجانے سے کیا دیوارِ اسلام میں خلا پیدا ہوگا ؟
کیا ہم اس روایت کے مصداق ہیں ؟ ہم میں سے ہزاروں آدمی بھی مرجائیں تو کوئی اثر نہیں
پڑے گا ۔ ہم یا تو واقعی طور پر فقیہہ نہیں ہیں یا پھر واقعی طور پر مومن نہیں ۔

طویل سفر

کسی عقل مند کو یہ نہیں سوچنا چاہیئے کہ ہماری تبلیغ و تعلیم سے بہت
جلد اسلامی حکومت بن جائے گی ۔ اسلامی حکومت کے قیام کے لئے مختلف
قسم کی فعّالیت مسلسل ضروری ہے ۔ اس مقصد کی تکمیل میں مدّت مدید کی ضرورت ہے
زمانہ کے عقلمند ایک پتھر ایک جگہ پر رکھ دیتے ہیں کہ دو سو سال کے بعد کوئی
دوسرا اس پر بنیاد رکھے ۔ اس طرح وہ لوگ اپنے مقصد پر پہنچ جاتے ہیں ۔ خلیفہ نے
ایک بڈھے سے کہا جو اخروٹ کا درخت لگا رہا تھا کہ بڈھے یہاں ایسا درخت
لگا رہے ہو کہ تمہارے مرنے کے پچاس سال بعد اس پر پھل آئے گا
بڈھے نے کہا دوسروں نے لگایا تھا ہم نے کھایا اب ہم لگا رہے ہیں
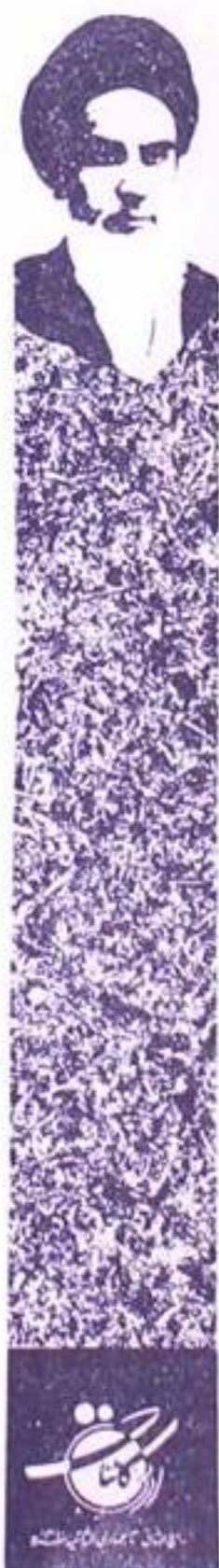
تالہ دوسرے کھائیں۔

ہماری فعالیت کا نتیجہ اگر آنے والی نسلوں کے لئے بھی ہو تو ہم کو مسلسل کوشش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اسلام کی خدمت ہے۔ انسانوں کی سعادت کے لئے یہ کام ہے۔ کوئی شخصی چیز نہیں ہے کہ ہم یہ کہہ کر ٹال دیں کہ کہ بھائی اس کا نتیجہ ابھی تو حاصل نہ ہوگا دوسروں کو اس سے فائدہ ہوگا اس لئے ہم سے کیا واسطہ؟ سید الشہداؑ نے اپنے تمام مادّی جہات کو داؤں پر لگا دیا اگر حضرتؑ اس قسم کی فکر کرتے اور تمام کام ذاتی فائدے کے لئے انجام دیتے تو شروع ہی سے بیعت کر لیتے قصہ پاک تھا اموی حکومت تو خدا سے چاہتی تھی کہ حسینؑ بیعتؑ کرلیں اور حکومت کا ساتھ دیں۔ ان کے لئے اس سے بہتر کیا ہو سکتا تھا کہ امام وقت نواسہ رسول انکو "امیرالمومنین" کہے اور ان کی حکومت کو قبول کرے۔ لیکن حضرتؑ تو اسلام و مسلمانوں کے مستقبل کی فکر کر رہے تھے کہ مستقبل میں میرے مقدس جہاد کا نتیجہ یہ ہو کہ اسلام کا سیاسی و اجتماعی نظام انسانوں میں نشر ہو سکے اس لئے آپ نے اتنی بڑی قربانی دے دی!

جس روایت کو پہلے عرض کر چکا اس میں دقتِ نظر سے کام لیجئے کہ امام جعفر صادقؑ جو تقیہ کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ قوت اجرائی ان کے پاس نہیں تھی! اکثر اوقات محاصرہ و نگرانی میں بسر فرماتے تھے۔ مسلمانوں کی فکر میں رہتے تھے لہٰذا ان کے لئے تکلیف معین کر گئے، حاکم اور قاضی متعین کر گئے۔ حضرت کے اس کام کا کیا مقصد تھا؟ اصولاً اس عزل و منصب کا کیا فائدہ تھا؟ وسیع الفکر حضرات کبھی مایوس نہیں ہوا کرتے اور اپنی وضع فعلی کی قید میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور یہ بھی معلوم نہیں قید سے چھٹکارا نصیب ہوگا بھی کہ نہیں۔ کو نہیں سوچتے۔ اپنے مقصد کی پیش رفت کے لئے جس طرح بھی ہو نقشہ بناتے رہتے ہیں تاکہ اگر ہو سکے تو خود اس مقصد کی تکمیل کر سکیں اور اگر ان کو زمانہ مہلت آئے تو دوسرے حضرات چاہے۔ دو سو تین سو سال کے بعد سہی۔ اس مقصد کی تکمیل کر سکیں زیادہ تر انقلابات ایسے ہی ہوتے ہیں۔

انڈونیشیا کے سابق رئیس جمہوریہ قید خانے میں بھی اس فکر میں مبتلا رہا کرتے تھے اور ایسے نقشہ بنائے کہ بعد میں خود انہوں نے اسکو عملی جامہ پہنایا۔

امام جعفر صادقؑ نے نصب بھی فرمایا ہے۔ حضرت کا یہ نصب اگر اسی دن کے لئے تھا تو یقیناً فائدہ مند نہیں تھا لیکن حضرت تو آئندہ کی فکر میں تھے ہماری طرح نہیں تھے۔ کہ صرف اپنی فکر کرو۔ بلکہ آپ امت کی فکر کرتے تھے بشر کے لئے فکر کرتے تھے۔ تمام دنیا کے لئے فکر کرتے تھے۔ آپ انسانوں کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ عدل کے قانون نافذ کرنا چاہتے تھے۔ ایک ہزار و چند سو سال پہلے اس وقت تک کے لئے بنیاد رکھنی چاہیئے کہ ملتیں بیدار ہو جائیں، ملتِ اسلام آگاہ ہو جائے اور قیام کرے پھر کوئی تحیر نہ رہ جائے حکومتِ اسلامی کی وضع اور رئیس اسلام معلوم و مشخص ہو جائے۔

اصولی طور پر دینِ اسلام، مذہب شیعہ اور باقی مذاہب و ادیان نے اسی طرح ترقی کی ہے۔ یعنی ابتدا سوائے بنیاد گذاری کے اور کچھ نہیں تھا اور پھر رہبروں اور ہادیوں کی کوشش سے ثمرہ خیز ہوا۔

جناب موسیٰ ایک جگہ گلہ بان تھے اور بس۔ مدتوں گلہ بانی کرتے رہے۔ اور جب فرعون کے مقابلہ کو مامور ہوئے، تو کوئی مددگار نہیں تھا۔ لیکن اپنی ذاتی صلاحیت اور عصا کے ساتھ قیام کر کے فرعون کی حکومت کے پرخچے اڑا دیئے۔ اگر جناب موسیٰ کا عصا ہمارے اور آپ کے ہاتھ میں ہوتا تو کیا ہم اور آپ یہ کام انجام دے سکتے تھے؟ اس عصا سے بساط فرعون کو الٹنے کے لئے موسیٰ کی ہمت و کوشش درکار ہے۔ یہ ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ پیغمبر اسلامؐ جب مبعوث برسالت ہوئے اور تبلیغ شروع کی تو ایک آٹھ سالہ بچہ (حضرت علیؑ) اور چالیس سالہ عورت (جناب خدیجہؑ) حضرت پر ایمان لائیں۔ ان دو کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ دنیا جانتی ہے کہ حضرت کو کتنی اذیتیں پہنچائی گئیں اور کس قدر مخالفت کی گئی۔ لیکن آپ مایوس نہیں ہوئے اور نہ یہ فرمایا کہ میرے پاس کوئی نہیں ہے۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔ بلکہ آپ نے روحِ قدرت اور عزم محکم کے ساتھ قیام فرمایا اور رسالت کو اس منزل پر پہونچا دیا کہ آج سات سو ملیون شخص آپ کے جھنڈے

کے نیچے موجود ہیں۔

مذہب شیعہ بھی شروع ہوا جس دن پیغمبر اسلام نے اسکی بنیاد رکھی تھی لوگوں نے مذاق اڑایا تھا۔ جب آپ نے (دعوت ذوالعشیرہ) لوگوں کو جمع کرکے دعوت کی اور فرمایا جو ایسا ایسا ہوگا وہی میرا وزیر ہے۔ اس وقت سوائے حضرت علیؑ جو اس وقت سن بلوغ کو نہیں پہونچے تھے۔ لیکن عظیم روحانی طاقت کے مالک تھے۔ کوئی اپنی جگہ سے نہیں اُٹھا بلکہ ایک شخص نے جناب ابو طالب کو مخاطب کرکے ازراہِ مذاق کہا اب تم کو اپنے بیٹے کے جھنڈے کے نیچے چلنا پڑے گا۔

جس دن حضرت علیؑ کی حکومت وولایت کا اعلان کیا گیا ظاہری مبارکباد (بخ بخ) بلند ہوئی لیکن اسی دن سے مخالفت بھی شروع ہو گئی۔ جو حضرت کی زندگی بھر باقی رہی۔ بلکہ مرنے کے بعد تک۔ مترجم۔ اگر رسولِ خداؐ صرف مسائل شرعیہ میں مرجع بنادیتے تو کسی قسم کی مخالفت نہ ہوتی۔ لیکن چونکہ حضرتِ علی کو منصب (جانشینی) مرحمت فرمایا گیا۔ مسلمانوں کا حاکم معین کیا گیا اس لیئے یہ مخالفتیں ہوئی۔ آپ بھی اگر آج اپنے گھر میں بیٹھ جائیے حکومت کے کاموں میں دخل نہ دیجئے تو لوگوں کو آپ سے کوئی پرخاش نہیں ہوگی لوگوں کو آپ سے اس وقت اختلاف پیدا ہوگا جب ملکی معاملات میں آپ دخل دینا چاہیں گے۔ حضرت علی اور شیعہ چونکہ حکومتی معاملات میں دخل دیتے تھے۔ لہذا ہمیشہ مصیبتوں میں گرفتار رہے۔ لیکن پھر بھی آپ اپنی فعالیت وجہاد سے دست بردار نہیں ہوئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج حضرت علیؑ کی تبلیغ کے طفیل دنیا میں دو سو ملیون شیعہ موجود ہیں۔

حوزہ ہائے روحانیت کی اصلاح

اسلام کی معرفی کا لازمہ یہ ہے کہ حوزہ ہائے روحانیت کی اصلاح کی جائے۔ اس ترتیب سے کہ درسی نظام اور تعلیم وتبلیغ کی روش (دونوں) مکمل ہو جائیں سستی، کاہلی، مایوسی، نفس عدم اعتماد کی جگہ (جدیت) کوشش
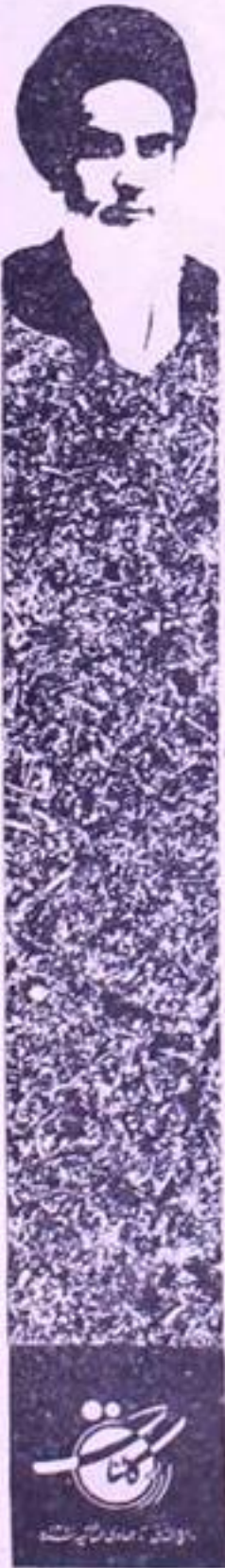
امید، نفس پر اعتماد پیدا ہو جائے۔ اجنبی تبلیغات کا اثر جو بعضوں میں سرایت کر گیا ہے۔ وہ ختم ہو جائے۔ مقدس نما حضرات کی جماعت جو حوزہ ہائے روحانیت کے اندر لوگوں کو سلام اور اجتماعی اصلاحات سے روکتی ہے اسکی اصلاح ہو جائے۔ درباری ملّا جو دین کو دنیا کی خاطر بیچ ڈالتے ہیں ان کو اس لباس سے الگ کر دیا جائے۔ اور ان کو حوزہ ہائے روحانیت سے نکال دیا جائے۔

استعمار کے اخلاقی و فکری اثرات کا ختم کرنا ضروری ہے

استعماری قوتیں صدیوں سے زہر بو رہی ہیں۔ اور لوگوں کے اخلاق کو فاسد و برباد کر رہی ہیں۔ ظاہر سی بات ہے۔ کہ ایسے لوگوں میں سے جو حضرات حوزہ ہائے روحانیت میں آئیں گے۔ وہ طبعی طور پر برُے افکار و اخلاق کو بھی اپنے ساتھ لائیں گے۔ اس قسم کی تعلیم گاہیں لوگوں اور معاشرہ کا ایک جز ہیں۔ اس لئے افراد حوزہ کے فکری و اخلاقی اصلاح کی طرف ہم کو متوجہ ہونا چاہیئے۔ جو فکری اور روحی آثار بیگانوں کی تبلیغ و تلقین سے ان میں پیدا ہو گئے ہیں۔ ان کا ختم کرنا ضروری ہے۔

ایسے آثار کا وجود ہے۔ آپ نے بھی مشاہدہ کیا ہوگا۔ مثلاً بعضوں کو دیکھتے ہیں کہ درسوں میں بیٹھ کر ایک دوسرے کے کان میں کہتے ہیں۔ کہ یہ کام تو ہمارے بس کا نہیں ہے۔ ہم کو ان چیزوں سے کیا کام؟ ہم کو دعا کرنا چاہیئے اور مسائل بیان کرنا چاہیئے۔ یہ افکار بیگانوں کی تبلیغ و تلقین سے پیدا ہوئے ہیں۔ استعمار گروں کی چند صد سالہ غلط تبلیغ کا نتیجہ ہے جو نجف و قم و مشہد کے دل کی گہرائیوں تک پہونچ چکا ہے اور اسی وجہ سے کاہلی اور سستی پیدا ہو گئی ہے۔ ان کے پاس اپنی کوئی فکر نہیں ہے۔ یہ برابر یہی عذر کرتے رہتے ہیں۔ ہم کو ان چیزوں سے کیا واسطہ؟

یہ غلط افکار ہیں۔ آخر اسلامی ملکوں میں حکومت کرنے والے کیا کرتے ہیں؟ وہ کونسا ایسا کام کرتے ہیں کہ جس کو ہم نہیں کر سکتے؟ ان میں سے کون ایسا

ہے جس کی لیاقت عام انسانی افراد سے زیادہ ہے ؟ ان میں سے بہت
سے تو بے پڑھے لکھے ہیں۔ حجاز کا بادشاہ کتنا پڑھا لکھا ہے اور اس نے
کیا پڑھا ہے ؟ رضا خان تو بالکل جاہل تھا۔ سپاہی تو جاہل ہی ہوتے ہیں
تاریخ میں بھی ایسا ہی ہوتا آیا ہے ۔

بہت سے خود سر و مسلط حکام' معاشرہ کے ارادہ سے' تدبیر ملت
سے، علم و فضیلت سے بے بہرہ تھے۔ ہارون رشید یا دوسرے بادشاہ
جو اتنی بڑی سلطنت پر حکومت کرتے تھے۔ آخر انہوں نے کیا پڑھا تھا؟
تعلیم اور فنون میں تخصیص اجرائی کاموں کے لئے ضروری ہے کہ ہم بھی ایسے
اشخاص کے وجود سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ جو باتیں نظارت اور ملکی انتظام'
لوگوں کے درمیان عدالت وغیرہ کیلئے لازمی ہیں۔ وہ سب وہی ہیں جن کو فقیہہ
حاصل کرتا ہے۔ آزادی ملت کی حفاظت واستقلال کے لئے جو باتیں ضروری ہیں
وہ سب فقیہہ کے پاس ہوتی ہیں۔

یہ مجتہد ہی ہوتا ہے۔ جو دوسرے کا زیر بار نہیں ہوتا اور بیگانوں
کی غلط تبلیغ سے متاثر نہیں ہوتا۔ حقوق۔ ملت' آزادی اور استقلال' وطن اسلام
کی زمین کا۔ جو جان کی بازی لگا کر دفاع کرتا ہے۔ جو داہنے بائیں کبھی انحراف
نہیں کرتا ہے وہ فقیہہ ہی ہوتا ہے۔

آپ حضرات اپنی افسردگی کو دور کریں۔ اپنی تبلیغات کو مکمل کریں اسلام
کی معرفی میں واقعی کوشش کریں۔ اسلامی حکومت کی تشکیل کے لئے اپنے میں
عزم محکم پیدا کریں اور اس راہ میں آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔

حریت پسند حضرات کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اسلامی حکومت کی بنیاد
ڈالیں اپنے پر اعتماد کیجئے۔ آپ جو یہ قدرت و جرأت و تدبیر رکھتے ہیں اور آزادی و
استقلال ملت کے لئے کوشاں ہیں اگر آپ نے اپنے جیسے لوگوں کو بیدار کیا اور استعمار
واستبداد کے قصر کو لرزہ بر اندام کر دیا تو روز بروز آپ کا تجربہ زیادہ ہوگا
آپ کی تدبیر و لیاقت اجتماعی کاموں میں زیادہ ہوگی۔ جب آپ اس بات
پر قادر ہو جائیں کہ حاکم جور کو سرنگوں کریں تو گویا آپ نے عہدۂ حکومت و
رہبری کو پورا کیا۔ اگر ملکی انتظام کے لئے مالیات اور درآمد کی ضرورت ہے،

تو اسلام نے اس کو بیان کر دیا ہے۔ اگر آپ کو قانون کی ضرورت ہے
تو اسلام پہلے ہی قانون بنا چکا ہے۔

اسلامی حکومت کی تشکیل کے بعد آپ کو قانون وضع کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ بیگانہ پرست حکام کی طرح دوسروں سے قانون مانگنے کی ضرورت ہے۔ مادی چیزیں مہیا اور تیار ہیں۔ صرف تشکیل وزارت کا کام باقی رہ جاتا ہے۔ اسے آپ اس فن کے متخصص کی مدد سے معین کر سکتے ہیں۔

خوش قسمتی سے ملتیں آپ کی تابع ہیں۔ آپ کے پاس جس چیز کی کمی ہے وہ ہمت اور اسلحہ ہیں۔ انشاءاللہ اسے بھی ہم حاصل کر سکیں گے ہمیں عصاء موسیٰ اور ہمت موسیٰ کی ضرورت ہے۔ ہمیں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جن کے پاس جناب موسیٰ کا عصاء اور علیؑ ابن ابی طالبؑ کی تلوار ہو۔ ہاں دینی درس گاہوں میں ایسے بیکار قسم کے لوگ بھی ہیں۔ جو تشکیل حکومت کا کام نہیں کر سکتے۔ وہ اتنے ناکارہ ہیں۔ کہ قلم کو جنبش بھی نہیں دے سکتے اور نہ اسلام کی راہ میں کوئی قدم اٹھا سکتے ہیں۔ انگریزوں نے ہمارے کان میں یہ کہہ دیا ہے۔ (مولانا آپ اپنے کام سے کام رکھئے۔ درس و تدریس میں مشغول رہیئے آپ کو ان چیزوں سے کیا مطلب یہ آپ کے بس کا روگ نہیں ہے) اور ہم کو بھی یہ یقین آگیا ہے کہ ہم سے کچھ نہیں ہو سکتا اور اب تو صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ اس غلط تبلیغ کا اثر اگر ہم لوگوں کے ذہنوں سے ہٹانا چاہیں اور ان سے کہیں کہ آپ بھی رئیس بستر بن سکتے ہیں۔ آپ بھی دوسروں کی طرح ہیں آپ بھی حکومت کا ادارہ کر سکتے ہیں۔ آخر دوسروں میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں کہ جو آپ میں نہیں ہیں۔ بس اتنا فرق ہے کہ بعض ان میں سے دوسری جگہوں پر جا کر وقت گذار چکے ہیں یا کچھ لکھ پڑھ سکے ہیں۔ تو ان کو کسی طرح اسکا یقین نہیں آئے گا۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ علم نہ حاصل کریں۔ ہم علم کے مخالف نہیں ہیں۔ اگر آپ چاند پر جائیں۔ ایٹمی اسلحہ بنائیں۔ تو ہم آپ کو اس سے نہیں روکتے۔ لیکن ان جگہوں پر بھی آپ کی کچھ شرعی تکلیف ہے۔ آپ اسلام کو پہچنوائیں۔ اسلام کے حکومتی پیغام دنیا تک پہونچائیں ہو سکتا ہے۔ کہ یہ

بادشاہان وقت ممالک اسلامی کے رئیس جمہوریہ اس بات کی طرف متوجہ ہو جائیں کہ یہ بات صحیح ہے اور آپ کے تابع ہو جائیں۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ اُن کے ہاتھوں سے حکومت چھین لیں۔ جو اپنے عہدہ کے لائق ہوں گے اُن کو اُس اس جگہ پر برقرار رکھا جائے گا۔ اور جو نالائق ہوں گے۔ ان کو بہر حال ہٹنا پڑیگا۔

آج دنیا میں ہماری تعداد سات سو ملیون ہے۔ ایک سو ستر ملیون یا اس سے زیادہ شیعہ ہیں۔ یہ سب ہمارے پیرو ہیں۔ لیکن ہم اپنی بے ہمتی کی وجہ سے ان کا ادارہ نہیں کر سکتے۔ ہم کو ایسی حکومت بنانی چاہیئے جو لوگوں کی نظر میں ایماندار ہو۔ لوگوں کو اس پر اطمینان ہو، ہم امانت دار حاکم چاہتے ہیں تاکہ وہ ایمان داری کرے اور ہر شخص قانون کی پناہ میں آسودہ خاطر ہو کر اپنے کاموں میں مشغول رہے۔

یہ وہ مطالب ہیں کہ آپ کو ان کی فکر کرنا چاہیئے۔ آپ مایوس نہ ہوں یہ خیال نہ کیجئے کہ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ خدا جانتا ہے کہ آپ کی لیاقت درحقیقت دوسروں سے کسی طرح کم نہیں۔ البتہ اگر لیاقت کا مطلب ظلم و آدم کشی ہے تو یہ ہمارے پاس نہیں ہے۔

جس زمانہ میں۔ میں اور آقائے قمی، جو ابھی تک قید میں ہیں۔ قید خانہ میں تھے۔ اس وقت ایک نامعقول ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا (بدذاتی، دروغ گوئی کا نام سیاست ہے۔ کمینگی کا نام سیاست ہے۔ مولانا یہ چیزیں ہمارے لئے چھوڑ دیجئے) اس نے یہ بات سچ کہی تھی؟ اگر اس کا نام سیاست ہے تو یہ انہی کے لئے مخصوص ہے۔ اسلام کے پاس جو سیاست ہے۔ مسلمان کے پاس جو سیاست ہونا چاہیئے۔ وہ معصومینؑ کی سیاست ہے۔ اُنہی حضرات کو ساستہ العباد کہا گیا ہے۔ ان کی سیاست کے علاوہ اگر کوئی دوسری سیاست ہے، تو وہ ہم نہیں جانتے۔ وہ چاہتا تھا کہ ہم کو غفلت میں رکھے۔ ہم سے گفتگو کرنے کے بعد اُس نے اخباروں میں جاکر یہ بیان دے دیا۔ (علماء سے اس بات پر معاہدہ ہو گیا ہے کہ علماء سیاست میں دخل نہیں دیں گے) ہم جب قید خانہ سے چھوٹے تو ہم نے منبر پر جاکر اُس کو جھٹلایا اور کہا کہ اُس نے غلط اعلان کیا ہے

وہ جھوٹا ہے۔ اگر خمینی یا کوئی دوسرا ایسی قسم کی بات کرتا ہے تو ہم اُسے باہر کر دیں گے۔ ۱۱۲

ان لوگوں نے شروع سے آپ کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھادی ہے کہ سیاست کے معنی جھوٹ بولنا ہیں تاکہ حکومتی امور سے آپ حضرات دور رہیں اور یہ لوگ اپنا کام کرتے رہیں۔ آپ بھی دُعاگوئی میں مشغول رہیں۔ آپ یہاں بیٹھ کر (خلداللہ ملکہ) کہیئے۔ اور وہ اپنے حسب مرضی جو چاہیں کرتے رہیں جو بیہودہ پن چاہیں کرتے رہیں۔ البتہ بحمداللہ خود ان لوگوں کے پاس اتنی عقل نہیں ہے۔ یہ تو ان کے اُستادوں نے یہ باتیں اُن کے ذہنوں میں بیٹھا رکھی ہیں۔ تین سو سال سے زیادہ انگریزوں کا اثر و نفوذ مشرقی ممالک پر رہا اور یہ ممالک اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس برنامہ کے موجد انگریز ہیں۔ اس کے بعد امریکہ اور دوسری استعماری حکومتیں انگریزوں کے ساتھ ملکر اس کام کے کرنے میں شریک ہوگئیں۔

ایک دن میں ہمدان میں تھا کہ ہمارا ایک طالبِ علم ـــ جو مرد فاضل تھا۔ مگر لباس علماء کا اتار دیا تھا۔ لیکن اس کے اخلاق محفوظ تھے ـــ ہمارے پاس آیا اور ایک بہت بڑے کاغذ کو ہمیں دکھایا جس میں جگہ جگہ سرخ نشان لگے تھے۔ اس نے مجھے بتایا کہ یہ سُرخ نشان اس بات کی علامت ہیں کہ یہ زمین کے نیچے چھپے ہوئے مخازن ہیں۔ جس کو بیرونی ملکوں کے افراد نے کشف کیا ہے۔

دوسرے ملکوں کے جانکار افراد نے ہمارے ملک کی زمین کا مطالعہ کیا اور زمین میں چھپے ہوئے تمام مخازن۔ کہ کہاں پر سونا ہے کہاں تیل ہے اور کہاں ...... کا پتہ لگالیا اور ہمارے افراد کو دیکھا اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ تنہا اسلام اور روحانیت ہی ایک ایسی چیز ہے جو اُن کے مقاصد میں حائل ہے۔ انہوں نے اسلام کی قوت کو دیکھا کہ اس نے یورپ پر تسلط قائم کر لیا تھا اور یہ سمجھ گئے کہ اسلام واقعی اس بساط کا شدید مخالف ہے۔ نیز یہ بھی سمجھ لیا کہ علماء کو یہ اپنا پٹھو نہیں بنا سکتے اور نہ مال و دولت و اقتدار سے ان کے افکار کو بدل

سکتے ہیں۔ اس لیئے پہلے دن سے یہ طے کرلیا کہ اس کانٹے کو راستہ سے ہٹانا ہوگا۔ اسلام کو مختصر اور روحانیت کو برباد کیئے ہوئے بغیر اُن کے مقاصد پورے نہیں ہو سکتے لہذا اپنی تبلیغات کا رُخ اسی طرف موڑ دیا اور اس کا اثر یہ ہوا کہ ہماری نظروں میں چار مسئلہ سے زیادہ کچھ نہیں ہے! دوسری طرف سے ان علماء کو جو جمیعت ہائے اسلامی کے راس و رئیس تھے متہم اور دوسرے ذرائع سے داغدار کرنا شروع کر دیا اس پروگرام کا ایک جزیہ بھی تھا کہ ایک نہایت بے آبرو استعماری قوتوں کا آلہ کار اپنی کتاب میں لکھتا ہے " نجف و ایران کے چھ سو علماء انگریزوں کے وظیفہ خوار تھے۔ شیخ مرتضیٰ دو سال تک وظیفہ لینے کے بعد متوجہ ہو گئے تھے۔ اس کا مدرک اسنادی ہے کہ ہندوستان میں انگلستان کے وزارت خارجہ کے ریکارڈ روم میں موجود ہیں"۔ یہ استعماری لوگ ہیں۔ جو ہم کو گالیاں دیتے ہیں۔ استعماری قوتوں کا جی چاہتا ہے۔ ہر عالم کو اپنے دام میں پھنسائیں ہر شخص سے یہی کہہ کر اسکا تعارف کرائیں تاکہ اسطرح علماء اسلام کو لوگوں میں بدنام کیا جائے اور لوگ علماء سے بدظن ہو جائیں۔ دوسری طرف تبلیغ و تلقین کے ذریعہ یہ کوشش رہی کہ اسلام کو مختصر سے مختصر کر کے متعارف کرایا جائے اور لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ فقہا و علماء اسلام کے فرائض جزئی کاموں سے متعلق ہیں۔ ہم کو ابتدا سے یہ بتایا گیا ہے کہ مسئلہ گوئی کے علاوہ فقہاء کا کوئی دوسرا کام نہیں ہے"

بعض لوگوں کو اس پر یقین بھی آگیا۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ تو ہماری آزادی اور تمام جہات کشور اسلامی کو ہمارے ہاتھ سے لینے کا پروگرام ہے۔ اور ناسمجھی میں وہ بھی انھیں کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ استعماری قوتوں نے یہ تبلیغ کی دین تو سیاست سے جدا چیز ہے۔ علماء کو اجتماعی امور میں دخل نہ دینا چاہیئے۔ علماء کا یہ فریضہ نہیں ہے کہ وہ اپنے سرنوشت ملتِ اسلام کی نظارت کریں، افسوس بعضوں نے ان کی باتوں پر یقین کرلیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہمارے لوگ بھی یہی کہنے لگے

آپ ذرا حوزہ ہائے علمیہ کو دیکھیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ

اس قسم کی تبلیغات کا اثر ہمارے یہاں بھی موجود ہے۔ مہمل، بیکار، کاہل، بے ہمت قسم کے لوگ آپ کو یہاں ملیں گے۔ جن کا کام صرف دعا کرنا اور مسئلہ گوئی ہے۔ ضمناً آپ ایسے افکار و روئیے پر بھی مطلع ہو جائیں گے۔ کہ یہ انہی لوگوں کی تبلیغ کا اثر ہے۔ مثلاً گفتگو کرنا علماء کی شایانِ شان نہیں ہے۔ فقیہہ و مجتہد کو گفتگو نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر گفتگو جانتا بھی ہو تو فقط لا الٰہ الّا اللہ کہتا ہو؟ اور کبھی ایک دو جملہ ادا کرے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور رسول خداؐ کی سنت کے خلاف ہے۔ خدا نے سخن گوئی بیان و قلم و تحریر کی تعریف فرمائی ہے۔ سورہ رحمٰن میں ارشاد ہے "علّمہ البیان" اور یہی نہیں بلکہ بیان کو عظیم نعمت شمار کیا ہے۔ بیان تو الحکام خدا کے نشر اور اسلامی عقائد و تعلیم کے پھیلانے کے لئے ہے نطق و بیان ہی وہ چیز ہے۔ جس کے ذریعہ لوگوں کو اسلام سمجھایا جا سکتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کے ذریعہ تم "یُعَلِّمُوا ھٰذا النّاس" کے مصداق بن سکتے ہیں۔ رسولِ خداؐ اور حضرت علیؑ نے خطبے ارشاد فرمائے!

بناوٹی مقدّسین کی اصلاح

اس قسم کے بیہودہ اور احمقانہ خیالات رکھنے والے ناسمجھی میں استعمار گروں اور ظالم حکومتوں کی مدد کر رہے ہیں تاکہ اسلامی حکومتیں اسی طرح ہو جائیں اور اسلام کی ترقی رک جائے۔ اس قسم کے افکار ایک ایسی جماعت کے ہیں۔ جن کو مقدسین کہا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ لوگ مقدس نما ہیں۔ مقدس نہیں ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ان کے خیالات کی اصلاح کریں اور اپنی تکلیف ان کو بتا دیں۔ کیونکہ یہ خیالات مانع اصلاحات ہیں اور انہوں نے ہمارے ہاتھوں کو باندھ دیا ہے۔

ایک دن میرے گھر پر ایک سیاسی مسئلہ کے لئے آقائے بروجردیؒ آقائے حجت، آقائے صدر، آقائے خوانساری جمع تھے۔ میں نے ان حضرات سے عرض کیا۔ آپ ہر کام سے پہلے بناوٹی مقدسین کی تکلیف کو واضح فرمائیے

ان کے ہوتے ہوئے آپ کی مثال ایسی ہے کہ دشمن نے آپ پر حملہ کیا ہے اور ایک شخص نے آپکے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے۔ یہ بناوٹی مقدسین مصالح و مفاسد کی طرف متوجہ نہیں۔ انہوں نے آپکے ہاتھوں کو باندھ رکھا ہے۔ اگر آپ کوئی کام کرنا چاہیں، حکومت کرنا چاہیں، پارلیمنٹ کو روکنا چاہیں کہ یہ کام نہیں ہو سکتا۔ تو یہ لوگ آپ کو برباد کر دیں گے۔ ہر چیز سے پہلے آپ کو ان کی فکر کرنا چاہیئے۔

آج مسلمانوں کے معاشرہ کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ بناوٹی مقدسین اسلام و مسلمین کے اثر و نفوذ کے لئے سدِ راہ ہیں۔ یہ لوگ اسلام کے نام پر اسلام کو نقصان پہونچاتے ہیں۔ اس جماعت کی جڑیں دینی درسگاہوں میں ہیں نجف اشرف، قم، مشہد، اور دوسری دینی درسگاہوں میں ایسے افراد موجود ہیں۔ جو بناوٹی مقدسین ہیں اور یہیں سے اپنے غلط افکار کو اسلام کے نام پر معاشرہ میں پھیلاتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں کہ اگر کوئی مرد مجاہد پیدا ہو جائے اور اعلان کرے۔ آؤ آؤ تیار ہو جاؤ۔ ہم دوسروں کے جھنڈے کے نیچے زندگی نہیں بسر کر سکتے انگریز امریکہ کے اقتدار کو ختم کرو۔ اسرائیل کا قلع قمع کر دو۔ تو یہی جماعت اس کی مخالفت کرے گی۔

اس جماعت کو پہلے تو نصیحت کرنا چاہیئے کہ کیا آپ خطرہ کو محسوس نہیں کر رہے ہیں؟ کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں۔ اسرائیلی مسلمانوں کو مار رہے ہیں۔ قتل کر رہے ہیں۔ انگریز و امریکہ بھی ان کی مدد کر رہے ہیں اور آپ بیٹھے تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ آپ کب بیدار ہوں گے۔ لوگوں کی بدبختی کا علاج کب کریں گے؟ تنہا مباحثہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ صرف مسئلہ گوئی درد کی دوا نہیں ہے۔ ایسے حالات میں کہ جب اسلام کو ختم کیا جا رہا ہے۔ آپ خاموش نہ بیٹھیں۔ اپنی حالت نصرانیوں کی سی نہ کریئے کہ وہ روح القدس و تثلیث کے بارے میں گفتگو کرتے رہے اور دشمن نے حملہ کر کے ان کو گرفتار کر لیا۔ قتل کر ڈالا آپ جاگئے! حقائق و واقعیت کو سمجھنے کی کوشش کیجئے، مسائل حاضرہ پر توجہ فرمائیے۔ اپنے آپ کو اتنا بیکار نہ

بنائیے! آپ ان مہمل کاریوں کے ساتھ کیا اس بات کی تمنا کر سکتے ہیں کہ ملائکہ آپ کے پیروں کے نیچے اپنے پر بچھائیں؟ کیا ملائکہ کاہل پرور ہیں۔ ملائکہ اپنے پروں کو حضرت علیؑ کے پیروں کے نیچے بچھاتے ہیں۔ کیونکہ حضرتؑ کا وجود اسلام کے لئے مفید تھا اسلام کو بزرگ بنایا تھا۔ آپ کے ذریعہ دنیا میں اسلام پھیلا۔ اور ساری دنیا میں شہرت حاصل کی، حضرت کی حکومت میں خوشنام آزاد، پرحرکت، پرفضیلت معاشرہ پیدا ہو سکتا ہے۔ یقیناً ملائکہ حضرت علیؑ کے لئے خضوع اور خشوع کرتے ہیں۔ بلکہ سب ہی آپ کے مطیع اور فرماں بردار ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کی عظمت کے سامنے دشمن بھی سر جھکاتا ہے۔ آپ کے لئے۔ جس کا کام مسئلہ گوئی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ بھلا کون خضوع و خشوع کرے گا؟

نصیحت کے بعد بھی اگر یہ لوگ بیدار نہ ہوں، اور احساسِ فریضہ ان کے ذہنوں میں پیدا نہ ہو تو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا قصور غفلت کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ ان کا درد ہی دوسرا ہے۔ پھر ان کا حساب دوسری طرح چکایا جائے گا۔

دینی درس گاہوں کی طہارت

دینی درس گاہیں، تدریس، تعلیم، تبلیغ، مسلمانوں کے رہبری کی جگہ ہے فقہائے عادل، فضلا، مدرسین، طلاب کی جگہ ہے۔ امانت دار، جانشین پیغمبر ان کی جگہ ہے۔ ظاہر ہے کہ الہی امانت ہر ایک کو سونپی نہیں جا سکتی۔ جو شخص ایسے عظیم منصب پر فائز ہونا چاہتا ہے امور مسلمین کا والی، امیر المومنین، کا نائب بننا چاہتا ہے۔ اعراض، اموال و نفوس مردم، غنائم، حدود اور ان جیسی چیزوں میں دخل دینا چاہتا ہے اسکو منزہ ہونا چاہئیے۔ دنیا طلب نہ ہونا چاہیئے۔ جو شخص دنیا کے لئے ہاتھ پیر مارے۔ چاہے وہ امر مباح ہی ہو۔ وہ امین اللہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس پر اطمینان کرنا چاہیئے۔ جو فقیہہ دستگاہ ظلم میں وارد ہو جائے۔ ان کے احکام کی اطاعت کرے۔ ان کا حاشیہ نشین بن جائے

وہ نہ تو امین ہو سکتا ہے اور نہ امانت دار الٰہی ہو سکتا ہے۔ خدا جانتا ہے
کہ صدر اسلام سے اب تک ان علماء سوء کے ہاتھوں اسلام پر کتنی مصیبتیں
نازل ہوئیں۔ ابو ہریرہ بھی فقہاء میں سے تھے لیکن خدا جانتا ہے کہ (امیر شام)
معاویہ جیسے لوگوں کے لئے کتنی حدیثیں اس نے گھڑیں اور اسلام پر کتنی مصیبتیں ڈھائیں
(کیونکہ یہ علماء سوء میں سے تھا۔ مترجم) سلاطین کے دربار میں علماء کی آمدورفت
اور بازاری آدمیوں کی آمدورفت میں فرق ہے۔ اگر عام آدمی ہے تو خود فاسق ہوگا
اس سے زیادہ اور کچھ نہیں! لیکن ایک نقیہہ، ایک قاضی جیسے "ابو ہریرہ"
اور "قاضی شریح" قسم کے افراد حکومت کے حاشیہ نشین بن کر حکومت کی عظمت
بڑھائیں گے، اسلام کو داغ دار کریں گے، ایک فقیہہ کا درباری بن جانے کا مطلب
پوری ایک اُمت کا درباری بن جانا ہے۔ نہ صرف ایک عام آدمی کا درباری بن
جانا ہے۔ اس لئے آئمہ معصومین نے اس سے بہت سختی کے ساتھ روکا ہے
اور فرمایا ہے کہ اگر تم نے ایسا نہ کیا ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی۔

فقہائے اسلام کی تکلیف و ذمہ داری دوسروں سے الگ ہے۔
ان کو تو اپنے مرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے۔ مباح چیزوں کو بھی چھوڑ دینا چاہیئے۔
جن مواقع پر دوسروں کے لئے تقیہ ہے، فقہا کو وہاں پر تقیہ نہیں کرنا چاہیئے
تقیہ اسلام اور مذہب کے بچانے کے لئے تھا۔ اگر تقیہ نہ کیا جاتا تو مذہب
ختم ہو جاتا۔ تقیہ کا تعلق ہمیشہ فروع سے ہوا کرتا ہے۔ مثلاً وضو یوں نہیں کرنا
چاہیئے۔ لیکن اگر اصول اسلام اور حیثیت اسلام خطرہ میں پڑ جائے تو تقیہ
نہیں ہے۔ اگر ایک فقیہہ کو مجبور کر کے منبر پر حکم الٰہی کے خلاف بیان کرنے
پر آمادہ کریں تو کیا وہ (التقیۃ دینی و دین آبائی) کا سہارا لے کر خلاف
شرع احکام بیان کر سکتا ہے؟ مثلاً زنا کو جائز کر سکتا ہے؟ جی نہیں!
یہ تقیہ کا موقع نہیں ہے۔ اگر یہ بات مسلم ہو کہ ایک فقیہہ کے درباری بن جانے
سے ظلم کا رواج ہو جائے گا۔ اسلام داغ دار ہو جائے گا تو اس کو درباری بننا
جائز نہیں ہے۔ چاہے اس کو قتل کر دیں۔ اس کا کوئی عذر قابل قبول
نہیں ہے! ہاں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا درباری ہونا عقل کی
بنیاد پر تھا۔ جیسے علی ابن یقطین کے لئے معلوم ہے کہ کیوں درباری ہو گئے تھے

یا خواجہ نصیر الدین طوسیؒ کے لئے معلوم ہے کہ ان کے درباری ہونے سے کتنا فائدہ ہوا۔ تب کوئی حرج نہیں ہے۔ ایسی صورت میں درباری بن جانا چاہیئے فقہاء درباری ہونے سے پاک و منزہ ہیں۔ صدرِ اسلام سے ابتک ان کا موقف واضح و روشن ہے۔ ان کا موقف نور کی طرح ہمارے سامنے چمک رہا ہے۔ اس میں کوئی داغ نہیں ہے۔ فقہاء اسلام نے صرف یہی نہیں کہ ان کی اطاعت نہیں کی بلکہ ان کی مخالفت بھی کی۔ قید کئے گئے۔ ڈرائے گئے۔ مگر اطاعت نہیں کی! ہاں اگر کنٹرول کرنے کے لئے یا انقلاب لانے کے لئے کوئی درباری ہو جائے تو کوئی بات نہیں ہے۔ اس وقت بھی اگر ایسے کاموں کے لئے ہم کو درباری ہونا پڑے تو واجب ہے۔ "بہر حال اس وقت یہ موضوع محل بحث نہیں ہے"۔ اعتراض تو ان لوگوں پر ہے جنہوں نے اپنے سر پر عمامہ رکھ لیا ہے اور چند کلمہ یہاں یا دوسری جگہ پڑھ لیا یا نہیں پڑھا اور شکم پروری کے لئے درباری بن گئے ہیں۔ ہم کو ان کی طرف توجہ دینا ہے۔

درباری مُلاؤں کو نکالو

یہ لوگ فقہاء اسلام نہیں ہیں۔ ان میں بہت سے ایسے ہیں جن کے سروں پر حکومت نے عمامہ رکھا ہے تاکہ یہ دُعا گوئی کریں۔ اگر عید یا دوسرے مواقع پر حکومت ائمہ جماعت کو مجبور نہ کر سکے۔ وہ اگر نماز پڑھا دیں تو ایسے مواقع کے لئے اس قسم کے لوگوں کو بنا رکھا ہے۔ جو اس کو "جلّ جلالہ" کہتے ہیں۔ آخری دور میں شاہ ایران کو "جلّ جلالہ" کا لقب دیا گیا ہے۔

یہ لوگ فقہا نہیں ہیں۔ ساری دنیا ان کو جانتی ہے۔ روایت میں ہے کہ ایسے لوگوں سے اپنے دین کے لئے ڈرو! یہ تمہارے دین کو برباد کر دیں گے ان کو ذلیل و رسوا کرنا چاہیئے۔ تاکہ اگر آبرو مند ہوں تو ذلیل ہو جائیں لوگوں کی نظروں سے گر جائیں۔ اگر ان کو مجمع عام میں نہ گرایا گیا تو یہ لوگ امام زمانہؑ کو رسوا کریں گے۔ اسلام کو ذلیل کریں گے۔

ہمارے نوجوانوں کو چاہیئے کہ ایسے لوگوں کے عمامے نوچ ڈالیں
فقہاء اسلام، اور علماء اسلام کے نام پر مسلمانوں کے معاشرہ کو برباد کرنے والے
ملاؤں کے سر کے عمامے نوچنا ہی چاہیئے۔ مجھے معلوم نہیں کیا ہمارے نوجوان ایران
میں مر گئے ہیں؟ آخر یہ سب کہاں ہیں۔؟ جب ہم تھے تو یہ سب نہیں تھا؟
آخر ان کے عمامے اب تک سروں پر کیسے باقی ہیں؟ میں یہ نہیں کہتا کہ ان کو قتل کر دو
یہ گردن زدنی کے قابل نہیں ہیں مگر عمامہ بھی ان کے سروں پر نہ ہونا چاہیئے۔ لوگوں
کا فرض ہے، جوانوں پر واجب ہے کہ اس قسم کے ملاؤں کو جل جلالہٗ کہنے
والے معممین کو مسجدوں میں نہ آنے دیں، لوگوں میں عمامہ پہن کر نہ آنے دیں۔
ان کی بہت پٹائی بھی ضروری نہیں ہے۔ لیکن ان کے سروں سے عمامہ کا اترنا
بہت ضروری ہے۔ یہ شریف لباس ہے۔ ہر کس و ناکس کے جسم پر نہ ہونا چاہیئے
پہلے بھی عرض کر چکا کہ علماء اسلام ان باتوں سے علیحدہ ہیں۔ وہ حضرات
نہ کبھی درباری تھے اور نہ اب ہیں۔ دربار داری کرنے والے مفت خور ہیں۔
جنھوں نے اپنے کو علماء کی صورت میں ظاہر کیا ہے۔ ان کا حساب ہی دوسرا ہے۔
لوگ ان کو خوب پہچانتے ہیں۔

ہمارے فرائض بھی بہت مشکل ہیں۔ ہم سب پر لازم ہے کہ روحانی لحاظ
سے طرز زندگی کے لحاظ سے اپنے کو کامل سے کامل تر کریں۔ سب سے زیادہ پارسا
بن جائیں۔ مال دنیا سے روگرداں ہو جائیں۔ آپ حضرات (روحانیوں سے خطاب)
اپنے کو امانت الٰہی کی حفاظت کے لئے آمادہ کیجئے۔ امین بنئے۔ دنیا کو
اپنی نظروں سے گرا دیجئے۔ آپ یقیناً حضرت علیؑ کی طرح نہیں ہو سکتے جن
کی نظروں میں دنیا بکری کی ناک سے نکلنے والی کثافت سے بھی زیادہ کم قیمت تھی
لیکن دنیاوی باتوں سے تو پرہیز کیجئے۔ اپنے نفوس کو پاکیزگی عطا کیجئے، خدا کی
طرف متوجہ ہوئیے اور متقی ہو جائیے۔ اگر خدانخواستہ درس پڑھنے کا مقصد یہ ہے۔
کہ آپ باعزت ہو جائیے تو نہ فقیہہ ہوئیے گا اور نہ امین اسلام، اپنے کو ایسا تیار
کیجئے کہ اسلام کے لئے مفید ہوئیے۔ امام زمانہؑ کے لشکر میں شامل ہو سکے،
اسلام کی خدمت اور عدالت کو بسط و نشر کر سکئے، افراد صالح معاشرہ میں
ایسے ہوتے ہیں کہ خود انکا وجود معاشرہ کے لئے مفید ہے۔ ہم نے ایسے

انجام دیکھے ہیں۔ ان کے ساتھ چلنے اور معاشرت کرنے سے انسان خود بھی صالح ہوجاتا ہے۔ آپ ایسا کام کیجئے جس سے دوسروں کی اصلاح ہوسکے۔ لوگ آپ کی اقتدا کریں۔ آپ مقتدی الانام ہوجائیں۔" جند اللہ" خدا کے سپاہی بن جائیں اور اسلام کا تعارف کرائیں۔ حکومت اسلامی کا تعارف کرائیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تعلیم چھوڑ دیجئے۔ تعلیم تو بہت ضروری ہے۔ فقیہہ بنئے۔ فقاہت میں کوشش کیجئے۔ دینی درس گاہوں میں فقیہہ کو باقی رکھئے۔ جب تک آپ فقیہہ نہ ہوں گے۔ اسلام کی خدمت نہ کرسکیں گے۔ لیکن تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلام کی معرفی کی بھی فکر کیجئے۔ فعلاً اسلام غریب ہے۔ کوئی اس کو نہیں پہچانتا۔ لیکن آپ پر واجب ہے کہ اسلام و احکام کو لوگوں تک پہونچایئے۔ تاکہ لوگ جانیں کہ اسلام کیا ہے۔ اسلامی حکومت کیا ہے۔ رسالت و امامت کیا ہے۔ اسلام کیوں آیا ہے۔ اور کیا چاہتا ہے! رفتہ رفتہ اسلام کو لوگ پہچان لیں گے اور اسلامی حکومت بن سکے گی۔
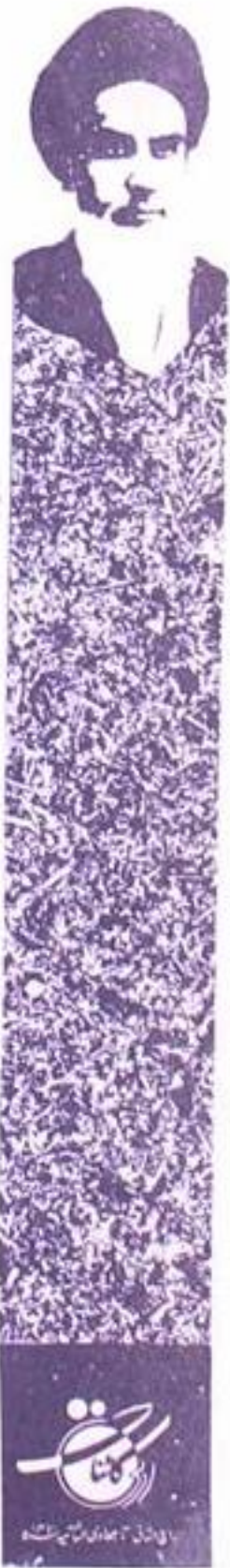
ظالم حکومتوں کا تختہ اُلٹ دو

(۱) ان کے موسسات دولتی سے قطع تعلق کیجئے۔ (۲) ان کا ساتھ نہ دیجئے۔ (۳) جس کام سے ان کی اعانت ہوتی ہے۔ وہ کام نہ کیجئے۔ (۴) جدید موسسات قضائی، مالی، اقتصادی، فرہنگی اور سیاسی تشکیل دیجئے۔ طاغوتی حکومتوں کا تختہ الٹنا ہمارا فریضہ ہے۔ ان حکومتوں کو مٹا کر ایسی حکومت لایئے۔ جو قانون شرع کے موافق عمل کرے اور رفتہ رفتہ حکومت اسلامی کی تشکیل ہوجائے۔ قرآن نے طاغوتی طاقتوں کی اطاعت سے روکا ہے۔ لوگوں کو ظالم حکومتوں کے خلاف آمادہ کیا ہے۔ موسیٰ کو فرعون کے خلاف اقدام کرنے پر ابھارا ہے۔ ایسی بہت سی روایات ہیں جن میں ظالمین اور دین میں تصرف کرنے والے افراد کے خلاف تشویق دلائی گئی ہے۔ آئمہ معصومین اور ان کے ماننے والے شیعہ۔ باطل حکومتوں سے برسر پیکار رہے۔ آئمہ کی حالات زندگی کا مطالعہ کرنے سے باقاعدہ یہ بات واضح و روشن ہوجاتی ہے۔ بیشتر اوقات حکام ظلم وجور کے پنجوں میں گرفتار رہے تقیہ

وخوف کی زندگی بسر کرتے رہے۔ لیکن خوف مذہب کا تھا۔ اپنی جان کے خوف سے تقیہ نہیں کرتے تھے۔ روایات کے ملاحظہ سے یہ بات بخوبی معلوم ہوسکتی ہے۔ خود حکام جور آئمہؑ معصومین سے خوفزدہ رہتے تھے۔ یہ لوگ۔ حکام جور۔ جانتے تھے کہ اگر آئمہ کو فرصت مل گئی تو یہ حضرات ہمارے خلاف اقدام کریں گے۔ ہمارے عشرت زدہ اور ہوس بازی کی زندگی کو ہم پر حرام کر دیں گے۔ آپ نے جو یہ دیکھا ہے کہ ہارون نے حضرت موسٰی ابن جعفر کو مدتوں قید خانہ میں رکھا یا مامون رشید نے امام رضاؑ کو لیجا کر اپنی حفاظت میں رکھا۔ آخر میں زہر دے دیا یہ اس وجہ سے نہیں تھا کہ یہ ۔ امام موسٰی و امام رضاؑ ـــ اولاد پیغمبرؐ ہیں۔ اور یہ ۔ ہارون و مامون۔ پیغمبرؐ کے مخالف ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں۔ ہارون و مامون۔ شیعہؑ تھے۔ بلکہ یہ مخالف تو صرف اس وجہ سے تھے کہ الملک عقیم "ملک بانجھ ہوتا ہے" اور یہ لوگ جانتے تھے کہ اولاد علیؑ خلافت کے طالب ہیں۔ اسلامی حکومت کی تشکیل پر اصرار رکھتے ہیں حکومت وخلافت کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ جیساکہ بنا بر روایت اس واقعہ سے واضح ہے جب مامون نے امام رضاؑ سے کہا حدود فدک بیان فرمائیے تاکہ آپ کو واپس کر دیا جائے اور امام رضاؑ نے اسلامی ممالک کی تعیین فرمائی کہ یہاں تک حد ہے یہ ہمارا حق ہے۔ اس پر ہماری حکومت ہونا چاہیئے۔ تم غاصب ہو۔ تو مامون نے دینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ پھر ہمارے پاس کیا رہ جائے گا؟

حکام جور جانتے تھے کہ اگر امام موسٰی ابن جعفر کو آزاد کر دیا جائے۔ تو یہ ان لوگوں پر زندگی حرام کر دیں گے۔ اور بہت ممکن ہے کہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں جس سے امام ہی حکومت کا تختہ الٹ دیں۔ اسلئے ان کو موقع ہی نہیں دیا گیا اور اس میں شک بھی نہیں ہے کہ اگر امام موسٰیؑ کو مہلت دی گئی ہوتی تو حضرت انکے خلاف قیام کرتے۔ آپ اس میں شک نہ کیجئے کہ اگر امام موسٰیؑ کو فرصت ملتی تو غاصب بادشاہوں کا تختہ پلٹ دیتے۔

اسی طرح مامون بھی امام رضاؑ کو "یا ابنِ عم" "یا ابنِ رسول اللہ" لینے کے باوجود ہر وقت حضرت پر کڑی نظر رکھتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ حضرتؑ قیام کر کے ہماری حکومت کا تختہ پلٹ دیں۔ کیونکہ یہ بہرحال پسرِ پیغمبرؐ ہیں انکے حق میں وصیت موجود ہے اسی لئے حضرت کو مدینہ میں بھی نہیں رکھا

حکام جابر سلطنت وحکومت کے خواہش مند تھے۔ ہر چیز کو سلطنت پر فدا کرنے کیلئے تیار تھے۔ اُن کو کسی سے ذاتی عداوت و دشمنی نہیں تھی۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ جب حضرتؑ ہارون کے پاس آئے تو اس نے حکم دیا حضرتؑ کو مسند تک سوار آنے دو اور بہت احترام کیا اور جب بنی ہاشم بیت المال کی تقسیم کا وقت آیا تو بنی ہاشم کےلئے بہت ہی مختصر رقم معیّن کی گئی۔ مامون اسوقت موجود تھا۔ اس نے سوچا کہاں یہ تعظیم و احترام اور کہاں یہ حصہ! اسکو بہت تعجب ہوا۔ تو ہارون نے کہا تمہاری سمجھ میں یہ بات "ابھی" نہیں آئیگی۔ بنی ہاشم کو ہمیشہ یوں ہی رکھنا چاہیے۔ ان کو ہمیشہ فقیر رکھنا چاہیئے۔ قیدی بنانا چاہئے۔ ملک بدر کرنا چاہیئے۔ رنجیدہ و غمگین رکھنا چاہیئے۔ زہر دینا چاہیئے۔ قتل کرنا چاہیئے۔ ورنہ یہ ہمارے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور ہمارے لیئے زندگی تلخ کردیں گے۔

خود آئمہ معصومین نے جابر و ظالم حکومتوں سے نہ صرف مبارزہ کیا ہے بلکہ مسلمانوں کو اُن کے خلاف جہاد کی دعوت دی ہے۔ پچاس سے زیادہ ایسی روایات "وسائل الشیعہ" "مستدرک" اور دوسری کتابوں میں موجود ہیں جس میں ظالم حکومتوں سے کنارہ کش رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان کی مدح کرنے والوں کے منہ میں خاک ڈالو جو بھی ایک لمحہ سے اُن کی مدد کرے۔ یا ان کی دوات میں پانی ڈالے۔ وہ ایسا ہے اور ویسا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ معصوم نے حکم دیا ہے کہ اُن سے کسی قسم کے روابط نہ رکھو اور نہ ان کا ساتھ دو۔

دوسری طرف وہ تمام روایات جن میں عالم و فقیہہ عادل کی تعریف و فضیلت بیان کی گئی ہے۔ یہ سب ایک بنیادگزاری کی منزل میں ہیں اور ان سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام اسلامی حکومت کی تشکیل کےلئے آیا ہے۔ اسلام اس لیئے آیا ہے کہ ظالموں کو حکومت سے ملت کو منحرف کرے، خانۂ ظلم کو ویران کردے فقہاء کے دروازوں کو لوگوں کے لیے کھولدے، ایسے فقہاء جو اجزائے احکام اور اسلام کے اجتماعی نظام کے برقراری کے لئے کوشاں ہیں:

مسلمان اسی وقت آرام و چین کی زندگی بسر کرسکتے ہیں اپنے ایمان

ہارون نیکا دشمن اہل بیت تھا۔ مامون کی بھی شیعیت ثابت نہیں ہے۔

و اخلاق فاضلہ کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ جب عدل و قانون کی حکومت کے زیر سایہ ہو۔ ایسی حکومت جسکے نظام و ادارہ و قوانین کو اسلام نے وضع کیا ہو۔

اب ہمارا فرض ہے کہ اسلامی حکومت کی بنیاد رکھیں۔ مجھے امید ہے کہ اسلام کے سیاسی و اجتماعی اصول اور طرز حکومت کی معرفی انسانوں میں عظیم انقلاب پیدا کرے گی اور اس سے اسلامی حکومت، کی تشکیل میں مدد ملے گی۔

بارالہا! بلاد مسلمین سے ستم گاروں کے ہاتھوں کو کوتاہ کر۔ اسلامی ممالک اور اسلام کے ساتھ خیانت کرنے والوں کو تباہ و برباد فرما۔ دول اسلامی کے رؤسا کو خواب گراں سے بیدار فرما تاکہ وہ ملت کے مصالح شخصی اختلاف اور سود خوری سے بچنے کے لئے کوشش کریں۔ اہداف مقدسۂ اسلام کو پورا کرنے کیلئے یونیورسٹیوں اور دینی درسگاہوں کے طلاب کو توفیق مرحمت فرما کہ صف واحد ہوکر استعمار کے چنگل سے بچنے کے لئے اور اسلامی حکومت سے دفاع کے لئے کوشش کریں۔ فقہاء اور عقلاء کو توفیق دے کہ معاشرہ کے افکار کو ہدایت اور روشن کرنے کے لئے سعی کریں۔ اور اہداف مقدسۂ اسلام کو تمام مسلمانوں تک اور خصوصاً جوان نسل تک پہونچائیں۔ اور اسلامی حکومت کے برقراری کے لئے جہاد کریں۔

اِنّکَ وَلِیُّ التَّوفیق وَلاحَولَ وَلا قوۃَ اِلّا باللہ العلیّ العظیم

~~~~~~

تمام شد پایان
~~~~~~

اِن آزرانِ سخن کو حجاب پیدا ہو!

(علمائے عالم اسلام کے نام پیغام)

علماء عالم اسلام کے نام

امام خمینی کا تاریخ ساز پیغام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ملک کے تمام علماء عظام، عظیم المرتبت مراجع اسلام، مدرسین کرام، حوزہ علمیہ کے عزیز طلاب اور ائمہ جمعہ و جماعات دامت برکاتہم کی خدمت میں:-

تمام شہیدوں بالخصوص حوزہ علمیہ اور صف علماء کے شہیدوں کی پاکیزہ ارواح پر خدا اور اس کے رسول کا درود و سلام۔ وحی و رسالت کے ان امانت داروں اور دین حق کے ان شہید پاسبانوں پر بے پایاں درود و سلام ہو جو اسلامی انقلاب کی پر عظمت و افتخار بنیادوں کو اپنے عہد وفا کے سرخ و خونیں دوش پر اٹھائے ہوئے ہیں۔ سلام ہو ان زندہ جاوید، جانباز علماء دین پر جنھوں نے اپنا علمی و عملی رسالہ تعلیہ بوقت شہادت اپنے خون کی روشنائی سے تحریر فرمایا ہے اور منبر وعظ و ہدایت سے لوگوں کو خطاب فرما کر اپنی شمع حیات کو گوہر شب چراغ بنا دیا ہے۔

آفرین و مرحبا، حوزہ علمیہ اور صف علماء کے ان شہیدوں پر جنھوں نے ہنگام جنگ مدرسہ اور درس و بحث سے اپنے تعلقات توڑ کر حقیقت علم کے پاؤں میں پڑی ہوئی خواہشات دنیا کی زنجیروں کو کاٹ ڈالا اور تیز پرواز پرندوں کی طرح قدسیوں کی ضیافت میں جا پہنچے۔ اور ملکوتیوں کے مجمع میں حضوری کے نغمے بکھیرے۔ درود و سلام ان شہیدوں پر جو حقیقت تفقہ کو کشف کر لینے کی حد تک آگے بڑھے۔ اور اپنی قوم و ملت کے لئے ایسے مخبر صادق بن گئے جن کے ہر ہر فقرے کی صداقت کی گواہی ان کے خون کے قطروں اور جسم کے پارہ پارہ ٹکڑوں نے دی ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اسلام اور تشیع کے سچے علماء سے اس کے علاوہ اور توقع بھی نہیں کی جا سکتی کہ دعوت حق اور اپنے عوام کے خونیں جہاد کی راہ میں سب سے پہلی قربانی وہ خود پیش کریں اور ان کی کتاب زندگی کی آخری مہر شہادت قرار پائے۔ جن لوگوں نے عرفاء کے حلقہ ذکر کو دیکھا اور حوزہ علمیہ و صف علماء کے مناجات کرنے والوں کی دعائے سحر کو سنا ہے انھیں ان حضرات

کے "خلوہ حضور" میں سوائے تمنائے شہادت کے کچھ نظر نہیں آیا ہے اور ان لوگوں نے خلوص و تقرب کی ضیافت میں اپنے پروردگار کے دسترخوان نعمت سے بجز شہادت کسی اور عطیہ کی خواہش نہیں کی ہے البتہ تمام مشتاقان و طالبان شہادت اپنی مراد کو نہیں پہنچ سکے۔ کچھ میری طرح ہیں جو ایک عمر سے حجابوں اور حصاروں کی تاریکیوں میں گرفتار ہیں اور زندگی و عمل کے خانہ میں خود خواہی کے نوشتہ کے سوا کچھ نہیں پایا۔ دوسرے وہ ہیں جنھوں نے زندگی کی طویل ترین رات کے ابتدائی حصہ میں ہی ہوا و ہوس کے سیاہ سینہ کو چاک کر کے عشق کے سپیدۂ سحری سے عقد وصال و شہادت باندھ لیا ہے پھر مجھ جیسا غافل جس نے ابھی عدم کے اندھیروں سے عالم وجود ں قدم بھی نہیں نکالا ہے، ان قافلہ سالاران دج .کی بھلا کیا تعریف و توصیف کر سکتا ہے۔ ں اور مجھ جیسے دوسرے لوگ تو صرف اس قاف صدائے جرس ہی سن سکتے ہیں۔ اس نزل کو چھوڑتے ہوئے میں آگے بڑھتا ہوں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام و تشیعت کی طویل تاریخ میں حوزۂ علمیہ اور دینی علماء ہر طرح کی کج فکریوں، انحرافی سرگرمیوں اور اسلام پر ہونے والے حملوں کے خلاف اسلام کا سب سے محکم و مضبوط دفاعی قلعہ رہے ہیں۔ اسلام کے بزرگ ترین علماء نے اپنی پوری زندگی اسی کوشش میں صرف کی ہے کہ مسائل حرام و حلال الٰہی کو بغیر کسی دخل و تصرف کے رواج دیں۔

فقہائے اسلام راہ خدا کے مجاہد

اگر یہ محترم فقہاء نہ ہوتے تو نہیں معلوم علوم قرآن و اسلام و اہل بیت علیہم السلام کے نام پر کون سے علوم آج عوام کے ہاتھوں میں دے دیئے گئے ہوتے!! ایسے زمانہ میں جب کہ وسائل و امکانات بہت ہی کم تھے اور دوسری طرف ظالموں، ستمگروں اور سلطانوں نے آثار رسالت فنا کر دینے کے لئے اپنے تمام تر وسائل و امکانات لگا رکھے تھے۔ علوم قرآن، آثار و احادیث پیغمبر، سنت و سیرت ائمہ معصومین علیہم السلام جمع و محفوظ کرنا، لکھنا، چھانٹنا، ابواب و فصول پر تقسیم کرنا آسان کام نہیں تھا۔ ان ہی علماء کی زحمتوں کا نتیجہ ہے جو آج ہم بحمد اللہ پر برکت آثار و کتب مثلاً کتب اربعہ، نیز فقہ، فلسفہ، ریاضیات، نجوم، اصول، کلام، حدیث، رجال، تفسیر، ادب، عرفان، لغت، بلکہ مختلف و گوناگوں علوم و فنون میں متقدمین و متاخرین کی تالیف و تصنیف کی شکل میں مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اگر ہم ان زحمتوں اور تلخیوں کو جہاد فی سبیل اللہ نہ کہیں تو پھر کیا کہیں۔

حوزۂ علمیہ کی علمی خدمتوں سے متعلق گفتگو کا دائرہ بہت ہی وسیع ہے جن کو اس مختصر پیغام میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

بحمد اللہ حوزۂ علمیہ اپنے علمی ذخیروں، ماخذوں اور بحث و اجتہاد کے مخصوص طریقوں
کے لحاظ سے مستغنی ہے۔

میں نہیں سمجھتا علوم اسلامی کے ہمہ جانبہ عمیق مطالعہ اور تحقیق کے لئے علماء سابقین کے طریقہ کار
سے بہتر و مناسب کوئی اور طریقہ دریافت کیا جاسکتا ہے۔ اسلام کے مقدس نہال کو بارآور کرنے کے
سلسلے میں سچے علماء اسلام کی ایک ہزار سال سے بھی زیادہ طویل تحقیق و تلاش کی تاریخ ہمارے
اس دعوے کی گواہ ہے۔

علماء اسلام ـ محروموں کی امیدوں کا مرکز

سیکڑوں سال سے علماء اسلام محروموں کا سہارا رہے ہیں۔ محروم و ناتواں افراد ہمیشہ بڑے بڑے
فقہاء کی معرفت کے شیریں کوثر سے سیراب ہوئے ہیں، فقہاء کے علمی و ثقافتی مجاہدات سے قطع نظر،
جو واقعاً بعض جہات سے شہیدوں کے خون سے افضل ہیں ! یہ حضرات ہر زمانہ میں اپنے
دینی و ملکی مقدسات کا دفاع کرتے رہے ہیں اور اس سلسلہ میں انھوں نے مسلسل سختیاں
اور تلخیاں برداشت کی ہیں۔ اسیری، جلاوطنی، قیدخانوں کی صعوبت، آزار و اذیت زبانوں
کے تیر و نشتر برداشت کرنے کے ساتھ ہی ساتھ بارگاہ خداوند قدوس میں کتنے ہی گراں قدر
شہید پیش کئے ہیں۔

صف علماء سے شہید ہونے والے صرف ایران کی جنگ اور مبارزہ میں
شہید ہونے والوں میں منحصر نہیں ہیں۔ یقینا حوزۂ علمیہ اور
صف علماء سے شہید ہونے والے گمنام شہداء جو معارف اسلام اور احکام الٰہی کی تبلیغ اور
نشر و اشاعت کی راہ میں سامراجی گرگوں اور بزدلوں کے ہاتھوں عالم غربت میں شہید ہوئے،
ان کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔ ہر تحریک اور ہر الٰہی و عوامی انقلاب میں علماء اسلام ہی وہ
اولین افراد رہے ہیں جن کی پیشانیوں پر سب سے پہلے خون و شہادت کے نقوش ابھرے ہیں۔

میدان شہادت میں علما کی پیش قدمی

کون سا وہ عوامی، اسلامی، انقلاب ہے جس میں دینی مدرسوں اور دینی رہنماؤں نے
سب سے پہلے لباس شہادت نہیں پہنا، سولی پر نہیں چڑھے اور ان کے طیب و طاہر جسم
خونیں حوادث کے سنگی فرشوں پر شہادت کے لئے نہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ پندرہ خرداد

کے حادثہ میں اور اسلامی انقلاب کی کامیابی کے قبل و بعد کے حوادث میں اور تین شہداء کس طبقے نے پیش کیے ہیں؟ ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ مدرسہ فیضیہ کی دیواروں سے لے کر شاہی حکومت کے تنگ و خوفناک انفرادی قیدخانوں، نیز گلی کوچوں اور سڑکوں سے لے کر نماز جمعہ و جماعات کی محراب و مسجد تک، دفاتر اور کارخانوں سے لے کر جنگی محاذوں کی اولین صفوں اور بارودی سرنگوں کے میدانوں تک شہید ہونے والے دینی طلاب اور علماء نے اپنے پاک و پاکیزہ خون سے فقاہت و دیانت کے افق کو رنگین بنا دیا ہے۔ ایران پر مسلط کی جانے والی جنگ کے فتح آمیز خاتمہ کے وقت بھی حوزہ علمیہ کے گمشدہ جانبازوں، زخمیوں اور شہیدوں کی تعداد دوسرے طبقوں کے مقابلہ میں زیادہ ہی رہی ہے۔ اس ناخواستہ جنگ میں ایران کے مختلف گوشہ و کنار سے ڈھائی ہزار سے بھی زیادہ دینی طلاب اور علماء شہید ہوئے ہیں۔ اس تعداد سے اندازہ ہوتا ہے کہ علماء اسلام اور اسلامی ملک ایران کے دفاع کے لئے کس حد تک آمادہ اور موجود رہے ہیں۔

ماضی کی طرح آج بھی استعماری سکاری پوری دنیا مصر، پاکستان، افغانستان، لبنان، عراق، حجاز، ایران اور فلسطین کے مقبوضہ علاقوں میں مشرق و مغرب کے مخالف خالص محمدی اسلامی اصولوں پر جمے ہوئے شیر دل علماء کی تاک میں لگے ہوئے ہیں۔ اور اس کے بعد بھی دنیائے اسلام ہر تھوڑی مدت کے بعد ان عالمی درندوں کے غیظ و غضب کا نظارہ کسی نہ کسی مقدس عالم کی شہادت کی شکل میں کرتی نظر آتی ہے۔

اسلام کے حقیقی علماء کبھی بھی سرمایہ داروں، ثروت پرستوں اور مالداروں کے زیر بار نہیں بنے ہیں۔ انھوں نے ہمیشہ اپنی اس شرافت کو محفوظ رکھا ہے۔ یہ کھلا ہوا ظلم ہے اگر کوئی کہتا ہے کہ حقیقی دین محمدی کے حامی اسلام کے سچے علماء سرمایہ داروں کے ہم نوالہ و ہم پیالہ ہیں۔ ایسے خیالات رکھنے والوں اور اس قسم کے پروپیگنڈے کرنے والوں کو خدا کبھی نہیں بخشے گا۔

اسلام کے وفادار علماء تو جونک صفت سرمایہ داروں کے خون کے پیاسے ہیں۔ نہ ان سے کبھی انھوں نے سمجھوتا کیا ہے اور نہ کریں گے۔ انھوں نے زہد و تقویٰ اور محنت و مشقت کے ساتھ درس پڑھا ہے اور علمی و معنوی مقامات پر فائز ہونے کے بعد بھی اپنی اسی زاہدانہ روش پر فقر و تنگ دستی کے عالم میں چاپلوسی اور دنیوی ٹرک بھڑک سے دور رہ کر زندگی بسر کی ہے اور کبھی احسان اور ذلت و رسوائی کا بوجھ اٹھانے پر تیار نہیں ہوئے ہیں۔

اگر گزشتہ علماء کی زندگی کا دقیق مطالعہ کیا جائے تو ان کی حیات فقر و تنگ دستی کے باوجود معارف کے حصول میں روح کی جوانی اور اولوالعزمی کی داستان پیش کرے گی کہ کس طرح انھوں نے

شمع کی روشنی اور رات کی چاندنی میں تعلیم حاصل کی ہے اور قناعت و کرامت کے ساتھ زندگی گزاری ہے۔ روحانیت و فقاہت کی ترویج و اشاعت نہ تو نیزہ و شمشیر کے بل بوتے پر ہوئی اور نہ وہ ثروت مندوں و دولت پرستوں کی دولت کے زیر سایہ پروان چڑھی بلکہ خود ان کے ہنر، صداقت اور دین کے تئیں ان کی وفاداری کے باعث عوام نے ان کا انتخاب کیا ہے۔

مغربی تمدن کی مخالفت

گزشتہ ادوار میں تہذیب و تمدن کے بعض آثار کی مخالفت علماء نے صرف اس لئے کی تھی کہ انھیں یہ خطرہ محسوس ہوتا تھا کہ کہیں اسلامی معاشرہ میں اغیار کا پورا عمل دخل نہ ہو جائے۔ اغیار کی ثقافت خصوصاً مغرب کی گندی اور عریاں تہذیب کے پھیل جانے کے خطرہ نے ان کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اہل مغرب کی ایجادات و اختراعات کے سلسلہ میں بھی احتیاط آمیز رویہ اپنائیں۔ ہمارے حقیقی علماء استعمار کے جھوٹ فریب اور مکاری کا اتنا تجربہ کر چکے تھے کہ اب ان کو کسی چیز پر اطمینان نہیں ہوتا تھا۔ ان کے نزدیک ریڈیو، ٹیلی ویژن جیسی چیزیں استعمار کے ورود کا پیش خیمہ تھیں، اسی لئے کبھی کبھی ان چیزوں کے استعمال کی ممانعت کا حکم بھی دے دیتے تھے۔

کیا ایران اور اس جیسے دیگر ممالک میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن مغربی ثقافت کو بڑھاوا دینے کا ذریعہ و وسیلہ نہیں تھے؟ کیا گزشتہ حکومت مذہبی عقائد کو بے اعتبار بنانے اور قومی و ملی آداب و رسوم کا پاس و لحاظ نہ کرنے کے لئے ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے فائدہ نہیں اٹھاتی تھی؟

بہر حال قناعت، شجاعت، صبر، زہد، طلب علم، طاقتوں سے عدم وابستگی جیسے عظیم خصوصیات اور ان سب سے زیادہ اہم عوام کے تئیں اپنی ذمہ داری کا احساس ان ہی تمام چیزوں نے علماء کو زندہ، پائدار اور محبوب بنایا ہے اور اس سے بڑھ کر اور کیا عزت ہو سکتی ہے کہ علماء نے اپنے محدود وسائل کے باوجود خالص اسلام کی فکر مسلمانوں کے فکر و خیال میں جاگزیں کر دی ہے اور ہزاروں محققوں کی حیات و معنویت کے گلستاں میں فقاہت و دیانت کے مقدس نہال بار آور ہو رہے ہیں۔

واقعی اگر کوئی یہ سوچے کہ استعمار علماء کی ان تمام عظمت و بزرگی اور اثر و رسوخ کے باوجود ان کے پیچھے نہیں لگا یا نہیں لگا ہوا ہے تو یہ اس کی سادہ اندیشی نہیں کہی جا سکتی؟

کتاب "آیات شیطانی" کا مسئلہ دین و دیانت ― جس میں سر فہرست اسلام اور علمائے اسلام ہیں ― کی جڑیں کاٹنے اور انھیں نیست و نابود کرنے کے لئے اٹھایا گیا ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔ یقیناً اگر ان عالمی درندوں کے بس میں ہوتا تو وہ علماء دین کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیتے اور ان کا نام و نشان مٹا دیتے لیکن خداوند عالم ہمیشہ اس مقدس مشعل کا محافظ و نگہبان

رہا ہے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی اپنا لطف و کرم شامل حال رکھے گا۔ شرط یہ ہے کہ ہم ان عالمی درندوں کے حیلہ و مکر و فریب کو اچھی طرح پہچان لیں۔

مقدس نما علماء

البتہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم تمام علماء کا دفاع کر رہے ہیں کیونکہ درباروں سے وابستہ مقدس نما اور جمود پسند علماء بھی کم نہیں تھے اور نہ اب کم ہیں حوزۂ علمیہ کے اندر ایسے افراد بھی موجود ہیں جو انقلاب اور خالص اسلام محمدیؐ کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مشغول ہیں۔
آج کچھ ایسے افراد بھی ہیں جو اپنی تقدس مآب حرکتوں سے دین، انقلاب اور نظام اسلام کی جڑوں پر اس طرح کلہاڑے برسا رہے ہیں جیسے اس کے علاوہ ان کا کوئی اور کام ہی نہیں ہے۔
دینی درسگاہوں میں جمود پسند مقدس نما احمقوں کا خطرہ کوئی معمولی خطرہ نہیں ہے۔
طلاب عزیز! ان خوبصورت نقش و نگار والے سانپوں سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہ رہیں یہ لوگ رسول خداؐ کے دشمن اور امریکی اسلام کے مروّج ہیں۔ کیا ہمارے عزیز طالب علموں کا فریضہ نہیں ہے کہ زہریلے سانپوں کے مقابل متحد رہیں؟!
استکبار جب علماء اسلام اور حوزہ ہائے علمیہ کو مکمل طور پر ختم کرنے سے مایوس ہو گیا تو چوٹ پہنچانے کے لئے اس نے دو راستے اختیار کئے ایک رعب اور طاقت کا استعمال دوسرے دھوکہ و فریب اور علماء کی صف میں نفوذ حاصل کرنا، موجودہ صدی میں جب ڈرانے دھمکانے کا حربہ زیادہ کامیاب ثابت نہ ہوا تو استکبار نے نفوذ حاصل کرنے کے راستوں کو تقویت پہنچانا شروع کر دیا۔

دین اور سیاست کا تضاد

ان کی پہلی اور سب سے اہم حرکت یہ تھی کہ انہوں نے یہ نعرہ ذہنوں میں بٹھانا شروع کر دیا کہ دین سیاست سے جدا چیز ہے اور افسوس اس کا ہے کہ ان کا یہ حربہ دینی درسگاہوں اور دینی رہنماؤں پر اس قدر کارگر ہوا کہ سیاست میں مداخلت کو شان فقیہ کے خلاف سمجھا جانے لگا۔ چنانچہ میدان سیاست میں ورود اغیار سے وابستگی کی تہمت ہمراہ لئے ہوتا تھا۔
اس میں کوئی شک نہیں کہ مجاہد علماء نے اغیار کے اس نفوذ سے بڑے گہرے زخم کھائے ہیں۔ یہ خیال نہ کیجئے کہ اغیار سے وابستگی کی تہمت اور بے دینی کا الزام صرف اغیار نے علماء پر لگایا ہے ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ ناعاقبت اندیش حقائق سے غافل علماء اور اغیار

سے وابستہ حقائق سے واقف علماء کی لگائی ہوئی ضربیں غیروں سے کہیں زیادہ کاری تھیں اور ہیں۔

اسلامی انقلابی تحریک کی ابتداء میں اگر آپ یہ کہنا چاہتے کہ شاہ خائن ہے تو بلا فاصلہ یہ جواب ملتا تھا کہ "شاہ شیعہ" ہے۔!

کچھ مقدس نما، رجعت پسند علماء تمام چیزوں کو حرام جانتے تھے اور کسی میں یہ ہمت نہ تھی کہ ان کے خلاف علم بلند کرتا۔

تمہارے اس بوڑھے باپ نے جمود کے شکار اس مقدس نما طبقے کے ہاتھوں جو خون دل پیا ہے، وہ اغیار کی سختیوں اور اذیتوں سے ہرگز نہیں پینا پڑا ہے۔

جب "دین سیاست سے جدا ہے" کے نعرے نے اپنی جگہ بنالی اور نافہموں کی منطق میں فقاہت صرف انفرادی اور عبادی احکام میں ڈوبے رہنے کا نام پڑ گیا اور قہری طور پر فقیہ بھی مجبور ہو گیا کہ اس دائرہ و حصار سے باہر قدم نہ رکھے اور حکومت و سیاست میں کسی قسم کی مداخلت نہ کرے تو علماء کی حماقت و نادانی لوگوں کے درمیان فضیلت سمجھی جانے لگی اور بعض افراد کے زعم میں ایک عالم اسی وقت قابل احترام و اکرام تھا جب حماقت اس کے پورے وجود سے ٹپکتی ہو ورنہ سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والا، سمجھ دار اور باعمل عالم شبہ کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔

اور یہ ان مسائل میں سے ہے جو حوزۂ علمیہ میں رائج تھے کہ جو شخص جتنی ٹیڑھی راہ چلتا تھا اس کو اتنا ہی دیندار سمجھا جاتا تھا۔ غیر ملکی زبانوں کا سیکھنا کفر اور فلسفہ و عرفان گناہ و شرک شمار ہوتا تھا۔ مدرسہ فیضیہ میں میرے خردسال فرزند (مرحوم مصطفیٰ) نے ایک صراحی سے پانی پی لیا تو اس صراحی کو باقاعدہ پاک کیا گیا کیونکہ میں فلسفہ پڑھاتا تھا۔

مجھے یقین ہے کہ یہی روش اگر جاری رہتی تو حوزۂ علمیہ اور علماء کی حالت قرون وسطیٰ کے کلیساؤں کی طرح ہو جاتی وہ تو کہئے کہ پروردگار عالم نے مسلمانوں پر اور علماء پر عظیم احسان و کرم فرمایا اور حوزۂ علمیہ کی حقیقی عظمت و بزرگی کو اپنی جگہ محفوظ رکھا۔ دین پر یقین رکھنے والے علماء نے ان ہی علمی درسگاہوں میں تربیت پائی اور انھوں نے اپنی صفوں کو دوسروں سے جدا کر لیا۔ ہمارے عظیم اسلامی انقلاب نے اسی روشنی سے حیات نو حاصل کی ہے۔

البتہ حوزۂ علمیہ میں اب بھی دونوں قسم کے افکار پائے جاتے ہیں اور اس بات سے خبردار رہنے کی ضرورت ہے کہ اہل جمود کا یہ طریقہ فکر کہ "دین سیاست سے جدا ہے" نوجوان طلباء میں سرایت نہ کرنے پائے چنانچہ جو باتیں ان طلاب کے اذہان میں محفوظ کر دینی

چاہیئے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب ان سادہ لوحوں اور جاہل و نافہم مقدس نماؤں کا دور دورہ تھا تو کس طرح کچھ افراد اپنی کمریں کس کر اٹھے اور اسلام، حوزۂ علمیہ اور علماء کی نجات کی خاطر اپنی جان و مال و آبرو سے بھی گزر گئے۔

گمراہ کن نعرے

اس زمانہ کے حالات آج جیسے نہیں تھے ہر وہ شخص جو سو فیصدی انقلابی تحریک پر یقین نہیں رکھتا تھا مقدس نما علماء کے ڈرانے دھمکانے سے میدان چھوڑ کر بھاگ لیتا تھا۔ اس قسم کے افکار کہ: "بادشاہ زمین پر خدا کا سایہ ہے" یا "گوشت و پوست کے جسم سے ٹینک اور توپ کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا" یا "ہم پر جہاد و مبارزہ واجب نہیں کیا گیا ہے" یا "مقتولین کے خون کا جواب کون دے گا؟" اور ان سب سے زیادہ ہمت شکن اور گمراہ کن نعرہ یہ تھا کہ "امام زمانہؑ کے ظہور سے پہلے ہر حکومت باطل ہے" یہ اور اسی قسم کے ہزاروں دوسرے اعتراضات و شبہات نے بڑے ہی جانفرسا اور عظیم مشکلات پیدا کر دیئے تھے جن کے دھارے کو فقط منفی مبارزہ اور تبلیغات سے نہیں روکا جا سکتا تھا۔ اس کا تنہا حل جد و جہد، ایثار و قربانی اور خون کا نذرانہ تھا۔ خداوند عالم نے اس کے لئے وسائل مہیا کر دیئے۔ دیندار علماء اور روحانی پیشواؤں نے ہر اس زہر آلود تیر کے لئے جو اسلام کی طرف پھینکے جاتے تھے اپنے سینوں کو آمادہ کر لیا اور قربان گاہ عشق میں اتر پڑے۔

دینی درس گاہوں میں اغیار کا عمل دخل

اس خونیں جد و جہد کی سب سے پہلی اور اہم ترین فصل عاشورا کا منظر پیش کرنے والی ۱۵ خرداد کو لکھی گئی۔ ۱۵ خرداد ۱۳۴۲ھ ش (۵ جون ۱۹۶۳ء) کو صرف شاہ کی بندوقوں اور مشین گنوں سے ہی مقابلہ نہ تھا۔ اگر صرف یہی ہوتا تو مقابلہ بہت آسان ہو جاتا یہاں تو اس کے ساتھ ہی ساتھ اپنے ہی داخلی محاذ پر حیلہ و فریب، مقدس مآبوں اور جمود پسندی کی گولیوں کا مقابلہ تھا، زخم زبان اور نفاق و دو رنگی کی گولیوں سے مقابلہ تھا جو آتشیں گولیوں اور باروودوں سے ہزار گنا زیادہ دل و جان کو جلانے والی اور پارہ کرنے والی تھیں۔

اس زمانہ میں کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا جس میں کوئی حادثہ نہ ہوتا ہو امریکہ اور شاہ کے ظاہری و باطنی گماشتوں نے افواہوں اور تہمتوں کا سہارا لیا۔ انتہا یہ تھی کہ جو حضرات انقلابی

تحریک کی قیادت کر رہے تھے ان کو کبھی تارک الصلوٰۃ کہا جاتا تھا۔ کبھی ان پر کمیونسٹ ہونے کا الزام عائد کیا جاتا تھا کبھی ان کو انگریزوں کا ایجنٹ کہا جاتا تھا حقیقت تو یہ ہے کہ حقیقی علماء قید اور تنہائی میں خون کے آنسو روتے تھے کہ کس طرح امریکہ اور اس کا ایجنٹ پہلوی اسلام و دیانت کی جڑوں کو کاٹ دینا چاہتا ہے۔

اور کچھ تو ناعاقبت اندیش مقدس نما یا فریب خوردہ علماء اور کچھ استعمار سے وابستہ علماء، جن کے چہرے انقلاب کی کامیابی کے بعد روشنی میں آئے، اس عظیم خیانت کا راستہ ہموار کرنے میں لگے ہیں۔ اسلام کو عالم نما مقدس ملاؤں سے جتنا نقصان پہنچا ہے، کسی اور جماعت سے نہیں پہنچا اور اس کا بہت ہی واضح نمونہ خود حضرت علیؑ کی مظلومیت و غربت ہے جو تاریخ میں روشن ہے۔

ان باتوں کو چھوڑتا ہوا آگے بڑھتا ہوں اس سے زیادہ ذائقوں کو تلخ نہیں کرنا چاہتا البتہ جوان طلاب کو ہوشیار کر دینا ضروری ہے کہ اس گروہ کے افکار کا دفتر آج بھی اسی طرح کھلا ہوا ہے۔ صرف تقدس مآبی اور دین فروشی کا طریقہ بدل گیا ہے۔ کل کے پٹے ہوئے مہرے آج کے سیاست داں بن گئے ہیں۔

سیاست۔ شجرۂ ممنوعہ

جو لوگ کل تک سیاست میں مداخلت کو شجر ممنوعہ سمجھتے تھے آج ان لوگوں کی پشت پناہی کر رہے ہیں جو اس اسلامی نظام کا تختہ پلٹنے اور فوجی بغاوت کرنے کی حد تک آگے بڑھ چکے تھے بائیں بازو اور سلطنت طلب عناصر کے ساتھ مل کر برپا کیا جانے والا قم اور تبریز کا فساد، کردستان کی تقسیم کا مطالبہ کرنے والوں کی شرارت تو محض اس طرح کا ایک نمونہ ہے جسے ہم بیان کر سکتے ہیں البتہ ان سازشوں میں انھیں ناکامی ہوئی۔ لیکن انھوں نے اس سے ہاتھ نہیں اٹھایا اور "نوژہ" (کی چھاؤنی میں) فوجی بغاوت کی سازش کر ڈالی اور خداوند عالم نے دوبارہ انھیں رسوا کیا۔

ان عالم نما افراد کا ایک دوسرا گروہ جو انقلاب سے پہلے دین کو سیاست سے جدا اور شاہی دربار کی چوکھٹ پر جبہہ سائی کو فخر سمجھتا تھا دفعتہً سب سے بڑا دین دار بن گیا۔ اور ان تمام محترم و شریف علماء کرام پر جنھوں نے اسلام کی خاطر قید و بند کی مصیبتیں جھیلیں، جلاوطنی و دربدری برداشت کی، وہابیت بلکہ اس سے بھی بدتر تہمتیں لگانے لگا۔ کل یہ بے شعور مقدس نما کہا کرتے تھے کہ دین

سیاست سے جدا ہے۔ شاہ کے خلاف جد وجہد حرام ہے۔ آج کہتے ہیں کہ نظام حکومت کے ذمہ دار افراد کمیونسٹ ہو گئے۔ کل تک یہ شراب فروشی، فساد و فحشاء، فسق و فجور اور ظالموں کی حکومت کو حضرت حجتؑ کے ظہور کے لئے مفید کہا کرتے تھے، آج اگر ملک کے کسی گوشہ میں کوئی کام خلاف شرع ہو جائے ــــ جس کا ہونا ذمہ داران حکومت قطعی پسند نہیں کرتے ــــ تو یہ لوگ ہائے اسلام ہائے اسلام کی فریاد بلند کرنے لگتے ہیں۔ کل تک انجمن حجتیہ والوں نے مبارزہ کو حرام قرار دے رکھا تھا اور جس وقت انقلابی تحریک شباب پر تھی ان لوگوں نے نیمہ شعبان کے موقع پر چراغاں نہ کرنے کے عوامی احتجاج کو، شاہ کے حق میں ناکام بنانے کی بھرپور کوششیں کیں، آج انقلابیوں سے بڑے انقلابی بن گئے ہیں۔

کل ولایت (و محبت اہل بیتؑ) کا دم بھرنے والے جنھوں نے اپنے سکوت و جمود سے اسلام و مسلمانوں کی عزت و آبرو برباد کر دی اور اپنے اعمال سے رسول خداؐ اور اہل بیت عصمت و طہارتؑ کی بھی کمر توڑ ڈالی، ولایت کا مفہوم جن کے نزدیک دولت وصولنے اور عیش کرنے کے سوا کچھ اور نہ تھا آج وہ اپنے کو ولایت کا بانی و وارث سمجھتے ہوئے شاہی زمانہ کی ولایت پر حسرت کا اظہار کرتے ہیں۔

سچ بتائیے: امریکہ و روس نواز اور ترقی پسند ہونے کا الزام، حرام کو حلال کرنے اور حلال کو حرام کرنے کا الزام، حاملہ عورتوں کے قتل اور قمار و موسیقی کے حلال کرنے کا الزام، آخر کن لوگوں کی طرف سے صادر ہوتا ہے؟ لامذہب قسم کے افراد کی طرف سے یا جمود پسند بے شعور مقدس نماؤں کی طرف سے؟

دشمنان خدا کے خلاف جنگ کے حرام ہونے کی آواز بلند کرنا، شہید اور شہادت کی ثقافت کا مذاق اڑانا، نظام حکومت کی شرعی حیثیت پر اشارے کنائے اور طعن و تشنیع کس کا کام ہے؟ عوام کا یا خواص کا؟ اور خواص میں بھی کون سا گروہ؟ بظاہر عمامہ پوش یا کوئی اور؟ جانے دیجئے باتیں تو بہت ہیں۔

یہ سب علماء کے درباروں اور حوزۂ علمیہ کی ثقافت میں اغیار کی مداخلت اور اثر و نفوذ کا نتیجہ ہے۔ ان خطرات سے سنجیدگی سے نمٹنا بہت ہی مشکل و پیچیدہ مسئلہ ہے، ایک طرف حتی الامکان حق و عدالت کا اجراء اور حقائق و واقعات سے آگاہ کرنے کی ذمہ داری دوسری طرف اس بات کی فکر کہ ایک موضوع دشمن کے ہاتھ نہ لگ جائے، کوئی آسان کام نہیں ہے۔

باوجود اس کے کہ ہمارے ملک میں قانون سب کے لئے ایک ہے وہ علماء ہوں یا غیر علماء لیکن اگر کسی خلاف ورزی کی بنیاد پر، کسی ایسے عالم کے ساتھ سنجیدگی سے شرعی و قانونی

چارہ جوئی کی جاتی ہے، جس کا ماضی اچھا یا خراب ہی کیوں نہ رہا ہو تو فوراً مختلف گروہ ہنگامہ برپا کر دیتے ہیں کہ کیا بیٹھے ہو۔ جمہوری اسلامی علماء کی عزت و آبرو خاک میں ملا دینا چاہتی ہے اور کبھی اتفاق سے کسی مستحق عفو عالم کو معاف کر دیا جائے تو ڈھنڈورا پیٹنے لگتے ہیں کہ حکومت علماء کو بیجا امتیاز دیتی ہے۔ ایران کے محترم باشندوں کو اس بات کی طرف متوجہ رہنا چاہئے کہ حکومت کی جانب سے علماء سوء کے ساتھ کی جانے والی سخت اور قاطعانہ چارہ جوئی سے دشمن فائدہ نہ اٹھائیں اور اپنی غلط افواہوں اور پروپیگنڈوں سے عوام کے ذہنوں کو ذمہ دار اور باعمل علماء سے بدظن نہ کرنے پائیں۔ عوام اسے نظام کی عدالت کی دلیل سمجھیں کہ یہ کسی شخص کے لئے امتیاز کا قائل نہیں ہے۔ خدا شاہد ہے کہ میں اپنے لئے بھی ذرہ برابر مراعات اور حق و امتیاز کا قائل نہیں ہوں اگر مجھ سے بھی غلطی سرزد ہو تو سزا کے لئے تیار ہوں۔

کیا کرنا چاہئے

اب بحث یہ ہے کہ دوبارہ اس قسم کے تلخ واقعات کی تکرار کیونکر روکا جائے اور حوزہ علمیہ میں اغیار کے اثر و نفوذ کے انسداد کی طرف سے اطمینان حاصل کرنے کے لئے کیا کیا جائے؟ یہ کام اگرچہ مشکل ہے مگر علاج کیا ہے! اس کی فکر تو کرنی ہی پڑے گی۔ سب سے پہلی شرعی و الٰہی ذمہ داری یہی ہے کہ طلاب و انقلابی علماء کے درمیان اتحاد اور یکجہتی کو برقرار رکھا جائے۔ ورنہ بقول سے

"شب تاریک در پیش است و بیم موج و گردابے چنیں حائل" والی بات ہوگی۔

آج کوئی عقلی یا شرعی دلیل ایسی نہیں ہے جو طریقہ کار اور استنباط کے اختلاف یہاں تک کہ انتظامی صلاحیت کی کمزوری کی بنیاد پر بھی متعہد طلاب و علماء کے درمیان اتحاد و الفت و محبت کو ختم کرنے کا جواز بن سکے۔ ممکن ہے کہ ہر شخص اپنے ذہن اور خیالات کے مطابق حکومت کے ذمہ داروں یا دوسروں کے طریقہ کار انتظامی صلاحیت اور طرز فکر سے اختلاف رکھتا ہو اور انھیں لائق تنقید سمجھتا ہو لیکن لہجہ اور تعبیریں ایسی نہ ہونی چاہئے جو معاشرہ اور آئندہ نسلوں کے افکار کو اپنے حقیقی دشمنوں اور بڑی طاقتوں کو ــ کہ تمام مشکلات ان ہی کی پیدا کردہ ہیں ــ پہچاننے کے بجائے فرعی مسائل کی طرف موڑ دیں اور خدا نخواستہ تمام کمزوریاں اور مشکلیں حکومت کے ذمہ داروں اور مدیروں کی نااہلی پر تھوپ دیں اور اسے اجارہ داری کا نام دیں، یہ اقدام بالکل غیر منصفانہ ہے اس کے ذریعہ حکومت کے ذمہ داروں پر سے اعتبار اٹھ سکتا ہے اور انقلاب سے مطلب نہ رکھنے والے لاپرواہ لوگوں کے صحن انقلاب میں گھس آنے کے لئے میدان ہموار ہوتا ہے۔

انقلاب کی کامیابیاں

آج میں یہ سمجھتا ہوں کہ دنیا بھر میں اسلامی انقلاب کے خلاف رچی جانے والی سازشوں، عداوتوں اور جنگ افروزیوں کے باوجود جو کامیابیاں ہاتھ آئی ہیں اگر موجودہ افراد سے زیادہ متعدد افراد بھی ہوتے تو اس سے زیادہ کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ حوادث انقلاب کے ایک منصفانہ تجزیہ خصوصاً انقلاب کی کامیابی کے بعد دس برسوں کے حوادث و واقعات کے پیش نظر میں یہ کہوں گا کہ ایران کا اسلامی انقلاب اپنے اکثر اہداف و مقاصد میں کامیاب رہا ہے اور خداوند بزرگ و برتر کی تائید و نصرت سے ہم کسی میدان میں مغلوب و شکست پذیر نہیں رہے ہیں۔ حد یہ ہے کہ جنگ میں بھی ہماری قوم کامیاب رہی ہے اور ہمارے دشمنوں کو ان تمام نقصانات وارد کرنے کے عوض کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکا۔

البتہ اگر تمام اسباب و علل ہمارے اختیار میں ہوتے تو ہم جنگ میں اس سے زیادہ بلند تر مقاصد کو ہدف قرار دیتے اور اس تک رسائی حاصل کرتے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم اپنے بنیادی مقصد — یعنی جارحیت کو دفع کرنا اور اسلام کی عظمت و توانائی کو ثابت کرنے — میں دشمن سے مغلوب ہو گئے ہیں۔

جنگ کی برکتیں

جنگ میں ہم کو ہر روز ایک نئی برکت نصیب ہوئی ہے جس سے ہم نے ہر میدان میں فائدہ اٹھایا ہے۔

ہم نے جنگ میں اپنے انقلاب کو ساری دنیا میں برآمد اور نشر کیا ہے،

ہم نے جنگ میں اپنی مظلومیت اور جارحین کے ظلم و ستم کو ثابت کر دیا ہے،

ہم نے جنگ میں عالمی استعمار کے پرفریب چہروں سے نقاب نوچ کر پھینک دی ہے،

ہم نے جنگ میں اپنے دوستوں اور دشمنوں کو پہچان لیا ہے،

ہم نے جنگ میں یہ سیکھا ہے کہ ہم کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہئے،

ہم نے جنگ میں مشرق و مغرب کی دو بڑی طاقتوں کا ہوّا توڑ دیا ہے،

ہم نے جنگ میں اپنے پرثمر اسلامی انقلاب کی جڑوں کو مضبوط و محکم بنا دیا ہے،

ہم نے جنگ میں اپنے ملک کے ایک ایک شخص کے اندر وطن دوستی اور برادری کے احساس کو پروان چڑھا دیا ہے،

ہم نے جنگ میں دنیا والوں خصوصاً اپنے علاقہ کے لوگوں پر یہ بات ثابت کر دی ہے کہ تمام حکومتوں اور بڑی طاقتوں سے سالہا سال ٹکر لی جا سکتی ہے۔

ہماری جنگ سے افغانستان کو مدد ملی،

ہماری جنگ کا نتیجہ فتح فلسطین کی صورت میں ظاہر ہوگا،

ہماری جنگ کے نتیجہ میں تمام فاسد حکومتی نظام کے سربراہ اسلام کے مقابلہ میں اپنی ذلت و رسوائی کا احساس کر رہے ہیں،

ہماری جنگ کے نتیجہ میں ہندوستان و پاکستان کے اندر بیداری آئی ہے،

ہماری جنگ کا ہی نتیجہ ہے کہ ہماری فوجی صنعتیں اس طرح ترقی کر سکی ہیں اور سب سے زیادہ اہم اس جنگ کے پرتو میں اسلامی انقلابی روح کو دوام نصیب ہوا ہے، یہ سب اس آٹھ سالہ جنگ میں شہید ہونے والوں کے پاکیزہ خون کی برکتوں کا نتیجہ ہے۔ یہ سب کچھ ایران کے عزیز ماں، باپ اور عوام کی امریکہ و مغرب اور روس و مشرق کے خلاف دس سالہ جدوجہد کا ثمرہ ہے۔

ہماری جنگ حق و باطل کی جنگ تھی جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔

ہماری جنگ غربت و امارت کی جنگ تھی۔

ہماری جنگ ایمان و رذالت کی جنگ تھی اور یہ جنگ آدم سے لے کر قیامت تک جاری رہے گی۔ کتنے کوتاہ نظر ہیں وہ لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ چونکہ محاذ جنگ میں ہم اپنے آخری ہدف تک نہ پہنچ سکے اس لئے شہادت و شجاعت، ایثار و قربانی و اولوالعزمی و صلابت سے کوئی فائدہ نہیں ہے حالانکہ افریقہ میں اسلام طلبی کی آواز ہماری آٹھ سالہ جنگ ہی کی دین ہے۔ امریکہ، روس، یورپ ایشیاء، افریقہ، مختصر یہ کہ ساری دنیا کے لوگوں میں اسلام سے بڑھتی ہوئی دلچسپی ہماری آٹھ سالہ جنگ کا ہی نتیجہ ہے۔ میں یہاں تمام شہیدوں اور جانبازوں کی ماؤں، باپوں، بھائیوں، بہنوں، بیویوں اور فرزندوں سے، ان دنوں کئے جانے والے غلط تجزیہ و تحلیل کے سلسلہ میں واقعی طور پر معذرت چاہتا ہوں اور خداوند عالم سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس اجباری جنگ کے شہیدوں کے ساتھ مجھے بھی محشور کرے۔

فریضہ کی ادائیگی نہ کہ نتیجہ کی خواہش

ہم جنگ میں ایک لمحہ کیلئے بھی اپنے کسی عمل سے نادم و پشیمان نہیں ہیں، واقعی کیا ہم اس بات کو بھول گئے کہ ہم نے فریضہ کی ادائیگی کی خاطر جنگ لڑی ہے؟ نتیجہ تو صرف اس کی ایک فرع کی حیثیت رکھتا تھا۔ ہماری ملت نے جب تک یہ احساس کیا کہ جنگ کی توانائی اور ذمہ داری رکھتی ہے اس وقت تک اپنے فریضہ پر عمل کرتی رہی اور خوشا بحال ان لوگوں کا جو آخری لمحہ تک شک و شبہ میں مبتلا نہیں ہوئے اور اس وقت بھی جب انقلاب اسلامی کی بقا اور مصلحت، قرارداد قبول کر لینے میں دیکھی اور اسے قبول کیا تو بھی اپنے فریضہ ہی پر عمل کیا تو کیا اس لئے کہ ان لوگوں نے اپنا فریضہ

ادا کیا ہے فکر مند اور پریشان رہیں؟

چند خود فروختہ لیبرل عناصر کی خوشنودی کے لئے اظہار نظر و عقیدہ میں ہم کو کوئی ایسی غلطی نہیں کرنا چاہئے جس سے حزب اللّٰہیوں کو یہ احساس ہونے لگے کہ اسلامی جمہوریہ اپنی بنیادی پالیسیوں سے منحرف ہو رہی ہے، حالات کا اس طور پر جائزہ پیش کرنا کہ جمہوری اسلامی ایران کچھ بھی عمل نہیں کر سکی یا وہ جنگ میں ناکام رہی کیا اس کا نتیجہ سوائے نظام حکومت کو کمزور کرنے اور لوگوں کا حکومت پر سے اعتماد اٹھ جانے کے کچھ اور نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے؟ اپنے تمام مقاصد تک پہنچنے میں تاخیر کا ہونا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ ہم اپنے اصولوں سے پھر جائیں "ہم سب فریضہ کی ادائگی پر مامور ہیں نہ کہ حصول نتیجہ پر" اگر تمام انبیاءؑ و معصومینؑ اپنے زمانہ اور ماحول میں نتیجہ کے ذمہ دار ہوتے تو نہ کبھی اپنی توانائی عمل کی حد سے آگے بڑھتے اور نہ اس سلسلہ میں گفتگو فرماتے اور وہ طویل المدت کلی مقاصد جو ان کی حیات ظاہری میں جامۂ عمل نہیں پہن سکے ان کا ہرگز ذکر نہ کرتے، حالانکہ خداوند عالم کی مہربانی سے ہماری ملت نے بہت سے میدانوں میں جو نعرے لگائے ہیں ان میں کامیابی بھی حاصل کی ہے۔

ہم نے شاہ کی سرنگونی کے نعرہ کا عملی طور پر نظارہ کیا ہے ہم نے آزادی و استقلال کے نعرے کو اپنے عمل سے زینت بخشی ہے ہم نے "امریکہ مردہ باد" کے نعرہ کا عملی نتیجہ اپنے بہادر، شجاع جوانوں اور مسلمانوں کے ذریعہ فساد اور جاسوسی کے اڈے امریکی سفارتخانہ پر قبضہ کی صورت میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ہم نے اپنے تمام نعروں کو عمل کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھ لیا۔

ہاں! ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہمارے عملی راستے میں رکاوٹیں بہت زیادہ پیش آئی ہیں کہ جس کی وجہ سے ہم اپنے طریقہ کار اور حکمت عملی میں تبدیلی لانے پر مجبور ہو گئے ہیں ہم کیوں اپنے کو، اپنی ملت کو، اپنے ملک کے ذمہ داروں کو کم سمجھیں اور تمام امور میں عقل و تدبیر کا مرکز دوسروں کی فکروں کو قرار دے لیں؟

میں اپنے عزیز طلاب کو خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ظاہری عمامہ پوشوں اور مقدس نماؤں کی باتوں میں نہ آئیں اور ان انقلابی نماؤں کے بروئے کار آنے کے تلخ تجربے سے جو بظاہر عقلائے قوم سمجھے جاتے تھے اور کبھی بھی گروہ علماء کے مقاصد سے ہم آہنگ نہیں ہوئے، عبرت حاصل کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ ان لوگوں کے گزشتہ افکار و نظریات اور خیانتیں فراموش کر دی جائیں اور بیجا ہمدردیاں اور سادہ اندیشیاں نظام حکومت کی سرنوشت ساز کلیدی جگہوں پر ان کی واپسی کا سبب بن جائیں۔

لیبرل عناصر ابتداء ہی سے انقلاب کے ساتھ نہیں تھے

میں پہلے کی طرح آج نقلاب اسلامی کی کامیابی کے دس سال بعد بھی اس بات کا اعتراف کرتا ہوں، کہ ابتدائے انقلاب میں بعض فیصلے مثلاً اہم عہدے اور امور مملکت ایک ایسے گروہ کے سپرد کیا جانا جو خالص اسلام محمدی پر واقعی اور خالص عقیدہ نہیں رکھتا تھا ایک اشتباہ تھا جس کے آثار و نتائج اور اس کی تلخیاں آسانی سے دور ہونے والی نہیں ہیں اگرچہ اس وقت بھی میں بذات خود ان لوگوں کے بروئے کار آنے کے حق میں نہیں تھا لیکن دوستوں کی صوابدید اور تائید کی بنا پر میں نے اسے قبول کر لیا تھا اور آج بھی بہت سختی کے ساتھ میں اپنے اس عقیدہ پر قائم ہوں کہ وہ لوگ نقلاب اسلامی کو اس کے تمام اصولوں اور راہوں سے منحرف کر کے عالمی استعمار امریکہ کی گود میں جا بیٹھنے سے کم پر قناعت نہیں کریں گے۔

حالانکہ یہ لوگ دوسرے کاموں میں بھی سوائے باتیں بنانے اور دعوے کرنے کے کسی ہنر و لیاقت کے مالک نہیں ہیں۔ مجھے آج اس پر ذرا بھی افسوس نہیں ہے کہ وہ لوگ ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ کیونکہ ابتداء سے ہی وہ ہمارے ساتھ نہیں تھے۔ انقلاب کسی گروہ کا مرہون منت نہیں ہے۔ اور ہم آج تک ان گروہوں اور لیبرل عناصر پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ کر لینے کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ انقلاب اور ملک کی آغوش ہمیشہ ان لوگوں کے لئے کھلی رہی ہے جو اپنے ملک میں واپسی اور خدمت کا ارادہ رکھتے تھے یا رکھتے ہیں لیکن اپنے اصولوں سے دست بردار ہونے کی قیمت پر نہیں کہ وہ آتے ہی ہم سے سوال کرنے لگیں کہ آپ نے "مرگ بر امریکہ" کیوں کہا؟ آپ نے جنگ کیوں کی؟ آپ انقلاب کے مخالفین اور منافقین کے بارے میں کیوں حکم خدا جاری کرتے ہیں؟ آپ "نہ مشرق نہ مغرب" کا نعرہ کیوں لگاتے ہیں؟ (امریکی) جاسوسی اڈہ پر کیوں قبضہ کیا؟ اور اسی طرح کے سینکڑوں دوسرے سوالات!!!

اور اس سلسلہ میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ خدا کے دشمنوں، قانون شکنوں اور نظام اسلامی کے مخالفوں کے سلسلہ میں بے جا اور بے محل رحم دلی کے زیر اثر ہم اس طرح سے اظہار و تبلیغ نہ کریں کہ احکام خدا اور حدود الٰہی زیر سوال آ جائیں۔

میں اس طرح کے بعض موارد کو نہ صرف یہ کہ ملک کے لئے سودمند نہیں سمجھتا بلکہ میری نظر میں اس طرح کے بیان سے دشمن فائدہ اٹھاتے ہیں۔

میں ان لوگوں سے جن کی ریڈیو، ٹیلی ویژن اور مطبوعات تک پہنچ ہے اور بعض اوقات

کے محکم ستون رہے ہیں معاذ اللہ اسلام و انقلاب اور عوام سے منحرف ہوگئے ہیں؟

کیا یہی حضرات نہیں تھے جنھوں نے انقلابی جد وجہد کے دوران شاہی حکومت کے غیر قانونی ہونے کا حکم دیا تھا؟

کیا یہی حضرات نہیں تھے جنھوں نے جب ایک عالم نے بظاہر مرجعیت کے منصب پر ہوتے ہوئے اسلام و انقلاب سے دوری اختیار کی تو عوام کو اس کی حقیقت سے آگاہ کر دیا؟

کیا محترم مدرسین نے محاذ جنگ اور غازیان اسلام کی پشت پناہی نہیں کی ہے؟

اگر خدانخواستہ یہ لوگ بے وقعت ہوگئے تو ان کی جگہ کون سی طاقت پر کر سکتی ہے؟

کیا استکبار کے دست و بازو، جنھوں نے عالم نماؤں کی مرجعیت کی حد تک تقویت کی ہے، کسی دوسری فرد کو دینی درس گاہوں پر مسلط نہیں کر سکتے؟ اور کیا وہ لوگ جنھوں نے انقلاب سے قبل کے پندرہ سالہ طوفانی دور میں اور انقلاب کے بعد کے دس سالہ کمر شکن حالات میں نہ تو کبھی مبارزات کی سختیاں برداشت کیں، نہ جنگ کی صعوبتیں جھیلیں نہ ملک کو چلانے اور ترقی دینے میں کوئی قربانی پیش کی اور نہ اپنے عزیزوں کی شہادت کا منہ دیکھا بلکہ بہت ہی بے فکری اور راحت و آرام کے ساتھ اپنے درس و تدریس اور بحث و مباحثہ میں مشغول رہے ہیں، کیا ایسے لوگ مستقبل میں اسلامی انقلاب کے پشت پناہ ہو سکتے ہیں؟

سچ بتایئے! انقلابی علماء و طلباء کی کسی بھی ایک جماعت "روحانیون مبارز" روحانیت مبارز اور "جامعہ مدرسین" کی شکست کس گروہ اور کس طرز فکر کی کامیابی کا سبب بنے گی؟ ظاہر ہے کہ جو گروہ بھی کامیاب ہوگا یقیناً علماء سے نہیں ہوگا اور اگر وہ گروہ مجبور ہو کر علماء کی طرف متوجہ بھی ہو تو وہ علماء کے کس طبقہ اور کس طریقۂ فکر کی تلاش کرے گا؟ آپ خود فیصلہ کریں۔

اختلاف بہرحال نقصان دہ ہے

مختصر یہ کہ اختلاف چاہے جس قسم کا بھی ہو نہایت نقصان دہ ہے جہاں اسلامی انقلاب پر یقین رکھنے والی طاقتیں حتیٰ "فقہ سنتی" اور "فقہ پویا" کے نام پر سہی محاذ آرائی کی حد تک پہنچ گئیں وہیں سے دشمنوں کے فائدہ اٹھانے کا راستہ کھل جائے گا۔ محاذ آرائی آخر کار جنگ کی نوبت لاتی ہے۔ ہر گروہ اپنے مدمقابل کو ختم کرنے اور مردود قرار دینے کے لئے کسی نہ کسی آواز اور نعرے کا انتخاب کرتا ہے۔ ایک گروہ پر سرمایہ داری اور دوسرے پر "التقاطی" ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے ہمیشہ تمام گروہوں کو اعتدال پر باقی رکھنے کے لئے شیریں اور تلخ نصیحتیں کی ہیں۔ کیونکہ میں سب ہی کو اپنا عزیز اور اپنی اولاد سمجھتا ہوں۔ البتہ میں کبھی فروع و اصول فقہ پر طالب علمانہ تند و تیز بحثوں سے فکر مند نہیں ہوا۔ لیکن انقلاب پر یقین رکھنے والے گروہوں

دوسروں کی باتیں دہراتے ہیں علی الاعلان واضح طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ :۔

جب تک میں ہوں حکومت لبرل عناصر کے ہاتھوں میں نہیں جانے دوں گا۔

جب تک میں ہوں منافقین کو اجازت نہیں دوں گا کہ وہ بے پناہ و بے سرپرست مسلمانوں کے اسلام کو تباہ و برباد کردیں۔

جب تک میں ہوں "نہ شرقی، نہ غربی" کے اصول سے ہرگز انحراف نہیں کروں گا۔

جب تک میں ہوں امریکہ اور روس کے ہاتھوں کو ہر میدان میں قلم کرتا رہوں گا۔

مجھے اطمینان کامل ہے کہ ہمارے عوام بنیادی پالیسیوں میں پہلے کی طرح اب بھی اسلامی انقلابی نظام کے پشت پناہ و محافظ ہیں جنھوں نے دسیوں بلکہ سیکڑوں مظاہرات میں اپنی حمایت و موجودگی کا ثبوت دینے کے علاوہ اس سال ۲۲ بہمن (۱۱ فروری) کے مظاہرے میں اپنی مکمل آمادگی کی حقیقت دنیا والوں پر روشن کردی ہے انھوں نے واقعاً دشمنان انقلاب کو حیرت زدہ کردیا، کہ یہ لوگ کس حد تک ایثار و فداکاری کے لئے تیار ہیں، میں اس منزل میں اپنے آپ کو شرمندہ اور ناقابل تصور کرتا ہوں کہ ان لوگوں کی تعریف و توصیف میں اپنی زبان کھولوں۔ ان تمام اخلاص اور رشد و بندگی کا صلہ ان کو پروردگار دے گا لیکن میں ان لوگوں سے جو نادانستہ طور پر ہمارے عزیز اور دیندار عوام پر انقلاب، علماء اور اسلامی اصولوں سے روگردانی کا الزام لگاتے ہیں" گزارش اور نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی گفتگو اور تحریر و تقریر میں دقت نظر سے کام لیں اور اپنے غلط و بے جا احساسات و تصورات کو انقلاب اور عوام کے سروں پر نہ منڈھیں

ایک دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آج انقلابی علماء کا باہمی مقابلہ اور ٹکڑیوں میں بٹنا کس کے حق میں ہے؟ دشمن بہت پہلے سے علماء کے درمیان اختلاف ڈالنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے اس کی طرف سے ذراسی غفلت تمام چیزوں کو تباہ کردے گی اب یہ اختلاف چاہے جس قسم کا ہو، اعلیٰ ذمہ داروں سے شدید بدظنی پر مبنی ہو، فقہ سنتی اور جدید تقاضوں سے معمور فقہ کی حدبندی وغیرہ سے متعلق ہو یا کسی اور طرح کا ہو۔

اگر حوزہ علمیہ کے طلاب و مدرسین ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہ ہوئے تو یہ پیشین گوئی نہیں کی جاسکتی کہ کامیابی کس کے قدم چومے گی؟ اور اگر بفرض محال فکری حاکمیت، جمود پسند عالم نماؤں کے ہاتھوں میں آگئی تو انقلابی علماء خدا اور عوام کے سامنے کیا جواب دیں گے؟

انشاءاللہ" جامعہ مدرسین اور انقلابی طلباء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اور اگر ہو بھی، تو کس چیز پر؟ اصول پر یا طریقۂ کار پر؟ آیا محترم مدرسین جو حوزہ علمیہ میں انقلاب

کے آپسی ٹکراؤ اور مقابلہ آرائی سے فکرمند ہوں کہ کہیں اس کا انجام بے حس تعیش پسند، طعنہ زن گروہ کی تقویت کی صورت میں ظاہر ہو۔

نتیجۂ بحث یہ کہ اگر انقلاب اور خالص اسلام کے طرفدار علماء دیر سے حرکت میں آئے تو دنیا کی بڑی طاقتیں اور ان کے ایجنٹ مدارس کو اپنے حق میں کر لیں گے۔ جامعہ مدرسین کے افراد کو چاہیئے کہ انقلابی اور زحمت کش، قید و بند کی صعوبت اور محاذ جنگ کی سختیاں جھیلے ہوئے عزیز طلاب کو اپنا سمجھیں، ان کے ساتھ نشستیں رکھیں اور ان کی تجاویز و نظریات کا استقبال کریں اور انقلابی طلباء کو بھی چاہیئے کہ انقلاب کے طرفدار اساتذہ کا احترام کریں، نگاہ احترام سے ان کی طرف دیکھیں اور بے وقعت، وقت کے متلاشی اور فضول میں میخ نکالنے والے طعنہ زنوں کے مقابلہ میں متحد رہیں اور خود کو شہادت و قربانی اور عوام کی ہدایت و تبلیغ کے لئے پہلے سے زیادہ آمادہ کریں۔ چاہے معاشرہ و عوام حقیقت پسند ہیں ــ جیسا کہ ہمارے زمانے میں، حقیقت امر یہ ہے کہ لوگ ہمارے خیال اور توقع سے بھی زیادہ علماء کے وفادار رہے ہیں اور رہیں گے ــ یا حقیقت سے منہ موڑ لیں جیسا کہ معصومین علیہم السلام کے زمانہ میں ہوا

دشمنوں کا مقصد انقلابی علماء کا خاتمہ ہے

ایران کے شریف شہریوں کو اس بات کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے کہ عموماً جو پروپیگنڈے علماء دین کے خلاف ہو رہے ہیں ان کا مقصد انقلابی علماء کو ختم کر دینا ہے۔ شیطانی چیلے مشکلات اور سختیوں میں لوگوں کو تلاش کرتے رہتے ہیں تاکہ ان کا کان بھر سکیں کہ ان تمام مشکلات اور سختیوں کا سبب یہی علماء دین ہیں اور وہ بھی کون سے علماء؟ وہ علماء جو غیر ذمہ دار و بے حس ہیں؟ نہیں! بلکہ وہ علماء جنھوں نے ہمیشہ خطرات اور حادثات میں اپنے آپ کو دوسروں سے پہلے پیش کیا ہے۔ کوئی اس کا دعویٰ نہیں کرتا کہ عوام اور غریب طبقہ مشکل سے دوچار نہیں ہے اور تمام چیزیں عوام کو مہیا ہیں۔ یقیناً دس سالہ محاصرے، جنگ اور انقلاب کے اثرات ہر جگہ ظاہر ہو رہے ہیں، اشیاء کی کمیابی اور ضروریات سر ابھار رہی ہیں میں پورے وثوق و اعتماد کے ساتھ اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اگر علماء دین کے بجائے دوسرے افراد انقلاب کے محافظ و پیش رو ہوتے اور فیصلے ان کے اختیار میں ہوتے تو امریکہ اور دیگر بڑی طاقتوں کے سامنے آج ہمیں سوائے ننگ و ذلت و عار کے کچھ اور نصیب نہ ہوتا اور تمام اسلامی و انقلابی عقائد و اصول سے ہاتھ دھونے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہ ہوتا۔ یہاں وضاحت ضروری ہے کہ علماء اسلام اور انقلاب سے متعلق واقعات کا یہ مختصر سا ذکر

اس لئے نہیں ہے کہ عزیز طلاب اور عزیز علماء کل اس تحریر کی بناء پر انقلابی قسم کے تند اقدام کرنے لگیں بلکہ اس کا مقصد چند نکتوں سے علم و آگاہی ہے تاکہ آئندہ اپنی راہ کے انتخاب میں بصیرت سے کام لیں۔ راہ، راہ کے خطرات اور دشمن کی کمین گاہوں کو اچھی طرح پہچان لیں۔

جہاں تک حوزۂ علمیہ میں تحقیق و تحصیل کی روش کا سوال ہے میری نظر میں فقہ سنتی اور اجتہاد جواہری اس کی بہترین راہ ہے اس سے تخلف کو میں جائز نہیں سمجھتا۔ اجتہاد اسی طرح کا صحیح ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلامی فقہ میں عصر جدید کے تقاضوں کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اجتہاد میں زمان و مکان دو اہم عنصر ہیں۔ جو مسئلہ پہلے ایک حکم کا حامل تھا بظاہر وہی مسئلہ ممکن ہے ایک نظام میں سیاست و اجتماع و اقتصاد کے تقاضے اور روابط کی بنیاد پر جدید حکم کا حامل ہو جائے بایں معنی کہ اقتصادی و اجتماعی و سیاسی روابط کا گہری نظروں سے جائزہ لینے کے بعد وہی موضوع اول ممکن ہے نظر ظاہر میں مسئلہ قدیم سے کوئی اختلاف نہ رکھتا ہو لیکن واقعی طور پر مسئلہ نے نیا رخ اختیار کر لیا ہو اس لئے قہری طور پر اس کا حکم بھی اب جدید ہو جائے گا۔

مجتہد کو اپنے زمانہ کے مسائل پر حاوی ہونا چاہیے

لوگوں خصوصاً نوجوانوں بلکہ عوام کے لئے بھی یہ بات قابل قبول نہیں ہے کہ اس کا مرجع و مجتہد یہ کہے کہ میں سیاسی مسائل میں کوئی رائے نہیں دیتا۔

دنیا پر حاکم ثقافت کی حیلہ سازیوں اور چال بازیوں سے مقابلہ کا طریقہ جاننا، اقتصادی نظر و بصیرت پایا جانا، دنیا میں رائج اقتصادی نظام سے نپٹنے کے طریقوں سے باخبر ہونا مختلف سیاستوں یہاں تک کہ سیاستمداروں اور ان کے جاری کردہ سیاسی فارمولوں سے بھرپور واقفیت، موقع و محل کی شناخت سرمایہ داری اور کمیونزم کے دونوں بلاک جو دراصل ساری دنیا پر حکومت کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں ان کے کمزور اور مضبوط پہلوؤں کو پہچاننا ایک مجتہد جامع الشرائط کے خصوصیات میں سے ہے۔ ایک مجتہد میں اتنی ذہانت و فراست اور عقل و ہوش ہونا چاہیے کہ ایک عظیم اسلامی معاشرہ حتیٰ غیر اسلامی معاشرہ کی ہدایت و رہبری کر سکے۔

اس اخلاص تقویٰ اور تقدس کے علاوہ جو ایک مجتہد کی شان ہے اس کو واقعی طور پر مدبر و رہبر بھی ہونا چاہیئے۔

ایک واقعی مجتہد کی نظر میں حکومت پوری فقہ کا وہ عملی فلسفہ ہے جو انسانی زندگی

تمام گوشوں پر حاوی ہے۔ حکومت تمام اجتماعی، سیاسی، فوجی اور ثقافتی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے سلسلہ میں فقہ کے عملی پہلوؤں کی نشاندہی کرتی ہے۔ فقہ انسان اور معاشرہ کو مکمل طور پر مہد سے لے کر لحد تک چلانے والی ایک کامل اور واقعی تھیوری ہے۔ بنیادی مقصد یہی ہے کہ ہم کس طرح فقہ کے محکم اصول کو ایک فرد اور معاشرہ کی عملی زندگی میں نافذ کریں اور تمام مشکلات کا حل پیش کر سکیں اور دنیا کے مستکبرین کو تمام تر خطرہ اسی مسئلہ سے ہے کہ فقہ و اجتہاد، عملی اور مشاہداتی صورت میں سامنے نہ آجائے اور مسلمانوں کے اندر ان سے ٹکرانے کی قوت نہ پیدا کر دے۔

کفر آمیز کتاب "آیات شیطانی"

ہمیں بتائیں کیا بات ہے کہ اغیار کے ایک ایجنٹ کے سلسلہ میں ایک ایسے شرعی و اسلامی حکم کا اعلان کر دینے پر جو تمام علماء کے نزدیک متفق علیہ ہے تمام استعماری طاقتیں برافروختہ ہو گئیں؟ اور دنیائے کفر کے علمبردار، یورپی مشترکہ منڈی اور اس قسم کے دوسرے لوگ اس قدر دوڑ دھوپ اور جیا بانہ تلاش و جستجو میں لگ گئے ہیں؟ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ استکباری قائدین مسلمانوں کی اس قوت عملی سے خوفزدہ ہیں جو ان کی شرمناک سازشوں کو سمجھنے اور مقابلہ کرنے کے سلسلہ میں پیدا ہو گئی ہے۔ یہ لوگ آج مسلمانوں کے اسلام کو ایک فعال و متحرک و نبرد آزما اور ترقی یافتہ مکتب کی شکل میں دیکھتے ہیں اور اب چونکہ ان کی شرارتوں کی راہیں محدود ہو گئی ہیں اور ان کے ہاتھوں بکے ہوئے افراد پہلے کی طرح اطمینان کے ساتھ مقدسات اسلام کے خلاف قلم فرسائی نہیں کر سکتے۔ اس لئے وہ مضطرب و پریشان ہو گئے ہیں۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ہمارے خلاف بڑی طاقتوں کی تمام سازشیں لادی گئی جنگ سے لے کر اقتصادی ناکہ بندی وغیرہ تک یہ سب کی سب محض اس لئے ہے کہ ہم یہ نہ کہیں "اسلام کے پاس ہر مسئلہ کا حل موجود ہے۔" اور ہم اپنے تمام مسائل و اقدامات میں ان کی اجازت کے بغیر قدم نہ اٹھائیں ہم کو غفلت نہیں برتنا چاہئے بلکہ اس سمت کی طرف قدم اٹھانا چاہئے کہ انشاء اللہ اس وحشی دنیا سے ہماری وابستگی کے تمام رگ و ریشہ منقطع ہو جائیں۔

مغربی استکبار نے شاید یہ خیال کر لیا ہے کہ یورپی مشترکہ منڈی اور اقتصادی ناکہ بندی کی بات سن کر ہم گھٹنے ٹیک دیں گے اور اجرائے حکم پروردگار سے صرف نظر کر لیں گے!

سنی عجیب سی بات ہے کہ یہ بظاہر متمدن و متفکر افراد، جس وقت ایک ضمیر فروش زر خرید مصنف اپنے زہر آلود قلم کی نوک سے ایک ارب انسانوں اور مسلمانوں کے حرمت کو مجروح کرتا ہے اور اس راہ میں کچھ لوگ شہید بھی کر دیئے جاتے ہیں تو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی بلکہ اس عظیم المیہ کو عین جمہوریت اور تمدن کا نام دیتے ہیں لیکن جب [illegible]

عدالت کا مسئلہ اٹھایا جاتا ہے تو انسان دوستی اور نرم روی کی دہائی دیئے جاتے ہیں ہم ان ہی باتوں کی بنیاد پر مغربی دنیا کی دنیائے اسلام اور فقاہت کے ساتھ کینہ و دشمنی کا اندازہ لگاتے ہیں، ان کے لئے یہ مسئلہ اصل میں ایک شخص کے دفاع کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اسلام دشمنی کی لہر کی حمایت کا مسئلہ ہے جسے صیہونی، برطانوی، اور امریکی اداروں نے نصب العین قرار دے لیا ہے۔ اور اپنی حماقت و جلد بازی کی وجہ سے خود کو دنیائے اسلام کے مد مقابل لا کھڑا کیا ہے۔ البتہ ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کچھ اسلامی حکومتوں کا برتاؤ اس عظیم حادثہ کے سلسلہ میں کیا رہا ہے؟ یہ تو عرب و عجم، فارس و ایران کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ تو صدر اسلام سے لے کر اس وقت تک اور آج سے لے کر ہمیشہ تک کے لئے مسلمانوں کے مقدسات کی اہانت کا مسئلہ ہے جو اسلامی مکتب و ثقافت میں دوسروں کی مداخلت اور رخنہ اندازی کا نتیجہ ہے اور اگر آج ہم نے غفلت سے کام لیا تو یہ سمجھ لیجئے کہ یہ ابھی ابتدا ہے۔ استعمار ایسے نہ معلوم کتنے خطرناک سم کے سانپوں اور زر خرید قلم کاروں کو اپنی آستینوں میں چھپائے ہوئے ہے۔

ان حالات میں کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ہم ان سے تعلقات کی برقراری اور روابط میں وسعت پیدا کرنے کے بارے میں سوچیں کیوں کہ ایسا کرنے سے ممکن ہے دشمن یہ سوچنے لگے کہ ہم ان کے وجود سے اس قدر وابستگی و علاقہ مندی رکھتے ہیں کہ اپنے دینی معتقدات و مقدسات کی توہین کے باوجود ہم خاموش اور مطمئن بیٹھے رہیں گے۔

وہ لوگ جو ابھی تک اس خیال میں مبتلا ہیں اور حالات کو اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ ہم کو اپنی سیاست و اصول اور ڈپلومیسی میں تجدید نظر کرنا چاہیئے، ہم نے اب تک غلطی کی ہے اور گزشتہ غلطیوں کی تکرار نہیں کرنا چاہیئے اور جن لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ ہمارے تیز و تند نعرے یا جنگ ہماری طرف سے مشرق کی بدبینی کا سبب بنے ہیں جس کے نتیجہ میں ہمارا ملک ہر طرف سے کٹ کے رہ گیا ہے اور اگر ہم واقعیت کو درک کرتے ہوئے عمل کریں تو وہ بھی ہمارے ساتھ انسانی برتاؤ کریں گے اور ملت ایران، اسلام اور مسلمانوں کا بھی جواب میں احترام کریں گے! ان تمام لوگوں کے لئے یہ خدا کی طرف سے مہیا کردہ ایک نمونہ ہے جو

کفر آمیز کتاب "آیات شیطانی" کی صورت میں اس وقت ظہور پذیر ہوا ہے، جس نے فرعونی اور استکباری دنیا کے چہرے سے نقاب الٹ دیا ہے اور انھوں نے اپنی اسلام سے دیرینہ دشمنی کا برملا اظہار کر دیا ہے تاکہ ہم اپنی سادہ اندیشی سے باز آجائیں اور ہر چیز کو اشتباہ، بدانتظامی اور ناتجربہ کاری پر محمول نہ کریں اور ہم اپنے پورے وجود کے ساتھ اس بات کا احساس کرلیں کہ مسئلہ ہمارے اشتباہ کا نہیں ہے بلکہ استعماری دنیا کا یہ ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے جس کے تحت وہ اسلام اور مسلمانوں کو فنا اور برباد کر دینا چاہتے ہیں۔ ورنہ خود "سلمان رشدی" کا مسئلہ شخصاً ان کے نزدیک اتنا اہم نہیں ہے کہ پورا عالم صہیونیت اور عالم استکبار اس کی پشت پناہی پر آمادہ ہو جائے۔

حضرات علماء، عزیز و محترم حزب اللّٰہی افراد، محترم شہداء کے اہل خاندان اس بات کی طرف پوری طرح متوجہ رہیں کہ اس طرح کے غلط تجزیوں اور فکروں سے ان کے عزیزوں کا خون پامال نہ ہونے پائے مجھے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں آج کے مبصر دس سال کے بعد کرسی قضاوت پر بیٹھ کر یہ نہ کہنے لگیں: کہ آؤ دیکھیں اسلامی نقطہ نظر کے تحت دیا جانے والا فتویٰ اور سلمان رشدی کے قتل کا حکم ڈپلومیسی کے اصول و قوانین کے مطابق تھا یا نہیں؟! اور پھر یہ نتیجہ نکالیں کہ چونکہ حکم خدا کا بیان ان آثار و نتائج کا حامل رہا ہے اور اس کی وجہ سے یورپی مشترکہ منڈی اور مغربی حکومتوں نے ہمارے خلاف جارحانہ اقدام کیا ہے۔ لہٰذا ہم کو ایسی غلطی نہیں کرنا چاہئے۔ دین اسلام اور حضور سرور کائنات کی شان اقدس میں گستاخی اور بے حرمتی کرنے والے کو درگزر کر دینا چاہئے۔

اسلام کی فقہ عملی

خلاصہ کلام یہ کہ ہم کو مغربی حیلہ گروں اور مشرقی حملہ آوروں اور دنیا پر حاکم ڈپلومیسی اور سیاست کی پرواہ کئے بغیر فقہ اسلامی کو دنیائے عمل میں لانا چاہئے ورنہ جب تک فقہ صرف کتابوں اور علماء کے سینوں میں چھپی رہے گی دنیا کی ظالم استعماری طاقتوں کے لئے کوئی ضرر نہیں ہے، علماء دین جب تک تمام مسائل و مشکلات میں فعال کردار ادا نہیں کر سکتے یہ بات درک نہیں کر سکتے کہ محض اصطلاحی اجتہاد معاشرہ کو چلانے کے لئے کافی نہیں ہے۔ حوزۂ علمیہ اور علماء کرام کے لئے ضروری ہے کہ معاشرہ کے طرز تفکر اور اس کے آئندہ ضروریات کی نبض کو ہمیشہ اپنے ہاتھوں میں رکھیں اور ہمیشہ حوادث سے چند قدم پہلے ہی

مناسب ردعمل کے لئے تیار رہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ لوگوں کے امور حل کرنے کے رائج طریقے آئندہ برسوں میں بدل جائیں اور انسانی معاشرہ اپنے مشکلات کے حل کے لئے اسلام کے جدید مسائل کا محتاج ہو۔ اسلام کے بڑے بڑے علماء کو ابھی سے اس موضوع پر غور و فکر کرنا چاہئے۔

قضاوت و اجرائے حکم

آخری بات جس کی طرف آپ حضرات کی توجہ مبذول کرانا ضروری ہے یہ ہے کہ علماء اور طلاب سب کو چاہئے کہ انتظامی و عدالتی ذمہ داریوں کو اپنے لئے ایک مقدس فریضہ اور الٰہی اقدام میں شمار کریں اور اپنی شخصیت و اہمیت کو سمجھیں کہ وہ حوزہ میں نہیں بیٹھے ہوئے ہیں بلکہ حکم خدا کے اجراء کے لئے حوزہ کے راحت و آرام کو چھوڑ کر اسلامی حکومت کے کاموں میں مشغول ہوئے ہیں۔

اگر کوئی طالب علم جمعہ کی امامت، عوام کی تبلیغ و نصیحت یا امور مسلمین میں قضاوت کی جگہ کو خالی دیکھے اور اپنے اندر اس جگہ کو پر کرنے کی صلاحیت پاتا ہو اور صرف درس و بحث کو بہانہ بنا کر اس ذمہ داری کو قبول نہ کرے یا اپنے دل کو اجتہاد و درس کے خیال سے خوش رکھے تو یقیناً بارگاہ ایزدی میں جواب دہ ہوگا اس کا عذر ہرگز معقول نہیں ہے۔

ہم اگر آج اسلامی نظام کی خدمت نہ کریں اور عوام کے درمیان علماء کی بے مثال قدر و منزلت اور مقبولیت نظر انداز کر دیں تو پھر کبھی اس سے بہتر حالات اور فرصت نصیب نہ ہوگی۔

مجھے امید ہے کہ آپ حضرات اپنے اس بوڑھے باپ کی مشفقانہ نصیحتوں اور یاددہانیوں اور اپنے اس حقیر خدمت گزار کی باتوں سے دل گرفتہ ہوئے ہوں گے اور مقامات قبولیت دعا میں اپنے انفاس قدسیہ اور قلوب منورہ کے ساتھ میرے لئے بھی دعا اور طلب مغفرت فرمائیں گے اور میں بھی حقیقی علماء اور حوزۂ علمیہ کو اپنی یاد اور دعائے خیر میں فراموش نہیں کرتا ہوں۔

خداوندا! علماء دین کی طاقت کو اپنے دین کی خدمت کے لئے زیادہ کر۔

خداوندا! حوزۂ علمیہ کو جو فقاہت و اسلام خالص کا حفاظتی قلعہ ہے ہمیشہ قائم و دائم رکھ

خداوندا! حوزہ علمیہ کے شہید ہونے والے علماء و طلبہ کو اپنی بیکراں نعمتوں اور تقرب کی منزلوں سے بہرہ مند فرما۔

خداوندا! ان کے جانباز زخمی سپاہیوں کو شفا عطا فرما، ان کے شہداء کے خاندانوں کو صبر و اجر مرحمت فرما۔ ان کے مفقود الخبر عزیزوں اور اسیروں کو جتنی جلدی ہو سکے ان کے وطن واپس فرما!

خداوندا! اپنے دین اور علم کی خدمت گزاری کی قدر و قیمت کو ہمارے دل و نگاہ میں زیادہ کر اور جاودانہ بنا دے۔ انک ولی النعم

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

روح اللہ الموسوی الخمینی

۲, اسفند ۱۳۶۷ ش ق (۲۲, فروری ۱۹۸۹ء)
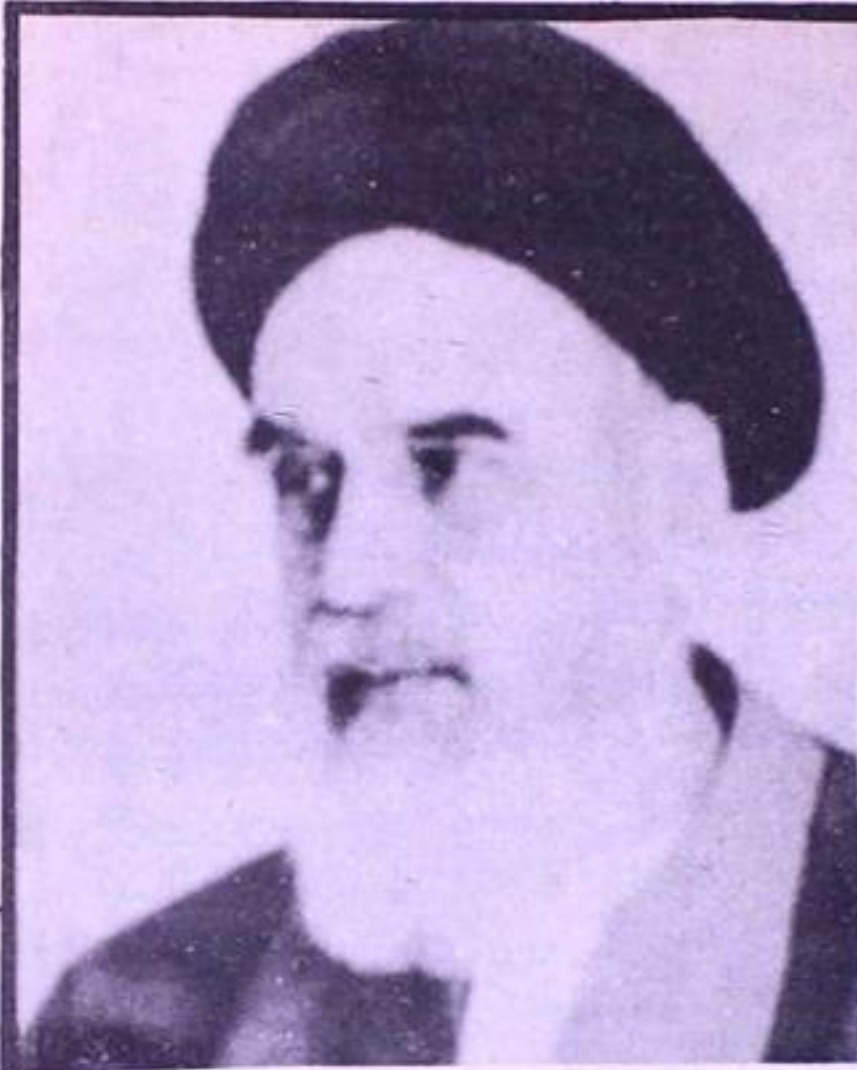
یہی ہے نسخۂ مرہمِ جراحتِ دل کا

(اِمامِ اُمّت کا مسٹر گورباچوف کے نام پیغام)

نہ پوچھ نسخۂ مرہم جراحتِ دل کا
کہ اس میں ریزۂ الماس جزوِ اعظم ہے
(غالبؔ)

آیۃ اللہ جواد آملی کی زبانی

ترجمہ و تلخیص: سید کلب مہدی

سب سے پہلے آپ حضرات یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ پوری ملت ایران کی دلی تمنا اور آرزو ہے کہ یہ اسلامی انقلاب کتاب اللہ، سنتِ رسول ص کی پابندی اور سیرت ائمہ طاہرین کی پیروی کے ساتھ قائم اور باقی رہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آنحضرت ص نے ارشاد فرمایا ہے کہ علماء انبیاء کے ورثہ دار ہوتے ہیں۔ حدیث میں یہ نہیں ہے کہ علماء نبی ص کے وارث ہوتے ہیں، بلکہ دونوں جگہوں پر جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں یعنی یہ وراثت کسی ایک دور کے علماء کے ساتھ مخصوص ہے نہ کسی ایک نبی ص کے ساتھ۔ اس لیے جیسا حالات کا تقاضہ ہوگا اس دور کے عالم میں ویسی ہی وراثت جھلکے گی۔ کوئی موسوی دبدبہ کا حامل ہوگا تو کوئی عیسوی ترحم و نرم دلی کا آئینہ دار، اور کوئی خلیل خدا کی طرح اپنے دور کے بتوں کی شکست و ریخت میں مشغول نظر آئے گا۔

قرآنِ مجید کی روشنی میں کسی دوسرے سربراہِ مملکت کو دعوتِ اسلام دینے کی ابتدا حضرت سلیمان ؑ کے عہد میں ملتی ہے جب آپ نے سبا کی ملکہ بلقیس کو اپنے خط کے ذریعہ مسلمان ہو جانے کی دعوت دی۔

آنحضرت ص نے بھی اپنے دور میں اطراف و جوانب کے بادشاہوں اور سربراہوں کو اپنے خصوصی خطوط کے ذریعہ دعوتِ اسلام دی۔ اور اسی اسوۂ حسنہ کی پابندی کرتے ہوئے امام خمینی نے بھی اپنے ایک خصوصی خط کے ذریعہ روس کے صدر گورباچوف کو دینِ حق اختیار کر لینے کا پیغام دیا۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ اندرونی انقلاب بیرونی انقلاب کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ پھر قرآنِ مجید کا پیغام تو خود اپنے ارشاد کے مطابق ساری دنیا کے لیے ہے، اس لیے ایران کے اسلامی انقلاب کی بنیادی پالیسی ہی یہ ہے کہ قرآنِ مجید کے تعلیمات کو عام کر کے دنیا میں ایک تہذیبی اور فکری انقلاب پیدا کر دیا جائے۔ گورباچوف کے نام امام خمینی کا یہ پیغام اسی سمت میں ایک قدم تھا۔ سربراہِ مملکت تک کوئی بات پہنچائی جاتی ہے تو اس کی صدائے بازگشت اس ملک کے عوام کے کانوں تک پہنچتی ہے۔ روس کے صدر کے نام اس پیغام کو ارسال کرنے میں بنیادی فکر یہی بات تھی۔

جنگ ختم ہوتی ہے تو تبلیغ دین کا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ آیۃ اللہ خمینی رہ کی بصیرت نے محسوس کر لیا تھا کہ کمیونزم جس راستہ پر ستر سال تک چلتا رہا انجام کار وہ ایک بند راستہ ثابت ہوا ہے۔ اس لیے اس وقت سے بہتر اور کوئی موقع نہ ہو سکتا تھا کہ ماضی کی غلطی کی طرف متوجہ کیا جائے۔ امام خمینی اس ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے تیار تھے۔ اس پیغام کی پیغامبری کی ذمہ داری ہمارے کاندھوں پر رکھی گئی تھی۔

ماسکو میں ہمارا استقبال رسمی استقبال سے بڑھ کر ہوا اور یہ عزت افزائی دورہ کے آخری لمحہ تک جاری رہی۔ ہمارا ہوائی جہاز ماسکو ایرپورٹ تک چالیس کلومیٹر کا راستہ برف سے ڈھکا ہوا تھا۔ مگر ہمارا استقبال کرنے والوں میں گورباچوف کے ذاتی نمائندہ کے علاوہ روسی نائب وزیر خارجہ اور ماسکو کی جامع مسجد کے سرکاری امام بھی تھے۔ ان لوگوں نے ہوائی جہاز کے زینہ پر ہمارا استقبال کیا اور پھر یہ سب ہی لوگ ماسکو شہر تک ہمارے ساتھ ہی رہے

ہم ماسکو کی سرزمین پر اسلام کے داعی بن کر آئے تھے اس لیے ہم نے شہر کی طرف روانہ ہوتے ہی اپنے مشن کی تمہید شروع کر دی۔ ہم نے آرمینیہ کے زلزلہ پر اپنے رنج و صدمہ کا اظہار کیا اور بتایا کہ اس صدمہ میں ہم آپ

کے برابر کے شریک ہیں۔ روسی وزیر خارجہ نے شکریہ ادا کیا تو ہم نے کہا کہ آپ کا زلزلہ تو چند منٹ کا تھا اور ہمارا زلزلہ تو آٹھ برس جاری رہا۔ یہ زلزلہ بے قصور شہریوں پر عراقی ہوائی جہازوں کے بموں کے دھماکوں اور میزائلوں کے حملوں اور اندھادھند کیمیاوی گیسوں کے استعمال سے رونما ہوتا تھا۔ روسی وزیر خارجہ اس پر چپ ہو گئے اور بات پھر آرمینیا کے زلزلہ کے متعلق شروع ہو گئی۔ اسی ذیل میں ہم نے قدرتِ الٰہی کی نشانیوں اور مابعد الطبیعیاتی فلسفہ کی روشنی میں خالقِ کائنات کے وجود پر استدلال کرنا چاہا لیکن جب دیکھا کہ روسی نائب وزیر خارجہ اس رخ پر آنے کے لیے تیار نہیں تو ہم نے کہا کہ سرزمین روس مسائل سے دوچار ہوتی ہے تو آپ کس کی طرف رجوع کرتے ہیں؟ روسی نائب وزیر خارجہ نے کہا کہ ہمارے مسئلوں پر ہماری مجلس میں غور و فکر ہوتا ہے اور وہی ان کا حل نکالتی ہے، اس پر ہم نے فوراً کہا کہ مسئلے اگر آفاقی نوعیت کے ہوں تو آپ کس کی طرف رجوع کریں گے۔ روسی نائب وزیر خارجہ اس منطقی بات کا صرف یہی جواب دے سکے کہ ہم کسی دین و مذہب پر ایمان نہیں رکھتے۔

جو خط ہمارے ساتھ تھا اس کے ذریعہ امام خمینی کی طرف سے ایک عالمی شخصیت کو دعوتِ اسلام دی جا رہی تھی۔

اس لیے وفد کے ارکان کے لیے ضروری تھا کہ اس خط کے مضمون اور اس کی گہرائیوں سے آشنائی حاصل کی جائے، ہم نے سب سے پہلے یہی کام شروع کیا تاکہ اس پیغام کو اچھی طرح سمجھ کر ذمہ داری کے ساتھ پیش کر سکیں۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ روسی صدر سے ملاقات کے دوران اسلامی تہذیب، اخلاق اور شائستگی کا مکمل لحاظ رکھا جائے، کریملن کی آب و تاب اور روسی صدر کی شخصیت ہم میں ذرا بھی مرعوبیت نہ پیدا ہونے دے اس لیے کہ اسلام کی عزت سے بڑھ کوئی عزت نہیں جو الحمدللہ ہم سب کو حاصل تھی۔

ہم لوگوں نے یہ بات بھی طے کی کہ گورباچوف سے ملاقات ہوتے ہی خط ان کے حوالہ نہ کر دیا جائے بلکہ ایک ایک جملہ سُنایا جائے پھر اس کا انگریزی ترجمہ پیش کیا جائے پھر دوسرا جملہ سُنایا جائے اور اس کا انگریزی ترجمہ پیش کیا جائے۔ اس طرح جب پورا خط سُنا لیا جائے تب حوالہ کیا جائے۔ تاکہ ضرورت ہو تو درمیان میں وضاحت طلب باتوں کی وضاحت بھی کر دی جائے۔

کریملین کے ذمہ داروں کی خواہش تھی کہ صدر روس سے ارکانِ وفد میں سے صرف ایک یا دو رکن ملاقات کریں لیکن ہم نے بتا دیا کہ ہمارے وفد میں تین ارکان ہیں یہ تینوں ہی افراد ماسکو میں ایرانی سفیر کے ہمراہ صدر روس سے ملاقات کریں گے۔

مقر کریملین میں صدر روس گورباچوف نے ہمارا سرگرمی سے استقبال کیا۔ گورباچوف سے ہماری ملاقات ۲ گھنٹہ سے زائد جاری رہی۔ شروع کے چند منٹ رسمی باتوں میں ختم ہو گئے اس کے بعد روسی صدر نے کہا کہ دو پڑوسی ملکوں کے لیے یہ بات بالکل ممکن ہے کہ اپنے اپنے نظریات و عقائد پر برقرار رہتے ہوئے بھی اچھے پڑوسیوں کی طرح امن و سلامتی کے ساتھ رہا جائے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ آپ لوگوں کا ماسکو آنا ایک خاص اہمیت کا حامل ہے اس لیے اس کے لیے وقت نکالنا ہی تھا۔

ہمارے وفد نے گفتگو کا آغاز سالِ نو کی مبارکباد سے کیا پھر ہم نے کہا کہ ہمارے ماسکو آنے کی ایک ہی غرض ہے اور وہ یہ کہ ایک عظیم دینی رہنما کا ایک عظیم ترین دین کے بارے میں پیغام پہنچائیں۔ ہم نے بتا دیا کہ چونکہ پیغام انتہائی اہم ہے اس لیے اس کو ہم جملہ بہ جملہ سُناتے جائیں گے اور ساتھ ساتھ انگریزی ترجمہ بھی پیش کیا جاتا رہے گا۔ پھر ہم نے اسی انداز سے خط سُنانا شروع کیا جس کا سلسلہ کامل ایک گھنٹہ تک جاری رہا۔ اس پوری مدت میں روسی صدر مودب شکل میں ہمہ تن گوش بنے رہے۔ ہم نے وقتاً فوقتاً ان کو متاثر ہوتے ہوئے بھی دیکھا۔ ہم نے ان کو خاص طور پر اس وقت بہت زیادہ متاثر پایا جب ہم نے امام خمینیؒ کا یہ جملہ پڑھا کہ "وہ وقت آگیا ہے کہ اب کمیونزم کو آثارِ قدیمہ کے کسی میوزیم میں رکھ دیا جائے"۔

اس درمیان گورباچوف اور اُن کے صلاح کار خط کے اہم نکات کو نوٹ کرتے جاتے تھے۔ دعوت الی اللہ کا حامل یہ خط ختم ہوا تو ہم نے گورباچوف کو متوجہ کیا کہ آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ آپ کی طرح امام خمینیؒ بھی یہی چاہتے

ہیں کہ روس و ایران اچھے پڑوسیوں کی طرح باہمی امن و سلامتی کے ساتھ رہیں۔

روسی صدر نے گفتگو شروع کی اور کہا کہ انھوں نے پوری توجہ اور احترام کے ساتھ خط کا مضمون سنا ہے اور اس خط کے جواب میں وہ جلد ہی امام خمینی کے نام اپنا خط روانہ کریں گے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ ماضی کی غلطیوں کا آئندہ نہ صرف یہ کہ اعادہ نہ کیا جائے گا بلکہ جو کچھ ہوا اس کے ازالہ کی بھی کوشش کی جائے گی۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ وہ نظریات و عقائد کی آزادی پر یقین رکھتے ہیں۔ دنیا میں مختلف مکاتب فکر و نظریات کے اختلاف کے باوجود ایران و روس کے تعلقات نئے سرے سے استوار کئے جا سکتے ہیں لیکن ساتھ ہی انھوں نے یہ بات زور دیکر کہی کہ اس قسم کے خطوط روس کے داخلی معاملات میں مداخلت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہم نے احترام و توجہ کے ساتھ خط سننے کے لیے ان کا شکریہ ادا کیا۔ ہم نے اس بات کے لیے ان کا شکریہ ادا کیا کہ وہ اس خط کا جواب لکھیں گے۔ ہم نے اس بات کے لیے بھی اظہار تشکر کیا کہ انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ ماضی کی غلطیوں کو دہرایا نہ جائے گا۔ ہم نے اس بات پر اظہار اطمینان کیا کہ انھوں نے آزادیٔ فکر و عقیدہ پر اپنے یقین کا اظہار کیا۔ روس کے داخلی معاملات میں مداخلت والے ریمارک کا جواب دیتے ہوئے ہم نے کہا کہ زمین کی تہوں سے لیکر خلا کی بلندیوں تک روس میں جو کچھ سائنسی ترقیاں ہو رہی ہیں، یہ ترقیاں جس خالق کائنات کے بنائے ہوئے قوانین فطرت کی پابندی سے روس کو نصیب ہو رہی ہیں ہم آپ کو اسی خالق کائنات کے پیغام کی طرف متوجہ کرنے آئے ہیں۔ وہ پیغام جو قرآن کریم کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ اس پیغام کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں پھلنے پھولنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے مگر نباتات کی طرح نہیں کہ درخت ساٹھ ستر برس پھلتا پھولتا ہے اور پھر سوکھ کر ختم ہو جاتا ہے انسان کیلئے موت فنا کا نام نہیں ایک نئی زندگی میں داخل ہونے کا نام ہے قرآن کا پیغام ہے کہ انسان مر کر بھی زندہ رہتا ہے۔ یہ بات آپ کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے۔

ہمارے سہ رکنی وفد میں ہماری ایک بہن مناضلہ بھی شامل تھیں۔ ہم نے روس کے صدر کو اس پہلو کی طرف متوجہ کیا تاکہ مغربی حلقوں کی یہ غلط فہمی دور ہو جائے کہ اسلامی جمہوریٔ ایران میں معاشرہ کے آدھے حصہ کو میدان عمل سے علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ گورباچوف نے اس انکشاف پر واقعی اپنی حیرت ظاہر کی۔ در اصل اسلامی جمہوریہ کی بنیادی حکمت عملی ہی یہ ہے کہ مغربی حلقوں نے اسلام میں عورت کے مرتبہ کے بارے میں جو غلط فہمیاں پھیلائی ہیں ان کی عملی تردید کر دی جائے اور دنیا کو دکھا دیا جائے کہ عورت اپنے حجاب اور اپنی عفت کے تحفظ کیساتھ ساتھ سیاسی میدان میں بھی اپنی ذمہ داریاں حسن و خوبی انجام دے سکتی ہے ہماری بہن مناضلہ ایک دینی رہنما کی طرف سے الحاد کے علمبردار کی طرف یہ پیغام لیکر گئی تھیں۔

(ماخوذ از الثقافۃ الاسلامیہ دمشق۔ شمارہ ۲۴)

گورباچوف کو اسلام کے مطالعہ کی دعوت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب محترم گورباچوف، صدر مجلس اعلیٰ، سوشلسٹ سوویت یونین!

آپ کی اور روسی قوم وملت کی خوش بختی و نیک بختی کی امید کرتے ہوئے!

جب سے آپ نے اپنا عہدہ سنبھالا ہے یہ احساس ہو رہا ہے کہ آپ نے دنیا کے سیاسی واقعات کے تجزیے خصوصاً دور جدید میں روس جن مسائل سے دوچار ہے، ان کی طرف نئے سرے سے انقلاب آمیز نظر ڈالی ہے۔ دنیاوی حادثات و واقعات کے سلسلہ میں آپکے یہ بے باک فیصلے، ہو سکتا ہے کہ موجودہ دنیا پر حاکم توازن میں خلل پڑنے اور ایک بڑی تبدیلی رونما ہونے کا سبب بنیں۔ اسلئے میں نے چند باتوں کی طرف آپ کی توجہ کو مبذول کرانا بہتر سمجھا!

بہت ممکن ہے آپ کا دائرہ فکر اور آپکے نئے عزائم محض پارٹی کے مسائل اور اس کے ذیل میں روسی عوام کے بعض مشکلات کا حل ڈھونڈھ نکالنے تک محدود ہوں پھر بھی، جس نظریہ نے سالہا سال دنیا کے فرزندانِ انقلاب کو اپنے آہنی حصاروں میں مقید کر رکھا تھا، اس نظریہ پر اتنے دلیرانہ انداز سے آپنے جو تجدید نظر فرمائی ہے یہ بھی قابل تعریف ہے۔ اور اگر اس سے کچھ اور بلند ہو کر آپ غور و فکر کریں، تو سب سے پہلا مسئلہ جو آپکے لئے یقیناً کامیابی کا باعث ہوگا، وہ یہ ہے کہ آپکے بزرگوں کا جو نظریہ خدا سے دوری اور دین دشمنی پر مبنی تھا اور جس نے ملت روس کو زبردست نقصان پہنچایا ہے، آپ اس نظریہ کے بارے میں تجدید نظر کریں اور پھر سے سوچیں۔ آپ یقین کیجئے کہ دنیاوی مسائل کے واقعی حل کا اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ ممکن نہیں ہے۔

البتہ یہ ممکن ہے کہ اقتصادی میدان میں غلط طریقۂ عمل اور اقتدار پر قابض گزشتہ کمیونسٹ لیڈروں کی غلط کارگزاریاں مغربی ممالک کے سبز باغ دکھائیں، لیکن حقیقت کچھ اور ہی ہے۔

اگر آپ اس سلسلہ میں سوشلزم اور کمیونزم کے اقتصادیات کی الجھی گتھیوں کو مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے سایے میں کھولنا چاہیں گے تو نہ صرف یہ کہ آپ نے معاشرہ کے درد کا علاج نہیں کر سکیں گے بلکہ آئندہ آنے والوں کو آپ کے اشتباہات کا جبران کرنا پڑے گا کیونکہ اگر آج مارکسیزم اپنی اقتصادی و اجتماعی روش میں حائل دیوار کو عبور کرنے سے عاجز ہے تو مغربی دنیا بھی ان ہی مسائل میں البتہ ایک دوسرے انداز سے دیگر مسائل کے تحت حادثات سے دوچار ہے۔

جناب محترم گورباچوف!

حقیقتوں سے منہ نہیں موڑنا چاہئے آپ کے ملک کی اصل مشکل مالکیت، اقتصاد اور آزادی کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ آپ کی تمام پریشانیوں کی اصل جڑ خدا پر اعتقاد نہ ہونا ہے۔ وہی مشکل جس نے مغرب کو بھی تباہی و بربادی کی انتہا تک پہنچا دیا ہے، یا پہنچا کے رہے گی۔ آپ کی اصل مشکل

مبداء وجود وہستی، خداوند عالم کے مقابلہ میں ایک عرصہ سے جاری فضول نبرد ہے۔

جناب محترم گورباچوف!

یہ بات سب پر روشن ہو چکی ہے کہ اب اس کے بعد کمیونزم کو دنیا کی سیاسی تاریخ کے عجائب گھر ہی میں ڈھونڈھنا پڑے گا۔ کیونکہ مارکسی نظریہ انسانی ضروریات کو پورا کرنے سے قطعی قاصر ہے۔ اور اس لئے بھی کہ یہ ایک مادی نظریہ ہے۔ اور آج مشرق و مغرب کا معاشرہ جس بنیادی بیماری میں مبتلا ہے وہ "بشریت کا معنویت پر عدم اعتقاد" ہے اور اس بحران سے بشریت کو مادیات کے ذریعہ نجات نہیں دلائی جا سکتی۔

محترم گورباچوف!

ممکن ہے آپنے مقام اثبات میں مارکسیزم کے بعض پہلوؤں سے روگردانی کی ہو اور آج کے بعد بھی انٹرویو وغیرہ میں اس پر اپنے مکمل عقیدہ اور اعتماد کا اظہار فرمائیں۔ مگر یہ بات آپ خود بھی جانتے ہیں کہ مقام ثبوت میں ایسا نہیں ہے۔

کمیونزم پر سب سے پہلی کاری ضرب چینی قیادت نے لگائی "دوسری اور بظاہر آخری کاری ضرب آپنے لگائی ہے۔ اب اس وقت دنیا میں کمیونزم نام کی کوئی چیز باقی نہیں ہے۔ لیکن میں آپ سے پوری سنجیدگی کے ساتھ اتنا ضرور چاہتا ہوں کہ مارکسیزم کی خیالی دیواروں کو توڑنے میں آپ "مغرب اور شیطان بزرگ (امریکہ) کے زندان میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ دنیائے کمیونزم کی ستر سالہ کجی کے آخری بوسیدہ نقاب کو بھی اپنے ملک اور تاریخ کے چہرے سے نوچ کر پھینک دیں گے اور اس طرح واقعی ایک قابل افتخار کارنامہ انجام دیں گے۔

اب آپ کی طرفدار وہ حکومتیں بھی جن کے دل اپنے وطن و اہل وطن کے لئے دھڑک رہے ہیں، کسی قیمت پر اپنے ملکوں کے زمینی و غیر زمینی ذخیروں کو کمیونزم کا "حق" ثابت کرنے کے جس کی ہڈیوں کے ٹوٹنے کی آوازیں خود ان کے فرزندوں کے کانوں تک پہنچ چکی ہیں، خرچ کرنے پر تیار نہ ہوں گی۔

محترم گورباچوف!

جس وقت آپ کی بعض جمہوریتوں میں واقع مسجدوں کے گلدستۂ اذان سے اللہ اکبر اور پیغمبر ختمی مرتبت کی رسالت کی گواہی کی صدا ستر سال کے بعد سنی گئی "خالص محمدی اسلام" کے طرفداروں کی آنکھوں سے وفور شوق میں آنسو نکل آئے۔

لہٰذا میں نے ضروری سمجھا کہ آپکے گوش گزار کر دوں کہ ایک بار پھر سے مادی و الٰہی تصور کائنات کا جائزہ لیجئے۔ مادہ پرستوں نے اپنے تصور کائنات میں شناخت کا معیار "حس" کو قرار دیا ہے۔ اور جو چیز دائرۂ حس میں نہ آئے اس کو علم کے دائرہ حکومت سے باہر جانتے ہیں۔ اور ہستی کو مادہ کا مثل مانتے ہوئے اگر کوئی چیز مادہ سے مبرا ہے تو اس کا وجود تسلیم نہیں کرتے۔ اسی لئے یہ لوگ دنیائے غیب — مثلاً وجود خدا، وحی و نبوت اور قیامت — کو سرے سے افسانہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ الٰہی تصور کائنات میں معیار شناخت حس و عقل دونوں ہیں۔ لہٰذا عقلی چیزیں بھی علم (سائنس) کے دائرۂ حکومت میں داخل ہیں، چاہے انھیں حس اور تجربہ میں نہ لایا جا سکے۔ اس لئے ہستی! غیب و شہود

دونوں کو شامل ہے اور غیر مادی چیز بھی موجود ہو سکتی ہے۔ اور جس طرح مادی وجود مجرد سے وابستہ ہے، شناخت حسی بھی شناخت عقلی پر ٹکی ہے۔ قرآن نے مادی انداز فکر کو مورد نقد قرار دیا ہے، اور جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ خدا نہیں ہے کیونکہ اگر خدا ہوتا تو دکھائی دیتا۔ لن نؤمن لک حتیٰ نری اللہ جہرۃً[1]۔ جواب میں ارشاد ہوتا ہے: لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر[2]۔

قرآن مجید اور اس کے ان استدلالوں سے، جو اس نے وحی، نبوت اور قیامت کے سلسلے میں فرمائے ہیں، ہم قطع نظر کرتے ہیں، کیونکہ آپ کے نظریے کے مطابق تو پہلے یہی محل بحث ہے۔

اصولی طور پر آپ کو فلاسفہ کے پرپیچ مسائل، خصوصاً اسلامی فلسفہ کے مباحث میں الجھانا نہیں چاہتا۔ صرف دو ایک بہت ہی سادہ، فطری اور وجدانی مثالیں سند کے طور پر پیش کرتا ہوں جن سے سیاست دان حضرات بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

یہ مسلمات سے ہے کہ مادہ و جسم چاہے جو بھی ہو وہ اپنے آپ سے بے خبر ہے۔ انسان کے

---

[1] موسیٰ کی امت نے کہا تھا: "اے موسیٰ ہم تم پر اس وقت تک ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہم خدا کو ظاہر بظاہر نہ دیکھ لیں۔" (بقرہ / ۵۵)

[2] "آنکھیں خدا کو نہیں دیکھ سکتیں، اور خدا (دیکھنے والی) آنکھوں کو دیکھ سکتا ہے (کیونکہ) وہ لطیف و خبیر ہے۔" (انعام / ۱۰۳)

ایک سنگی یا مادی مجسمہ کا ہر ہر حصہ اپنے دوسرے حصے سے مخفی و پوشیدہ ہے۔ حالانکہ ہم واضح طور پر دیکھتے ہیں کہ انسان و حیوان اپنے ہر طرف سے آگاہ و باخبر ہے۔ انسان جانتا ہے وہ کہاں ہے؟ اس کے آس پاس کیا ہو رہا ہے؟ دنیا کے کیا حالات ہیں؟ اس لئے ماننا پڑے گا کہ انسان و حیوان میں ایک دوسری چیز بھی ہے جو مادہ سے مافوق ہے اور وہ عالم مادہ سے جدا ہے جو مادہ کے مرنے سے نہیں مرتی، باقی رہتی ہے۔

فطرتاً انسان اپنے اندر ہر کمال مطلق طور پر پائے جانے کا خواہش مند ہوتا ہے اور آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ انسان دنیا کی قدرت مطلقہ کا طالب ہوتا ہے۔ اور کسی بھی ناقص قدرت سے اس کا دل نہیں بھرتا۔ اگر ایک پوری دنیا اس کے قبضہ میں ہو اور اس سے کہا جائے کہ ایک دنیا اور بھی ہے تو وہ فطرتاً اس بات کی طرف مائل ہوگا کہ وہ دنیا بھی کسی طرح اس کے قبضہ میں آجاتی۔ انسان چاہے جتنا بڑا دانشور ہو، اگر اس سے کہا جائے دوسرے علوم بھی ہیں تو وہ فطرتاً ان علوم کو حاصل کرنے کی طرف مائل ہوگا۔ لہٰذا ایک قدرت مطلقہ اور علم مطلق کی ضرورت ہے جس سے انسان وابستہ ہو سکے۔

اور وہ صرف خدا کی ہی ذات ہے جس سے ہم سب کی امیدیں وابستہ ہیں چاہے ہم خود نہ جانتے ہوں۔ انسان کی خواہش ہے کہ "حق مطلق" تک پہونچ جائے تاکہ فانی فی اللہ ہو جائے۔ اصولی طور سے ہر انسان کی سرشت میں ابدی زندگی کی خواہش موجود ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ موت سے آزاد ہو جائے اور زندگی جاوید کا مالک بن جائے۔ اگر جناب عالی کو اس سلسلہ میں تحقیق کی خواہش ہو تو ان علوم کے جاننے والے حضرات کو مغربی فلسفہ کے علاوہ مشائی فلسفہ میں فارابی اور بوعلی سینا رحمۃ اللہ علیہما کی وہ کتابیں پڑھنے کا حکم دیں جو اس موضوع پر لکھی گئی ہیں تاکہ ان پر واضح ہو سکے کہ علیت و معلولیت کا قانون "جس پر ہر طرح کی شناخت کا مدار ہے"، اس کا تعلق معقول سے ہے محسوس سے

نہیں ہے۔ اسی طرح معانی کلیہ کا ادراک نیز تمام قوانین کلیہ جن پر ہر قسم کے استدلال کی بنیاد قائم ہوتی ہے "بھی" سب کے سب معقول ہیں محسوس نہیں ہیں۔ اور پھر مشرقی فلسفہ میں بھی یہ لوگ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے آپ کو بتائیں کہ جسم نیز تمام مادی موجودات بھی اس نور محض کے محتاج ہیں جو حس سے منزہ ہے۔ اور انسان کے لئے خود اپنی ذات در حقیقت کا ادراک شہودی بھی حسی وجود سے منزا ہے۔

آپ اپنے بزرگ دانشمندوں کو حکم دیں کہ وہ صدر المتالہین رضوان اللہ علیہ، خداوند عالم ان کو نبیین وصالحین کے ساتھ محشور کرے۔ کی حکمت متعالیہ کا مطالعہ کریں تو ان کو معلوم ہوگا کہ حقیقت علم وہی وجود محض ہے جو مادہ سے مجرد ہے اور ہر طرح کی فکر مادہ سے منزا ہے اور احکام مادہ اس پر جاری نہیں ہو سکتے۔

اب اس سے زیادہ میں آپ کو تھکانا نہیں چاہتا اور عارفین کی کتابوں خصوصاً محی الدین ابن عربی کی کتابوں کا نام نہیں لوں گا۔ ہاں اگر اس بزرگ شخصیت کے مباحث سے آپ واقف ہونا چاہتے ہوں تو چند ایسے ذہین و باخبر افراد کو، جو اس قسم کے علم میں مہارت تامہ رکھتے ہوں، قم روانہ فرمایئے تاکہ چند سال خدا پر بھروسہ کر کے بال سے بھی زیادہ باریک و لطیف عرفانی منازل سے آگاہی حاصل کریں۔ کیونکہ علم وآگہی کا یہ سفر طے کئے بغیر وہاں تک رسائی ناممکن ہے۔

جناب محترم گورباچوف!

ان مسائل و مقدمات کے ذکر کے بعد اب میں آپ سے یہ چاہتا ہوں کہ آپ پوری سنجیدگی کے ساتھ اسلام کے بارے میں تحقیق و تفحص کریں۔ اور یہ خواہش اس لئے نہیں ہے کہ اسلام اور مسلمین آپکے محتاج ہیں، بلکہ اسلام کے آفاقی وعظیم اقدار کی بنا پر ہے جو تمام قوموں کی نجات کا سبب اور باعث راحت و آرام بن سکتے ہیں اور یہی بشریت کے بنیادی مشکلات کی گرہیں کھول سکتا ہے۔

اسلام کا سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ ہو سکتا ہے کہ آپ کو افغانستان اور اسی قسم کے دنیا کے دیگر مسائل سے ہمیشہ کے لئے نجات دلا دے۔ ہم دنیا بھر کے تمام مسلمانوں کو اپنے ملک کے مسلمانوں کی طرح سمجھتے ہیں اور ہمیشہ اپنے آپ کو ان کے حال میں شریک سمجھتے ہیں۔

آپ نے سوویت روس کی بعض جمہوریوں میں نسبتاً جو مذہبی آزادی دی ہے اس سے لگتا ہے کہ اب آپ یہ خیال ترک کر چکے ہیں کہ مذہب معاشرے کے لئے افیون ہے۔

سچ بتایئے جس مذہب نے ایران کو بڑی طاقتوں کے مقابلہ میں ایک پہاڑ کے مانند استوار کر رکھا ہے، کیا وہ معاشرہ کے لئے نشہ آور ہو سکتا ہے؟ یا جو مذہب پوری دنیا میں عدالت وانصاف کے اجرا کا مطالبہ کرتا ہے اور انسان کو ہر قسم کی معنوی و مادی قیود سے آزاد دیکھنے کا خواہاں ہے معاشرہ کے لئے افیون ہے؟

البتہ جو مذہب اسلامی وغیر اسلامی ممالک کے مادی و معنوی تمام سرمایہ کو بڑی طاقتوں اور حکومتوں کے حوالہ کر دینا چاہتا ہے اور برسرعام چیخ چیخ کر کہتا ہے کہ سیاست دین سے جدا

ہے، یقیناً ملک و قوم کے لئے مخدر و نشہ آور ہے، لیکن وہ اس صورت میں واقعی مذہب نہیں کہا جا سکتا، بلکہ اس مذہب کو ہمارے یہاں کے لوگ "امریکی مذہب" کہتے ہیں۔

آخر میں پھر صاف لفظوں میں اعلان کرتا ہوں کہ جمہوری اسلامی ایران عالم اسلام کا عظیم ترین و طاقتور ترین مرکز ہونے کی حیثیت سے بڑے اطمینان کے ساتھ آپ کے اعتقادی نظام کے خلا کو پر کر سکتا ہے۔ بہرحال ہمارا ملک ماضی کی طرح حسن ہمسائیگی اور برابری کے روابط کا قائل ہے اور اس کا احترام کرتا ہے۔

والسلام علی من اتبع الهدیٰ

(جو ہدایت کی پیروی کرے، اس پر سلام ہو)

روح اللہ الموسوی الخمینی

۲۲ جمادی الاول ۱۴۰۹ھ (یکم جنوری ۱۹۸۹ء)

ترجمہ: جناب شیخ روشن علی نجفی

ٹپکے اک بُوند قلم سے تو تلاطُم ہو بپا
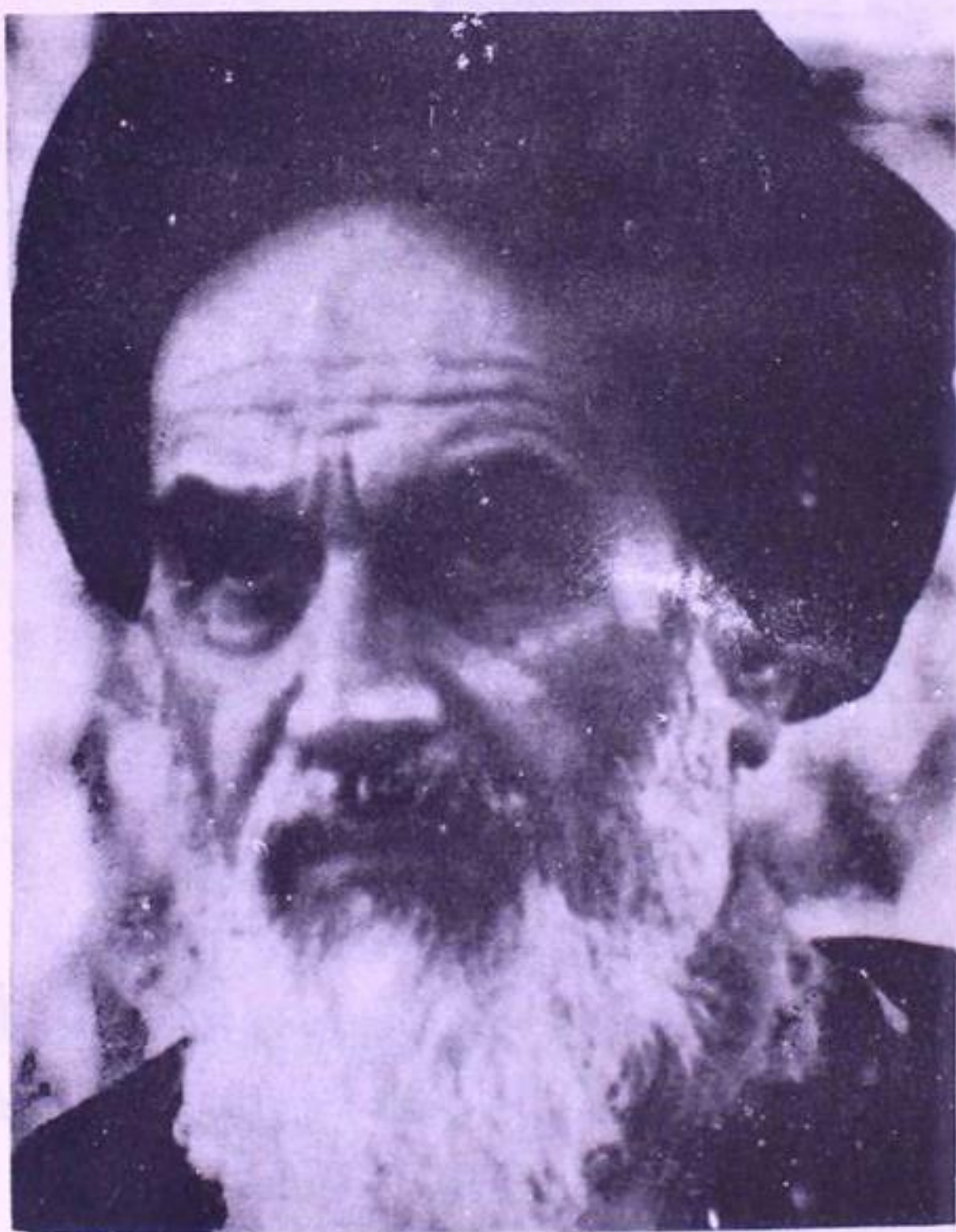
(امامِ اُمّت کا فتویٰ قتلِ رشدی)

برطانوی حکومت اور دوسرے غیر مسلم ممالک نے اس فتوے پر جس ردِ عمل کا مظاہرہ کیا ہے اسکی تو کسی حد تک توقع کی جاسکتی تھی لیکن زیادہ حیران کُن وہ موقف ہے جو مسلم ممالک نے اختیار کیا ہے۔ حال آنکہ یہ فتوی اسلام کے بین الاقوامی آئین و قوانین کے مطابق ہے اور اس کے نفاذ کے تقاضے کی پذیرائی کرتا ہے۔

"اسلام کے بین الاقوامی آئین و قوانین" کی بات جن کی سمجھ میں نہ آئے انھیں چاہیے کہ ذرا بے تعصبی سے عالمی قانون سازی کی تاریخ کا مطالعہ اور موجودہ بین الاقوامی قوانین کا سرچشمہ معلوم کرنے کی کوشش کریں۔

(عقیل الغروی، آفاق، ادبی کائنات شمارہ ۱۷-۱۶ صـ)

متن فتویٰ

بسمہ تعالیٰ

انا للہ و انا الیہ راجعون

دنیا بھر کے غیرت مند مسلمانوں کو یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ "شیطانی آیات"
نامی کتاب، جو اسلام، پیغمبرؐ اور قرآن کے خلاف لکھی، چھاپی اور منتشر کی گئی ہے
اس کے مؤلف اور کتاب کے مضامین سے باخبر ناشر کی سزا موت ہے۔
میں غیرت مند مسلمانوں سے درخواست کرتا ہوں کہ ان افراد کو جہاں کہیں
پائیں جلد از جلد موت کے گھاٹ اتار دیں تاکہ پھر کسی میں مسلمانوں
کے مقدسات کی توہین کرنے کی جرأت پیدا نہ ہو۔ اس (حکم کے نفاذ کی)
راہ میں قتل ہونے والے افراد شہید ہیں انشاءاللہ۔ اگر کوئی شخص مؤلف
تک رسائی رکھتا ہے، لیکن اسے سزائے موت دینے کی خود اس میں توانائی نہیں
ہے تو وہ عوام کو اس کے ٹھکانے کا پتہ بتائے تاکہ وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ جائے

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

روح اللہ الموسوی الخمینی
۸، رجب المرجب ۱۴۰۹ھ

حرفِ آخر
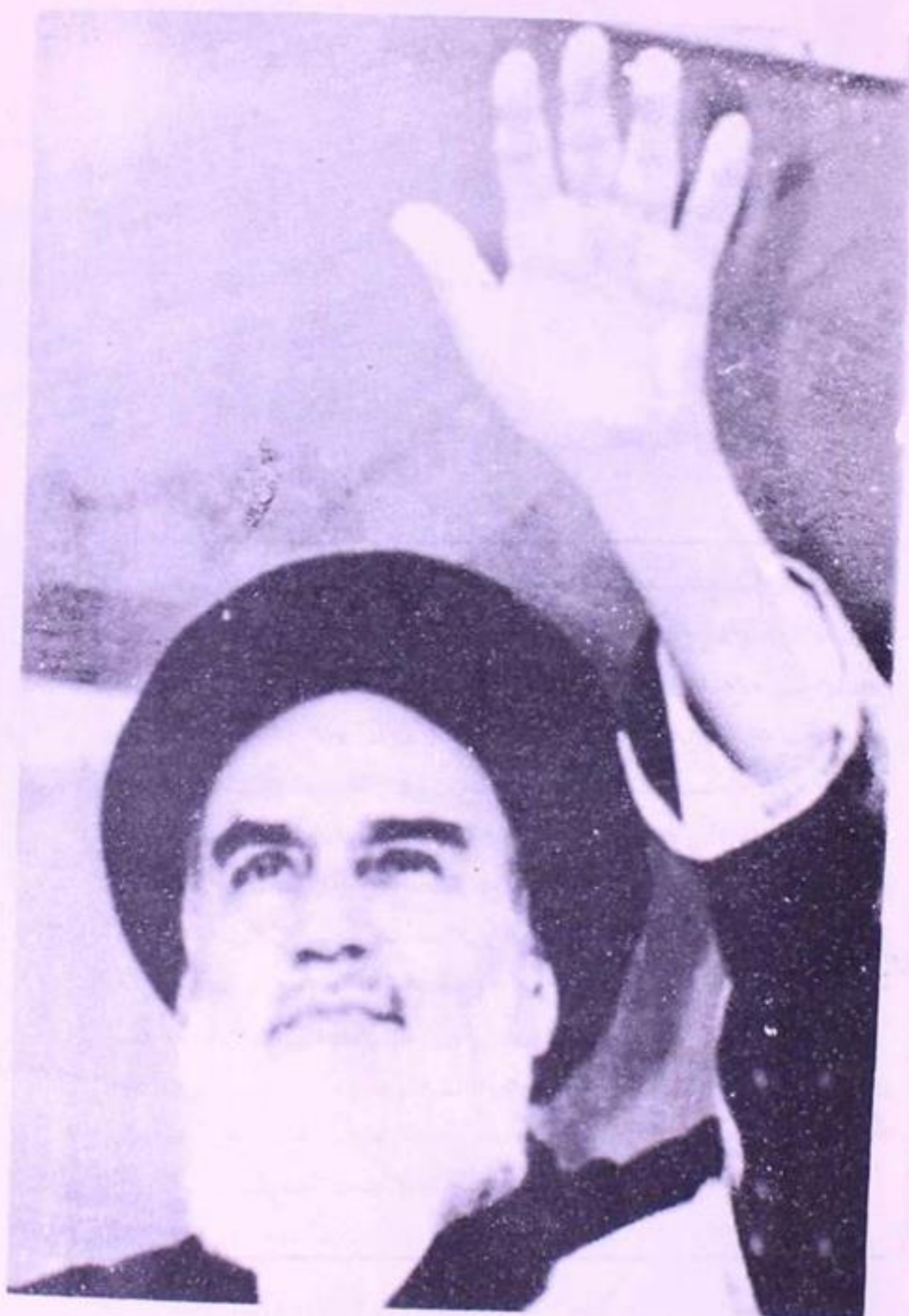
رہا نہ لب پہ کوئی حرف مدعا باقی
(وصیت نامہ)

قرن جدید کی عظیم ترین تاریخ ساز شخصیت رہبر کبیر انقلاب اسلامی ایران مرجع عالم اسلام حضرت امام خمینی رضوان اللہ علیہ کی رحلت کے بعد ایران کے نمائندہ مجتہدین کی کونسل "مجلس خبرگان" کا ایک ہنگامی جلسہ منعقد ہوا جس میں اسلامی جمہوریہ کے اعلیٰ عہدیداروں کے سامنے حضرت امام خمینی قدس سرہ کے وصیت نامہ کی مہر توڑی گئی اور وصیت کے مطابق اسے صدر جمہوریہ ایران حضرت آیت اللہ خامنہ ای مدظلہ (موجودہ رہبر عزیز) نے پڑھ کر سنایا، جس کا اردو ترجمہ ہم ہدیہ قارئین کر رہے ہیں۔ یہ نہ صرف امام کی آخری خواہش و وصیت ہونے کے اعتبار سے لائق اہمیت ہے بلکہ یہ ایسا "صحیفۂ انقلاب" ہے جس کو پڑھ کر پورا اسلامی انقلاب، اس کی ماہیت، اغراض و مقاصد، عوامل و اسباب، رہبری کے اصول و اسلوب، کامیابی کے اسباب و رموز آثار و نتائج، اپنوں اور غیروں کا ردعمل، دشمنوں کی سازشیں، دفاع کے طریقے، موجودہ اور آئندہ لائحہ عمل، بقا اور دوام کی صورتیں، یہ سب کچھ سمجھا جا سکتا ہے۔ دراصل یہ امام کی جانب سے عقیدہ و عمل کی صراط سے گزرنے کے لئے عالم اسلام کو پیش کیا جانے والا وہ آخری تحفہ ہے جو ہماری دنیا اور آخرت دونوں کے لئے ایک صحیفہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ خداوند عالم ہم سب کو پیغمبر اسلام کے اس فرزند کی راہ پر چلنے کی توفیق کرامت فرمائے۔

یہاں یہ تذکر ضروری ہے کہ امام خمینی نے یہ وصیت نامہ رحلت سے سات سال قبل تحریر فرما دیا تھا جس میں دو سال قبل کچھ ترمیم کے بعد آپ نے اس کو دوبارہ مہر بند کر کے محفوظ کرا دیا تھا۔ ہم نے بھی ادائے امانت کے پیش نظر لفظی ترجمہ انتخاب کیا ہے جس سے کسی حد تک سلاست زبان کا متأثر ہونا یقینی ہے۔

— ادارہ —
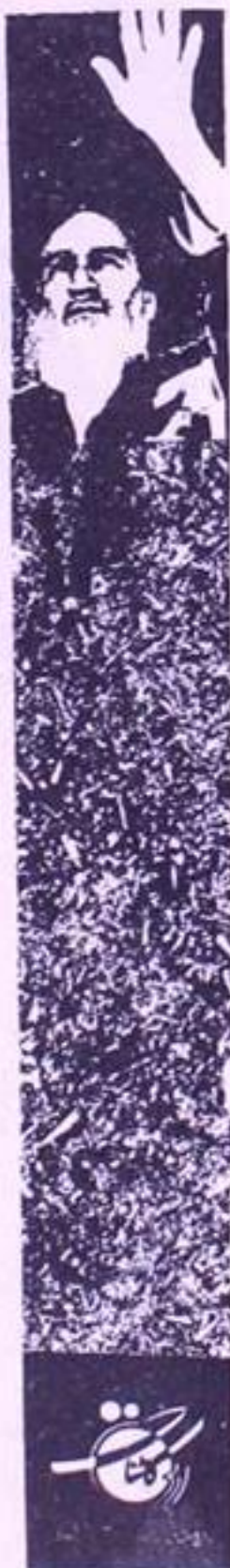
صحیفۂ انقلاب

امام خمینی رضوان اللہ علیہ کا الٰہی۔سیاسی وصیت نامہ

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم "انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اهل بیتی فانهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض" الحمد للہ وسبحانک اللّهم صلّ علی محمد وآلہ مظاہر جمالک

وجلالك وخزائن اسرار كتابك الذی تجلی فیہ الاحدیۃ بجمیع اسمائك حتی المستاثر منها الذی لا یعلمه غیرك واللعن علی ظالمیهم اصل الشجرۃ الخبیثہ و بعد۔

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ یہاں "ثقلین" (قرآن و اہل بیت) کے بارے میں بطور مختصر کچھ تذکر دوں، البتہ ان کے عرفانی، معنوی اور غیبی مقامات کے اعتبار سے نہیں کیونکہ مجھ جیسے کا قلم اس مرتبہ میں جسارت کرنے سے عاجز ہے جس کا عرفان تمام دائرۂ وجود، ملک سے ملکوت اعلی تک اور وہاں سے لاہوت تک پھیلا ہوا ہے اور جو ہماری اور تمہاری سمجھ میں نہ آسکے گا، اگر محال نہ کہیں تو سخت اور طاقت تحمّل سے مافوق ضرور ہے۔ اور نہ ہی ثقل اکبر اور ثقل کبیر — جو ثقل اکبر یعنی اکبر مطلق کے سوا ہر چیز سے اکبر ہے — کے عظیم رتبۂ و مقام کی حقیقتوں کے ادراک سے مہجور و محروم ہو جانے سے بشریت پر گزری ہے ان کا ذکر مقصود ہے۔ نہ ہی جو ان دونوں "ثقلین" پر، خدا کے دشمنوں اور بازی گر طاغوتوں کے ہاتھوں گزری ہے ان سب کو بیان کرنا مقصود ہے۔ کیونکہ ان کا احصاء مجھ جیسے انسان کے لئے، معلومات کی کمی اور وقت کی محدودیت کے پیش نظر ممکن نہیں۔ لہٰذا میں نے یہ مناسب سمجھا کہ جو کچھ ان "دو گراں بہا" چیزوں پر گزری ہے ان کی طرف بہت ہی اختصار کے ساتھ ایک ہلکا سا اشارہ کر دوں۔

شاید رسول خدا کا یہ جملہ "لن یفترقا حتی یردا علی الحوض" اس نکتہ کی طرف اشارہ ہو کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس وجود کے (نظروں سے پنہاں ہو جانے کے) بعد جو کچھ بھی ان دونوں (قرآن و عترت) میں سے کسی ایک پر گزری ہے وہ دوسرے پر بھی گزری ہے۔ ایک کی تنہائی و مہجوریت، دوسرے کی تنہائی و مہجوریت ہے یہاں تک کہ یہ دونوں مہجور "حوض" کے پاس رسول خدا سے ملاقات کریں۔ (اس حوض سے کیا مراد ہے؟) آیا یہ حوض، وحدت سے کثرت کے وصل کا مقام ہے اور سمندر میں قطروں کے ضم ہو جانے کی جگہ ہے یا کوئی اور چیز جہاں تک بشری عقل و عرفان کی رسائی نہیں ہے؟!

اتنا ضرور کہنا چاہیئے کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان دو امانتوں پر طاغوتی طاقتوں نے جو ستم ڈھائے ہیں وہ (درحقیقت) امت مسلمہ بلکہ عالم بشریت پر ظلم ہے جنھیں بیان کرنے سے

قلم عاجز ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی بیان کر دینا ضروری ہے کہ حدیث ثقلین تمام مسلمانوں کے درمیان (بطور متواتر نقل ہوئی) ہے اور اہل سنت کی کتابوں، صحاح ستہ سے لے کر ان کی دیگر کتابوں تک میں مختلف لفظوں میں اور متعدد مقامات پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متواتر نقل ہوئی ہے، اور یہ حدیث شریف، تمام انسانوں، خاص طور سے مختلف ممالک و مذاہب کے (پیرو) مسلمانوں پر قاطع حجت ہے اور تمام مسلمانوں کو جن پر حجت تمام ہو چکی ہے، اس (حدیث ثقلین) کا جواب دہ ہونا چاہئے۔ اور اگر ناواقف جاہلوں کے لئے عذر (کی گنجائش باقی بھی) ہو تو مذاہب کے علما کے لئے (قطعی کوئی گنجائش) نہیں ہے۔

آئیے یہ دیکھیں کہ اس الٰہی امانت، خدا کی کتاب اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترکہ پر کیا گزری ہے؟ وہ افسوسناک مسائل جن پر خون کے آنسو رونے چاہئے، حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد شروع ہوئے، خود غرضوں اور طاغوتیوں نے قرآن کریم کو قرآن مخالف حکومتوں کے لئے ذریعہ و وسیلہ بنالیا اور قرآن کے حقیقی مفسروں اور اس کے حقائق سے باخبر ہستیوں کو، جنھوں نے پورا قرآن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کیا تھا اور انی تارک فیکم الثقلین کی آواز جن کے کانوں میں گونج رہی تھی، مختلف بہانوں اور پہلے سے تیار سازشوں کے ذریعہ پس پشت ڈال دیا اور درحقیقت قرآن کے ذریعہ قرآن کو جو "حوض" تک پہنچنے کے لئے مادی و معنوی زندگی کا عظیم ترین دستور تھا، اور ہے، میدان سے دور کر دیا اور حکومتِ عدل الٰہی، جو اس مقدس کتاب کا ایک اہم مقصد تھا، اور ہے، اس پر خط بطلان کھینچ دیا، دینِ خدا اور الٰہی کتاب و سنت سے انحراف کی بنیاد ڈال دی اور معاملہ اس حد کو پہنچ گیا جس کو بیان کرتے ہوئے قلم کو شرم آتی ہے، اور یہ ٹیڑھی بنیاد جیسے جیسے آگے بڑھی اس کے انحرافات اور کجیوں میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ وہ قرآن کریم جس نے سارے عالم کے رشد و ارتقاء اور تمام مسلمانوں بلکہ پورے خاندان بشریت کو ایک نقطہ پر جمع کرنے کے لئے "مقام شامخ احدیت" سے کشف تام محمدی" تک تنزل کیا تھا تاکہ بشریت کو اس درجہ تک پہنچائے جہاں تک اسے پہنچنا چاہئے اور اس "ولیدہ علم الاسماء" کو شیطانوں اور طاغوتوں کے شر سے آزاد کرے، دنیا کو عدل و قسط سے معمور کرے اور حکومت کو معصوم اولیاء اللہ علیہم صلوات الاولین والآخرین کے سپرد کر دے تاکہ وہ لوگ انسانیت کے مصالح پیش نظر رکھتے

ہوئے جسے چاہیں سونپ دیں، ان طاغوتوں نے اس (قرآن) کو اس طرح میدان عمل سے دور کر دیا کہ گویا ہدایت و رہنمائی سے اس کا کوئی واسطہ ہی نہیں ہے، اور یہ معاملہ یہاں تک پہنچا کہ قرآن کو ظالم وستمگر حکومتوں اور طاغوتوں سے بھی بدتر، خبیث ملاؤں کے ہاتھوں، ظلم وستم اور فساد قائم کرنے اور ستمگروں نیز حق تعالی کے دشمنوں (کی بداعمالیوں) کی توجیہ کرنے کا ذریعہ بنا لیا گیا اور افسوس صد افسوس اس سرنوشت ساز کتاب قرآن کا رول سازشی دشمنوں اور جاہل دوستوں کے ہاتھوں قبرستانوں اور مردوں کے فاتحوں کی مجلسوں میں محدود ہو گیا تھا اور (آج بھی یہی حال ہے)، جس کتاب کو مسلمین و بشریت کے اتحاد کا ذریعہ اور کتاب زندگی ہونا چاہیے تھا، وہ اختلاف و تفرقہ کا وسیلہ بن گئی اور یا پھر بالکل میدانِ عمل سے ہی دور ہو گئی۔ چنانچہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے کہ اگر کوئی شخص اسلامی حکومت کی بات بھی کرتا تھا اور سیاست جو اسلام اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اہم رول ہے اور قرآن و سنت اس سے لبریز ہے اگر کوئی اس کا نام بھی زبان پر لاتا تھا تو گویا وہ عظیم ترین گناہ کا مرتکب ہو گیا ہے اور "سیاسی مولوی" کا لفظ "لادین مولوی" کے مترادف ہو گیا تھا اور آج بھی یہی کیفیت ہے آج کل بڑی شیطانی طاقتیں، اسلامی تعلیمات سے دور اور منحرف حکومتوں کے ذریعہ جو اسلام سے وابستہ ہونے کی جھوٹی دعویدار بھی ہیں، قرآن کو مٹانے اور بڑی طاقتوں کے شیطانی مقاصد کو پورا کرنے کے لئے، اسے خوبصورت تحریروں میں چھاپ کر اطراف و اکناف میں بھیج رہی ہیں اور اس شیطانی حیلہ کی آڑ میں قرآن کو میدان عمل سے نکال باہر کر رہی ہیں۔ ہم سب نے اس قرآن کو دیکھا ہے جسے محمد رضا خان پہلوی نے چھاپ کر کچھ لوگوں کو اپنے جال میں پھانس لیا اور اسلامی مقاصد سے بے خبر کچھ ملا اس کے مداح بھی (ہو گئے) تھے، اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ملک فہد ہر سال عوام کی بے کراں دولت سے ایک بڑی رقم قرآن کریم چھاپنے اور قرآن مخالف مذاہب کے پروپیگنڈے پر خرچ کر رہا ہے، سراسر بے بنیاد اور خرافاتی مذہب وہابیت کو پھیلانے کی کوشش کر رہا ہے۔ غافل عوام اور قوموں کو بڑی طاقتوں (کی غلامی) کی جانب موڑ رہا ہے، قرآن اور اسلام کو مٹانے کے لئے اسلامِ عزیز اور قرآن کریم کو (ناجائز طور پر) استعمال کر رہا ہے۔

ہمیں، اور سراپا اسلام و قرآن کی وفادار قوم کو فخر ہے کہ وہ اس مذہب کی پیروہے جو تمام مسلمانوں بلکہ تمام انسانوں کے درمیان اتحاد کے پیغام سے معمور قرآنی حقائق کو قبرستانوں سے نجات
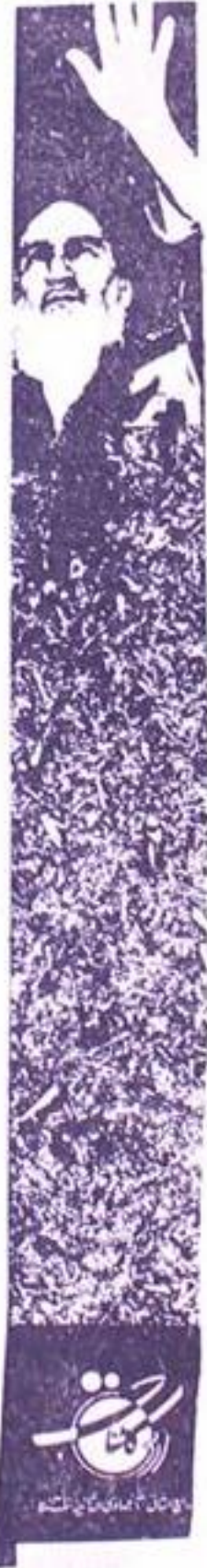
دلا کر ایسے عظیم ترین نسخۂ نجات کے عنوان سے پیش کرنا چاہتا ہے جو انسان کو ان تمام زنجیروں اور بندشوں سے آزادی دلا سکتا ہے جن میں اس کے قلب و عقل اور ہاتھ پیر جکڑے ہوتے ہیں اور اسے فنا و نیستی نیز طاغوتیوں کی غلامی و بندگی کی طرف کھینچ رہی ہیں۔

ہمیں فخر ہے کہ ہم اس مذہب کے پیرو ہیں جس کی بنیاد خدا کے حکم سے رسولؐ خدا نے رکھی ہے۔ اور انسان کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرانے کی ذمہ داری، ہر قسم کی قید و بند سے آزاد (خدا کے) بندے امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب کو سونپی گئی ہے۔ ہمیں فخر ہے کہ "نہج البلاغہ" جو قرآن کے بعد مادی و معنوی زندگی کا عظیم ترین دستور اور انسانوں کو آزادی بخشنے والی اعلیٰ ترین کتاب ہے اور اس کے حکومتی اور معنوی احکام و فرامین بہترین راہ نجات ہیں، وہ ہمارے معصوم امام سے تعلق رکھتی ہے۔ ہمیں فخر ہے کہ ائمہ معصومین، علی ابن ابی طالبؑ سے منجی بشریت حضرت مہدی صاحب زمان علیہم آلاف التحیات والسلام تک جو خدائے قادر کی قدرت و توانائی سے زندہ اور تمام امور کے نگراں ہیں، ہمارے امام ہیں۔ ہم کو فخر ہے کہ حیات بخش دعائیں جنھیں "قرآن صاعد" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ہمارے ائمہ معصومین کی تعلیم کردہ ہیں۔ ہمیں ناز ہے کہ ائمہؑ کی مناجات شعبانیہ، حسین ابن علی علیہما السلام کی دعاء عرفات، زبور آل محمدؐ صحیفۂ سجادیہ اور زہرائے مرضیہ پر خدا کی جانب سے الہام شدہ کتاب "صحیفۂ فاطمیہ" ہم سے تعلق رکھتی ہے۔ ہمیں افتخار ہے کہ باقر العلوم (امام محمد باقرؑ) جو تاریخ کی عظیم ترین شخصیت ہیں اور ان کے مقام و منزلت کو خدا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے سوا نہ کوئی درک کر سکا ہے اور نہ ہی درک کر سکتا ہے، ہمارے ہیں۔ ہمیں فخر ہے کہ ہمارا مذہب جعفری ہے اور ہماری فقہ جو ایک بے کراں سمندر ہے اس مذہب کے آثار میں سے ایک ہے۔ ہمیں اپنے تمام معصوم ائمہ صلوات اللہ علیہم اجمعین پر فخر ہے اور ہم ان کی اطاعت کا عہد کئے ہوئے ہیں۔ ہمیں فخر ہے کہ ہمارے ائمہ معصومین صلوات اللہ وسلامہ علیہم نے دین اسلام کی سربلندی اور قرآن کریم کو — جس کا ایک پہلو عدل و انصاف پر مبنی حکومت کی تشکیل ہے — جامہ عمل پہنانے کی راہ میں قید اور جلا وطنی میں زندگی گزاری اور آخر کار اپنے زمانہ کی ظالم و جابر طاغوتی حکومتوں کو نابود کرنے کی راہ میں شہید ہو گئے۔ اور آج ہمیں فخر ہے کہ ہم قرآن و سنت کے مقاصد کو پورا کرنا چاہتے ہیں اور ہماری قوم کے مختلف طبقے اس عظیم اور تقدیر ساز راہ میں سر و تن کی پرواہ کئے بغیر جان و مال اور اپنے عزیز دل

کا نذرانہ بارگاہ خدا میں پیش کر رہے ہیں۔ ہمیں فخر ہے کہ ہماری خواتین چاہے وہ بوڑھی ہوں یا جوان چھوٹی ہوں یا بڑی سب کی سب، عسکری، معاشی اور ثقافتی میدانوں میں حاضر ہیں اور مردوں کے شانہ بشانہ یا ان سے بہتر طریقہ سے قرآن کریم کے مقاصد اور اسلام کی سربلندی کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ جن خواتین میں جنگ کرنے کی توانائی ہے وہ اسلام اور اسلامی ملک کے دفاع کی خاطر ـ جو اہم واجبات میں شمار ہوتا ہے ــــ فوجی تربیت حاصل کرنے میں مشغول ہیں اور ان محرومیوں سے جو دشمنوں کی سازش اور اسلام و قرآن کے احکام سے دوستوں کی ناواقفیت کے سبب ان پر بلکہ اسلام اور مسلمانوں پر زبردستی لاد دی گئی تھیں، نہایت شجاعت اور احساس ذمہ داری کے ساتھ اپنے کو آزاد کرالیا ہے اور ان خرافات کے حصار سے خارج ہو گئی ہیں جنھیں دشمنوں نے اپنے مفادات کی خاطر نادانوں اور مسلمانوں کے مفادات سے بے خبر بعض ملاؤں کے ذریعہ ایجاد کیا تھا، اور جن میں جنگ کرنے کی توانائی نہیں ہے وہ محاذ کے پیچھے اتنے قیمتی خدمات میں مشغول ہیں جو ملت کے دل میں شوق و وجد کی لہر پیدا کر دیتے ہیں اور دشمنوں نیز دشمنوں سے بدتر جاہلوں کے دلوں کو غیظ و غضب سے دہلا دیتے ہیں۔ ہم نے بار بار دیکھا ہے کہ عظیم المرتبت خواتین، حضرت زینب علیہا السلام کے انداز میں اعلان کر رہی ہیں کہ ہم اپنی اولاد قربان کر چکے ہیں، خدا اور اسلام عزیز کی سربلندی کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹا چکے ہیں اور ہمیں اس پر فخر ہے، اور ہم یہ جانتے ہیں کہ ہم نے (ان قربانیوں کے بدلہ میں) جو کچھ حاصل کیا ہے وہ جنات نعیم سے بھی برتر ہے پھر اس دنیا کی ناچیز متاع کی کیا حقیقت ہے۔

ہماری قوم بلکہ تمام اسلامی قوموں اور مستضعفین عالم کو فخر ہے کہ ان کے دشمن ــــ جو خدائے بزرگ، قرآن کریم اور اسلام عزیز کے دشمن ہیں ــــ ایسے درندے ہیں جو اپنے منحوس اور مجرمانہ مقاصد کی تکمیل کی خاطر کسی قسم کے بھی جرائم و خیانت سے عار محسوس نہیں کرتے اور اپنے پست خواہشات کے حصول اور اقتدار کی گدی تک پہنچنے کی راہ میں دوست و دشمن میں تمیز نہیں دیتے، اور ان دشمنوں کا سرغنہ امریکہ ہے، جس کی گھٹی میں دہشت گردی شامل ہے۔ اس حکومت نے پوری دنیا میں آگ لگا رکھی ہے اور اس کی حلیف وہ عالمی صیہونیت ہے، جو اپنے حریصانہ مقاصد کی تکمیل کی خاطر ایسے ایسے جرائم کی مرتکب ہوئی ہے جنھیں قلم لکھنے اور زبان بیان کرنے سے شرم محسوس کرتی

ہے۔ "عظیم اسرائیل" کا احمقانہ خیال، اسے ہر قسم کے جرم و جنایت کی طرف کھینچتا ہے۔

اسلامی قوموں اور مستضعفین عالم کو فخر ہے کہ ان کے دشمن، پھیری لگانے والا جرائم پیشہ، اردن کا (حکمراں) حسین اور جرائم پیشہ اسرائیل کے ہم نوالہ و ہم پیالہ حسن و حسنی مبارک ہیں جو امریکہ و اسرائیل کی خدمت کی راہ میں اپنی قوموں سے ہر طرح کی خیانت کرنے پر کمر بستہ ہیں۔ ہمیں فخر ہے کہ ہمارا دشمن صدام عفلقی ہے جسے دوست و دشمن سبھی، ایک جرائم پیشہ اور بین الاقوامی قوانین اور انسانی حقوق کا دشمن جانتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ عراق کی مظلوم قوم اور خلیج کی ریاستوں سے اس کی خیانت، ایرانی قوم کے ساتھ اس کی خیانت سے کم درجہ نہیں رکھتی۔

ہمیں اور دنیا کی مظلوم قوموں کو فخر ہے کہ عالمی پروپیگنڈہ مشینریاں اور ذرائع ابلاغ ہم پر اور دنیا کے تمام مظلوموں پر ہر اس جرم و خیانت کا الزام لگاتی ہیں جس کا انھیں جرائم پیشہ بڑی طاقتوں کی طرف سے حکم ملتا ہے۔ اس سے بڑھ کر فخر کی بات اور کیا ہو گی کہ امریکہ اپنے تمام دعوے، اتنے سارے جنگی ساز و سامان، اپنی اتنی ساری غلام و وابستہ حکومتوں، پسماندہ مظلوم قوموں کی بے کراں دولتوں پر قبضہ جمائے رہنے اور تمام ذرائع ابلاغ پر کنٹرول رکھنے کے باوجود حضرت بقیۃ اللہ (امام مہدی) ارواحنا لمقدمہ الفداء کے ملک اور ایران کی غیور قوم کے مقابلہ میں اس قدر عاجز اور ذلیل و رسوا ہو چکا ہے کہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کس کو سہارا بنائے، جس کی طرف رخ کرتا ہے، منفی جواب ملتا ہے اور یہ سب کچھ حضرت باری تعالیٰ جلت عظمتہ کی غیبی نصرت و مدد کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ جس نے قوموں کو خاص طور سے اسلامی ایران کی قوم کو بیدار کر کے "ستم شاہی" ظلمتوں سے نور اسلام کی طرف ہدایت فرمائی ہے۔ میں اب شریف و مظلوم قوموں اور ایران کی عزیز ملت سے وصیت کرتا ہوں کہ وہ پورے عزم و ثبات قدم کے ساتھ اس الٰہی صراط مستقیم پر ڈٹے رہیں جو نہ ملحد مشرق سے وابستہ ہے اور نہ کافر و ستمگر مغرب سے بلکہ یہ وہ راستہ ہے جسے خداوند عالم نے انھیں عطا کیا ہے اور ایک لحظہ کے لئے بھی اس نعمت کا شکرانہ بجالانے سے غفلت نہ برتیں اور بڑی طاقتوں کے ایجنٹوں کے ناپاک ہاتھ چاہے وہ بیرونی ایجنٹ ہوں یا ان سے بدتر داخلی ایجنٹ — ان کی پاک (اور خالص) نیت میں تزلزل اور آہنی ارادہ میں رخنہ پیدا نہ کرنے پائیں اور جان لیں کہ، دنیا کے ذرائع ابلاغ اور مشرق و مغرب کی شیطانی طاقتیں جس قدر لاف و گزاف کر رہی ہیں وہ ان کی الٰہی طاقت و قدرت

کی دلیل ہے اور خداوند عالم ان (مجرموں) کو اس عالم میں بھی سزا دے گا اور دوسرے تمام عالموں میں بھی انہ ولی النعم وبیدہ ملکوت کل شی۔

میں پوری عاجزی اور تواضع سے مسلمان قوموں سے درخواست کرتا ہوں کہ ائمہ اطہارؑ اور عالم بشریت کے ان عظیم رہنماؤں کی عسکری، معاشی، اجتماعی اور سیاسی ثقافت کی شائستہ طور پر جان و دل سے اپنی اور اپنے عزیزوں کی جانیں قربان کر کے پیروی کریں، من جملہ ان کے "فقہ سنتی" (یعنی مروجہ فقہ) ہے ــ جو دبستان رسالت و امامت کی ترجمان اور قوموں کی عظمت و ترقی کی ضامن ہے، چاہے وہ اس کے احکام اولیہ ہوں یا احکام ثانویہ کیونکہ یہ دونوں ہی اسلامی فقہ کے دبستان سے ہیں ــ مسلمان اس سے ذرہ برابر منحرف نہ ہوں اور حق و مذہب کے دشمن خناسوں کے وسوسوں پر کان نہ دھریں اور یہ جان لیں کہ اس فقہ سے ایک گام انحراف بھی مذہب، اسلامی احکام اور الٰہی حکومت حکومت عدل کے سقوط کا مقدمہ ہے۔ من جملہ ان کے نماز جمعہ و جماعت ہے ــ جو نماز کے سیاسی پہلو کو اجاگر کرتی ہے ــ اس کی طرف سے ہرگز غفلت نہ برتیں کیونکہ یہ نماز جمعہ، جمہوری اسلامی ایران پر حق تعالیٰ کی عظیم ترین عنایتوں میں سے ایک ہے۔ من جملہ ان کے ائمہ اطہارؑ اور خاص طور سے مظلوموں کے سید و سردار، شہیدوں کے سرور و سالار، حضرت ابی عبداللہ الحسینؑ کی عزاداری ہے ــ خدا، اس کے انبیاءؑ، اس کے ملائکہ اور صلحاء کی بے پایاں صلوٰۃ ہو آپ کی عظیم اور حماسہ آفرین روح پر ــ اس عزاداری کی طرف سے کبھی بھی غافل نہ ہوں اور یاد رکھیں کہ اسلام کے اس عظیم تاریخی حماسہ کو زندہ رکھنے اور اس کی یاد منانے کے سلسلہ میں ائمہ علیہم السلام کے جتنے بھی احکام و فرامین ہیں اور اہل بیتؑ پر ظلم و ستم کرنے والوں کے سلسلہ میں جتنی بھی لعن و نفرین ہے یہ سب کچھ ابتدائے تاریخ سے قیامت تک کے ظالم و ستم گر سرغناؤں کے خلاف قوموں کی شجاعانہ آواز و فریاد ہے اور آپ جانتے ہیں کہ بنی امیہ (لعنت اللہ علیہم) کے ظلم و ستم کے خلاف فریاد اور ان پر لعن و نفرین ــ اگرچہ وہ خود جہنم واصل ہو چکے ہیں اور ان کی نسل منقطع ہو چکی ہے ــ درحقیقت دنیا کے تمام ظالموں کے خلاف آواز ہے اور اس ستم شکن فریاد کو زندہ رکھنے کا وسیلہ ہے۔ ضروری ہے کہ ائمہ حق علیہم سلام اللہ کے نوحوں، مرثیوں اور مدحیہ اشعار (قصیدوں) میں ہر جگہ اور ہر دور کے ظالموں کے مظالم اور ان کے دلخراش جرائم کا مؤثر طور پر ذکر کیا جائے، اور ہمارا یہ دور جو

امریکہ، روس اور ان کے تمام گماشتوں، من جملہ ان کے حرمِ بزرگ الٰہی سے خیانت کرنے والے آل سعود (لعنت اللہ وملائکتہ ورسلہ علیہم) کے ہاتھوں، عالم اسلام کی مظلومیت کا دورہ ہے (ان کے مظالم) موثر طور پر یاد دلائے جائیں اور ان پر لعن و نفرین کی جائے اور ہم سب کو یہ جان لینا چاہیئے کہ وہ چیز جو مسلمانوں کے درمیان اتحاد و وحدت کا ذریعہ ہے، یہی سیاسی مراسم ہیں جو تمام مسلمانوں اور خاص طور سے ائمہ اثنا عشر علیہم صلوات اللہ وسلم کے شیعوں کی ملّیت کی حافظ ہے۔

یہاں یہ یاد دہانی بھی ضروری ہے کہ میری یہ الٰہی و سیاسی وصیت صرف ایران کی عظیم الشان قوم ہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ وصیت تمام اسلامی قوموں اور دنیا کے مظلوموں کے لئے ہے چاہے وہ جس مذہب و ملت سے بھی تعلق رکھتے ہوں، خداوند عزوجل سے عاجزانہ دعا کرتا ہوں کہ ایک لحظہ کے لئے بھی ہمیں اور ہماری قوم کو اپنے حال پہ (تنہا) نہ چھوڑے اور فرزندان اسلام نیز مجاہدین عزیز کو ایک لحظہ کے لئے بھی اپنی غیبی عنایتوں سے محروم نہ فرمائے۔

روح اللہ الموسوی الخمینی

وصیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ عظیم الشان اسلامی انقلاب جو کروڑوں ذی قدر انسانوں، ہزاروں زندۂ جاوید شہیدوں اور زندہ شہید، جاں بازوں کی زحمتوں کا ثمرہ ہے اور دنیا کے کروڑوں مسلمانوں و مستضعفوں کی امیدوں کا مرکز ہے اس کی اہمیت و عظمت اتنی زیادہ ہے جس کا صحیح اندازہ لگانا قلم و بیان کے بس سے باہر ہے۔

میں روح اللہ موسوی خمینی، اپنی تمام خطاؤں کے باوجود خداوند متعال کے عظیم کرم سے مایوس نہیں ہوں اور میرے اس پرخطر سفر کا زادِ راہ، اس کریم مطلق کے کرم سے میری یہی دلبستگی ہے۔

میں ایک حقیر (دینی) طالب علم کی حیثیت سے جو دیگر برادران ایمانی کی طرح اس انقلاب اس کی بقاء، اس کے ثمرات اور اس کے زیادہ سے زیادہ بار ور ہونے سے امید لگائے ہوئے ہے، موجودہ اور آئندہ نسلوں سے وصیت کے طور پر چند باتیں عرض کر رہا ہوں۔ چاہے وہ تکرار مکررات ہی کیوں نہ ہو۔ اور خداوند رحمان سے درخواست کرتا ہوں کہ ان تذکرات میں مجھے خلوص نیت عنایت فرمائے۔

۱۔ ہم سب کو معلوم ہے کہ یہ عظیم انقلاب جس نے عظیم ایران کو عالمی لٹیروں اور ستم گروں کی دست رس سے دور کر دیا ہے، خداوند عالم کی غیبی تائیدات ہی سے کامیاب ہوا ہے اگر خداوند عالم کا دست توانا، نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ ۳۶ ملین پر مشتمل آبادی ایسے پرخطر حالات میں کامیاب ہو جاتی جبکہ اسلام اور علماء مخالف پروپیگنڈے ــــ خاص طور سے ان آخری سو برسوں میں ــــ اپنے اوج پر تھے، قومیت کے نام پر قوم مخالف اور اسلام دشمن محفلوں، نشستوں، تقریروں اور مطبوعات میں قلمکاروں اور زبان درازوں کے ذریعہ، ملت کے درمیان تفرقہ اور پھوٹ ڈالنے کی بے پناہ اور انتھک کوشش کی جا رہی تھی، ان فعال جوانوں کو جنھیں اپنے وطنِ عزیز کی ترقی اور سربلندی کی راہ میں اہم کردار ادا کرنا چاہئے، فساد و فحشا میں گرفتار کرنے اور ان خیانت آمیز واقعات اور کارستانیوں سے لاپرواہ بنانے کی غرض سے جو فاسد شاہ اور اس کے غیر مہذب باپ اور بڑی طاقتوں کے سفارت خانوں کی طرف سے قوم پر مسلط کئے جانے والے ارکان پر مشتمل نام نہاد پارلیمنٹوں اور کیبنٹوں کے ذریعہ انجام پاتے تھے۔ جوئے، شراب، منشیات، اور فسق و فجور کے اڈے قائم کئے گئے تھے۔ شعر اور لطیفے گڑھے گئے تھے۔ ان سب سے بدتر یونیورسٹیوں، اسکولوں اور ان تعلیمی مراکز کی حالت تھی، جن کے ہاتھوں میں ملک کی قسمت کا فیصلہ سونپا جاتا تھا۔ یہاں قوم اور قوم پرستی کے نام پر اسلام اور اسلامی ثقافت کے سو فیصد دشمن بلکہ صحیح قومیت کے بھی مخالف، مغرب پرست یا مشرق نواز استادوں اور معلموں کا تقرر کیا جاتا تھا۔ اگرچہ ان کے درمیان کچھ دلسوز اور احساس ذمہ داری رکھنے والے افراد بھی موجود تھے لیکن وہ اپنی نہایت ہی قلیل تعداد اور سخت دباؤ کے پیش نظر کوئی مثبت رول ادا کرنے سے عاجز تھے یہ اور اسی طرح کے دیگر دسیوں مسائل تھے مثلاً: علماء دین کو کنارہ کشی اور گوشہ نشینی اختیار کرنے پر مجبور کر دینا یا پروپیگنڈوں کے زور پر ان میں سے بہت سوں کے افکار کو منحرف کر دینا کہ ان حالات میں ممکن نہ تھا کہ عوام اس طرح سے متحد ہو کر اٹھ کھڑے ہوں اور پورے ملک میں ایک ہی مقصد کی خاطر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کریں اور اپنے حیرت انگیز معجزنما ایثار و قربانی کے ذریعہ تمام بیرونی اور داخلی طاقتوں کو پیچھے ڈھکیل کر ملک کی قسمت کا فیصلہ اور اس کی باگ ڈور خود اپنے ہاتھوں میں سنبھال لیں۔

لہٰذا اس میں شک نہیں کرنا چاہئے کہ ایران کا اسلامی انقلاب ہر جہت سے، اپنے وجود میں بھی، جدوجہد کے انداز میں بھی اور انقلابی مقاصد و محرکات میں بھی دیگر تمام انقلابات سے ممتاز ہے اور اس میں

شک نہیں کہ یہ الٰہی تحفہ اور غیبی ہدیہ تھا جو خداوند منان کی طرف سے اس مظلوم اور غارت شدہ قوم کو عطا ہوا ہے۔

۲ اسلام اور اسلامی حکومت ایک الٰہی دین ہے جو اپنے نفاذ کی صورت میں فرزندان اسلام کے لئے دنیا و آخرت کی سعادت کے اسباب بہترین طریقہ سے فراہم کر سکتی ہے، اور اس میں اتنی قدرت و توانائی موجود ہے کہ ہر طرح کی جارحیت، فساد، ظلم و تعدی اور لوٹ کھسوٹ پر خط بطلان کھینچ کر انسانوں کو ان کے مقصود اعلیٰ تک پہنچا دے۔ اسلام ایک ایسا دبستان ہے جو غیر توحیدی دبستانوں کے برخلاف تمام فردی، سماجی، مادی، معنوی، ثقافتی، سیاسی، عسکری اور معاشی امور میں دخیل اور ان کی نگرانی کرتا ہے اور انسان و معاشرہ کی تربیت اور اس کی مادی و معنوی ترقی میں موثر، چھوٹے سے چھوٹے نکتہ کو بھی نظر انداز نہیں کرتا ہے، اسلام نے افراد اور معاشرہ کے رشد و ارتقاء کی راہ میں درپیش تمام مشکلات اور رکاوٹیں گوشش گزار کر دی ہیں اور انھیں برطرف کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔

اب جبکہ خداوند عالم کی تائید و توفیق سے باوفا اور احساس ذمہ داری رکھنے والی قوم کے توانا ہاتھوں سے اسلامی جمہوریہ کی بنیاد رکھی جا چکی ہے اور اس اسلامی حکومت کے پیش نظر صرف اسلام اور اس کے ترقی یافتہ احکام ہیں۔ لہٰذا ایران کی عظیم الشان ملت پر فرض ہے کہ وہ اس کے مفاہیم کو تمام جہات کے ساتھ نافذ کرنے اور اسے محفوظ رکھنے کی بھرپور کوشش کرے کیوں کہ اسلام کا تحفظ تمام واجبات سے اہم ہے اور آدم علیہ السلام سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیاء عظام نے اس راہ میں جان فرسا کوشش اور فداکاری کی ہے اور کوئی رکاوٹ، انھیں اس عظیم فریضہ کی بجا آوری سے روک نہ سکی۔ اسی طرح ان کے بعد اصحاب باوفا اور ائمہ اسلام علیہم صلوات اللہ نے بھی اس کے تحفظ و بقاء کی خاطر، اپنا خون نثار کر دینے کی حد تک طاقت فرسا کوششیں کی ہیں۔ اور آج ملت ایران پر خصوصاً اور تمام مسلمانوں پر عموماً واجب ہے کہ وہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ اس الٰہی امانت کی حفاظت کریں جو ایران میں سرکاری طور سے منظر عام پر آ چکی ہے اور نہایت ہی مختصر سی مدت میں اس کے عظیم نتائج بھی برآمد ہوئے ہیں۔ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی بقاء کے وسائل فراہم کریں اور اس کی راہ میں حائل مشکلات اور رکاوٹوں کو برطرف کرنے کی کوشش کریں۔ امید ہے کہ اس کے نورانی پرتو سے تمام اسلامی ممالک جگمگا اٹھیں گے اور تمام ممالک اور قومیں اس زندگی ساز مسئلہ میں آپس میں تفاہم کر کے تاریخ کے مجرموں اور دنیا کو ہڑپنے

والی بڑی طاقتوں کی دسترس سے دنیا کے ستم رسیدہ اور مظلوم افراد کو قیامت تک کے لئے محفوظ کریں گی۔

میں جو اپنی عمر کی آخری سانسیں لے رہا ہوں، اپنا فریضہ سمجھتا ہوں کہ کچھ وہ باتیں جو اس الٰہی امانت کی بقا و تحفظ کے لئے ضروری ہیں اور جو چیزیں اس کی بقاء کے لئے خطرناک ہیں اور اس کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کر سکتی ہیں ان سے موجودہ اور آئندہ نسلوں کو باخبر کر دوں اور بارگاہ رب العالمین میں سب کی تائید و توفیق کا طلبگار ہوں۔

الف۔ اس میں شک نہیں کہ اسلامی انقلاب کا راز بھی وہی ہے جو اس کی کامیابی کا راز تھا اور کامیابی کے راز سے ملت واقف ہے اور آئندہ نسلیں تاریخ میں پڑھیں گی کہ اس کامیابی کے دو بنیادی رکن: جذبۂ للّٰہیت نیز اسلامی حکومت (کے قیام) کا اعلیٰ مقصد اور اس مقصد (کو جامہ عمل پہنانے) کے لئے ملک بھر میں پوری قوم کا یک زبان ہو کر اجتماع تھا۔ میں تمام موجودہ اور آئندہ نسلوں سے وصیت کرتا ہوں کہ اگر آپ اسلام اور اللہ کی حکومت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں، داخلی و خارجی استحصالیوں اور سامراجیوں کے ہاتھ اپنے ملک سے کاٹنا چاہتے ہیں تو اس الٰہی مقصد و محرک کو جس کی خداوند عالم نے قرآن کریم میں تاکید کی ہے ہاتھ سے نہ جانے دیجئے یہ جذبہ و محرک جو کامیابی اور اس کی بقاء کا اصل راز ہے، اس کے بالمقابل مقصد کو بھلا کر اختلاف و تفرقہ ایجاد کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کے پروپیگنڈہ بھونپو اور ان کے مقامی ایجنٹ اپنی پوری طاقت کے ساتھ پھوٹ ڈالنے والی جھوٹی باتیں گڑھنے اور افواہیں پھیلانے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔ اور اربوں ڈالر اس مقصد کے لئے صرف کر رہے ہیں۔ اس علاقہ میں جمہوری اسلامی کے مخالفوں کا مسلسل سفر اور ان کی رفت و آمد بے مقصد نہیں ہے اور افسوس کا مقام ہے کہ ان کے درمیان بعض اسلامی ممالک کے ایسے حکمراں اور سربراہ بھی نظر آتے ہیں جو آنکھ کان بند کر کے امریکہ کی غلامی کے لئے حاضر ہیں اور اپنے ذاتی مفاد کے سوا انھیں کسی چیز کی فکر نہیں ہے اور بعض عالم نما افراد بھی ان کے ساتھ ملحق ہو گئے ہیں۔ آج اور مستقبل میں بھی جو چیز ایرانی قوم اور مسلمین عالم کے مدنظر رہنی چاہئے اور اسے اہمیت دینی چاہئے وہ یہ ہے کہ انھیں گھروں کو اجاڑ دینے والے پروپیگنڈوں کو ناکام بنانا ہے۔ تمام مسلمانوں اور خاص طور سے ایرانیوں سے اور خصوصیت کے ساتھ عصر حاضر کے لئے میری وصیت یہ ہے کہ ان سازشوں کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوں اور ہر ممکن طریقہ سے اپنے درمیان اتحاد و ہم بستگی کو مستحکم کر کے کافروں اور منافقوں کو مایوس کر دیں۔

ب۔ ان اہم سازشوں میں سے ایک سازش جو اس آخری صدی میں، خاص کر ان معاصر دہائیوں میں اور بالاخص انقلاب کی کامیابی کے بعد آشکارا طور پر نظر آرہی ہے وہ قوموں اور خاص طور سے ایران کی فداکار قوم کو اسلام سے مایوس کرنے کے لئے مختلف پہلوؤں سے وسیع پیمانے پر کئے جانے والے پروپیگنڈے میں کبھی کھلم کھلا اور علی الاعلان یہ کہتے ہیں کہ اسلامی قوانین جو چودہ سو سال قبل وضع ہوئے ہیں، عصر حاضر میں ملکوں کا انتظام چلانے کی صلاحیت نہیں رکھتے یا یہ کہ اسلام ایک رجعت پسند دین ہے، جو ہر نئی، اور مظہر تمدن چیز کا مخالف ہے اور اس دور میں کوئی ملک، عالمی تہذیب اور اس کے مظاہر سے کنارہ کش نہیں رہ سکتا، اسی طرح کے دوسرے احمقانہ پروپیگنڈے اور بعض اوقات نہایت ہی موذیانہ انداز میں اپنی شیطنت سے کام لیتے ہوئے اسلامی تقدس کی حمایت کی آڑ میں یہ کہتے ہیں کہ اسلام اور دوسرے الہٰی ادیان صرف معنویات اور تہذیب نفس سے سروکار رکھتے ہیں وہ دنیوی مقام و منصب سے علیٰحدگی و دوری اور دنیا کو ترک کر کے ان دعاؤں، عبادتوں اور اذکار میں مشغول رہنے کی دعوت دیتے ہیں جو انسان کو خدائے تعالیٰ سے نزدیک اور دنیا سے دور کرتے ہیں لہٰذا حکومت و سیاست میں مداخلت اس عظیم اور معنوی مقصد کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں دنیا کی تعمیر کے لئے ہیں اور دنیا کی تعمیر انبیاء عظام کے مسلک کے خلاف ہے، اور افسوس صد افسوس اس دوسرے قسم کے پروپیگنڈہ نے بعض علماء اور اسلام سے بے خبر دین داروں پر اس حد تک اثر ڈالا ہے کہ وہ حکومت و سیاست میں مداخلت کو گناہ اور فسق سمجھنے لگے تھے اور شاید آج بھی کچھ لوگ اسی طرح کا تصور رکھتے ہوں اور یہ وہ عظیم المیہ ہے جس سے اسلام دوچار تھا۔

پہلے گروہ کے بارے میں تو یہ کہنا چاہئے کہ یا تو وہ حکومت، قانون اور سیاست سے بالکل بے خبر ہیں یا اپنے اغراض و مقاصد کے پیش نظر خود کو ان چیزوں سے ناواقف ظاہر کرتے ہیں، کیونکہ عدل و قسط کی میزان پر قوانین کا نفاذ، ظلم و ستم اور مطلق العنان حکومتوں کی روک تھام، انفرادی اور سماجی عدل و انصاف کا قیام، رنگ برنگے انحرافات اور فساد و فحشا پر پابندی، عقل و عدل کے معیار کے مطابق آزادی، استقلال اور خود کفالتی، استعمار، استحصال اور غلامی کی بیخ کنی، دنیا کو فساد سے محفوظ رکھنے اور ایک معاشرہ کو تباہی سے بچانے کے لئے عدل و انصاف پر مبنی حدود، قصاص اور تعزیرات کا اجرا، سیاست اور معاشرہ کو عقل و عدل و انصاف کی میزان پر چلانا اور اسی طرح سیکڑوں

مسائل، ایسی چیزیں نہیں ہیں جو بشریت اور اجتماعی زندگی کی طویل تاریخ میں پرانی اور فرسودہ ہو جائیں۔ یہ دعویٰ ایسا ہی ہے کہ کوئی یہ کہے کہ ریاضی اور عقلی اصولوں کو اس صدی میں بدل دینا چاہئے اور اس کی جگہ جدید قوانین کو لے لینی چاہئے۔ اگر ابتدائے تخلیق (اور آغاز کائنات) میں سماجی انصاف کا قیام اور قتل وغارت نیز ظلم وستم کی روک تھام ضروری تھی تو چونکہ آج ایٹمی دور ہے لہٰذا اب وہ طریقہ فرسودہ ہو چکا ہے اور یہ دعویٰ کہ اسلام ایجادات و اختراعات کا مخالف ہے جیسا کہ ایران کا مخلوع شاہ محمد رضا پہلوی کہا کرتا تھا کہ "یہ (علماء) اس دور میں بھی گدھوں پر بیٹھ کر سفر کرنا چاہتے ہیں" ایک احمقانہ الزام کے سوا کچھ بھی نہیں، کیونکہ اگر مظاہر تمدن اور نئے پن سے مراد یہی ایجادات و اختراعات اور ترقی یافتہ صنعتیں ہیں جو انسانی تمدن کے ارتقا میں اہم کردار ادا کرتی ہیں تو کبھی بھی اسلام یا کسی بھی توحیدی مذہب نے نہ اس کی مخالفت کی ہے اور نہ کریں گے، بلکہ اسلام اور قرآن مجید نے تو علم وصنعت کے حصول پر بڑا زور دیا ہے۔ اور اگر تجدد و تمدن سے مراد وہ معنی ہیں جو بعض پیشہ ور روشن خیال پیش کرتے ہیں کہ تمام برے کاموں اور فساد و فحشا، یہاں تک کہ ہم جنس بازی وغیرہ کی بھی آزادی ہونی چاہئے، تو اس کے تمام آسمانی ادیان، دانشور اور عقلا مخالف ہیں اگرچہ مشرق ومغرب کے پرستار ان کی اندھی تقلید کرتے ہوئے اس کی ترویج کر رہے ہیں۔

دوسرا گروہ جو شیطانی منصوبہ رکھتا ہے، اور اسلام کو حکومت وسیاست سے جدا سمجھتا ہے۔ ان نادانوں کو یہ بتا دینا چاہئے کہ قرآن کریم اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں جتنے احکام سیاست وحکومت کے سلسلہ میں پائے جاتے ہیں اتنے احکام کسی اور موضوع سے متعلق ذکر نہیں ہوئے ہیں، بلکہ اسلام کے بہت سے عبادی احکام بھی، عبادی سیاسی ہیں جن کی طرف سے غفلت نے ان مصیبتوں کو جنم دیا ہے۔ خود پیغمبر اسلامؐ نے دنیا کی تمام حکومتوں کی طرح، حکومت تشکیل دی ہے لیکن آپ کا مقصد سماجی انصاف قائم کرنا تھا، اور اسلامی دور کے ابتدائی خلفاء بھی وسیع حکومتوں کے مالک تھے، حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی حکومت بھی اسی مقصد کے تحت ذرا وسیع تر اور گستردہ پیمانے پر تاریخی حقائق میں سے ہے، اس کے بعد بھی تدریجاً حکومت، اسلام کے نام پر قائم رہی ہے، اور آج بھی اسلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع میں بہت سے لوگ اسلامی حکومت کے دعویدار ہیں۔ میں اس وصیت نامہ میں صرف اشارہ کرتے ہوئے گزر رہا ہوں لیکن امید رکھتا ہوں کہ

مصنفین، مورخین اور سماجیات کے ماہرین، مسلمانوں کو اس غلط تصور سے نجات دلائیں گے، اور جو کچھ کہا جا چکا یا کہا جا رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو صرف معنویات سے سروکار ہے اور دنیادی حکومت و سیاست مطرود و مذموم ہے، انبیاء، اولیاء اور بزرگ ہستیاں اس سے اجتناب کرتی تھیں اور ہمیں بھی ایسا ہی کرنا چاہئے، یہ لائقِ افسوس اشتباہ ہے جس کا نتیجہ اسلامی قوموں کو تباہ و برباد کرنے اور خونخوار سامراجیوں کے لئے راہ ہموار کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام کی نگاہ میں جو چیز مذموم ہے وہ منحرف دنیادی مقاصد اور اقتدار کی ہوس کے لئے ظلم و ستم پر مبنی مطلق العنان شیطانی حکومتیں ہیں، کہ جس سے دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ زراندوزی، اقتدار پرستی اور طاغوتیت ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ جس دنیا کی مذمت کی گئی ہے وہ دنیا ہے جو انسان کو حق تعالیٰ سے غافل کر دے۔ لیکن سماجی عدل و انصاف قائم کرنے، ظلم و ستم سے روکنے اور مستضعفوں کے فائدے کے لئے، حکومتِ حق وہ چیز ہے جس کے قیام کے لئے سلیمان بن داؤد، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپؐ کے عظیم الشان اوصیا کے مانند افراد کوششیں کرتے رہے ہیں اور وہ اہم ترین واجبات میں شمار ہوتی ہے اور اس کی تشکیل عظیم ترین عبادات سے ہے۔ چنانچہ صحت مند سیاست جو ان حکومتوں میں پائی جاتی تھی ضروری و لازم ہے۔ ایران کی ہوشیار و بیدار قوم کو اسلامی بصیرت کے ساتھ ان سازشوں کو ناکام بنا دینا چاہئے۔ احساس ذمہ داری رکھنے والے مقررین و مصنفین ملت کی مدد سے اٹھ کھڑے ہوں اور سازشی شیطانوں کے ہاتھ قلم کر دیں۔

ج۔ اسی قسم کی سازشوں میں سے ایک اور شاید اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ اور شاطرانہ سازش ملک بھر میں اور زیادہ تر شہروں میں ان افواہوں کو ہوا دینا ہے کہ "جمہوری اسلامی نے بھی عوام کی کوئی خدمت نہ کی۔ بے چارے عوام نے بڑے شوق و ولولہ کے ساتھ قربانیاں دیں تاکہ طاغوت کی ظالمانہ حکومت سے نجات پا جائیں لیکن وہ اس سے بدتر حکومت کے پنجہ میں گرفتار ہو گئے۔ مستکبرین پہلے سے زیادہ قوی اور مستضعفین پہلے سے زیادہ محروم ہو گئے ہیں، قید خانے ان جوانوں سے بھرے ہوئے ہیں جن سے ملک کے مستقبل کی امیدیں وابستہ ہیں، شکنجہ اور تشدد گزشتہ حکومت سے کہیں زیادہ بدتر اور غیر انسانی ہو گیا ہے۔ روزانہ کچھ افراد کو اسلام کے نام پر موت کے گھاٹ اتارا جا رہا ہے اور کاش اس جمہوری کے ساتھ اسلام کا نام شامل نہ کیا جاتا۔ یہ دور رضا خان اور اس کے بیٹے کے دور سے بھی

بدتر ہے۔ عوام رنج و تعب اور سرسام آور گرانی میں ڈوبے جا رہے ہیں اور سربراہان مملکت اس حکومت کو کمیونسٹی حکومت کی طرف کھینچے لے جا رہے ہیں، عوام کے مال و دولت کو ضبط کیا جا رہا ہے اور ہر میدان میں عوام کو آزادی سے محروم کر دیا گیا ہے۔" اسی طرح کی اور بہت سی افواہیں ہیں جنھیں منصوبہ بند طریقے سے پھیلایا جا رہا ہے، ان افواہوں کے پیچھے باقاعدہ سازش اور منصوبہ بندی کی دلیل یہ ہے کہ کچھ دنوں کے وقفہ سے گلی کوچوں میں ایک موضوع زبانوں پر آتا ہے اور پھر جہاں جائیے اسی کے بارے میں گفتگو نظر آتی ہے ٹیکسیوں میں یہی گفتگو بسوں اور منی بسوں میں یہی گفتگو۔ جہاں چند افراد جمع ہوئے یہی گفتگو، اور جب ایک شوشہ کچھ پرانا ہو جاتا ہے تو ایک دوسرا شگوفہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور کتنے افسوس کی بات ہے کہ بعض علماء جو شیطانی حیلوں اور سازشوں سے بے خبر ہیں، سازشیوں کے ہی ایک دو ایجنٹوں کے کہنے سے گمان کر بیٹھتے ہیں کہ یہی افواہیں، صحیح ہیں۔ اور یہ صورت حال پیش آنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ بہت سے افراد جو ان افواہوں کو سنتے ہیں اور اس پر یقین کر لیتے ہیں وہ عالمی حالات، دنیا میں رونما ہونے والے انقلاب اور انقلاب کے بعد کے حوادث نیز اس کے ناقابل اجتناب عظیم مشکلات سے ناواقف ہیں۔ اسی طرح وہ ان انقلابی تبدیلیوں کے بارے میں بھی صحیح معلومات نہیں رکھتے جو سو فیصد اسلام کے حق میں ہیں۔ وہ دنیا و ما فیہا سے بے خبر، آنکھ بند کر کے اس قسم کی افواہوں کو سنتے ہیں اور خود بھی غفلت کی بنا پر یا جان بوجھ کر ان سے ملحق ہو گئے ہیں۔ میں انھیں نصیحت کرتا ہوں کہ دنیا کی موجودہ صورت حال کا مطالعہ، انقلاب اسلامی ایران کا دنیا کے دیگر انقلابات کے ساتھ موازنہ کئے بغیر اور اسی طرح ان قوموں اور ملکوں کے حالات کا مطالعہ کرنے سے پہلے جہاں انقلاب رونما ہوا ہے کہ انقلاب کے وقت اور انقلاب کے بعد وہاں کیا گزری ہے، نیز اس طاغوت زدہ ملک کے ان مسائل اور مشکلات پر توجہ کرنے سے پہلے جن میں یہ ملک رضا خان اور اس سے بدتر محمد رضا کے ہاتھوں گرفتار اور ان لوگوں کی لوٹ کھسوٹ کا شکار رہا ہے اور ان کے پیدا کردہ مشکلات اس حکومت کو میراث میں ملے ہیں تباہ کن اور خانہ برانداز عظیم وابستگیوں سے لے کر وزارت خانوں، ادارات، اقتصاد اور فوج کی صورت حال تک عیاشی کے اڈے، شراب کی دکانیں، زندگی کے تمام شعبوں میں بے حیائی و فسق و فجور تعلیم و تربیت کی حالت، اسکولوں، کالجوں، اور یونیورسٹیوں کا ماحول، سینما ہال اور عیاشی کے مراکز، جوانوں اور عورتوں کا حال، علماء دین دار افراد، احساس ذمہ داری رکھنے والے حریت پسندوں، ستم رسیدہ عفیف خواتین اور طاغوت کے دور میں مساجد کی صورت حال کا جائزہ لینے اور پھر اس دور میں موت یا قید کی

سزا پانے والے افراد کی عدالتی مسل کا مطالعہ کرنے، قید خانوں کا جائزہ لینے اور ذمہ داروں کے اعمال کے بارے میں تحقیق کرنے، سرمایہ داروں، بڑی بڑی زمینیں ہڑپنے والوں، ذخیرہ اندوزوں اور گراں فروشوں کے اموال کے بارے میں معلومات حاصل کرنے، عمومی اور انقلابی عدالتوں کے سلسلے میں چھان بین کرنے اور ان کا گزشتہ دور کی عدالت سے موازنہ کرنے اور اسلامی پارلیمنٹ کے اراکین اور اس دور کے وزیروں، گورنروں اور دوسرے سرکاری عہدہ داروں کا جائزہ لینے اور گزشتہ دور سے ان کا موازنہ کرنے، ان دیہاتوں میں جو تمام نعمتوں حتی کہ پینے کے پانی اور علاج کی سہولتوں سے بھی محروم تھے، حکومت اور تعمیری ادارہ "جہاد سازندگی" کے کارناموں کا مطالعہ کرنے اور ناخواستہ جنگ کے مشکلات اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل، مثلاً: لاکھوں جنگی مہاجر، شہدا اور جنگ سے متاثرین کے اہل خاندان، نیز لاکھوں افغانی و عراقی مہاجرین کو مدنظر رکھتے ہوئے گزشتہ دور کی حکومت سے موازنہ کرنے، اقتصادی ناکہ بندی، امریکہ اور اس کے داخلی و خارجی گماشتوں کی پے در پے سازشوں پر نظر ڈالنے اور مسائل سے آشنا مبلغین اور قاضیان شرع کے بقدر ضرورت فقدان، نیز اسلام مخالفوں اور گمراہوں حتی نادان دوستوں کی طرف سے پیدا کئے جانے والے مسائل اور ہرج و مرج جنہیں وجود میں لانے کی تیاری ہو رہی ہے اور اسی طرح کے اور دسیوں مسائل پر توجہ دینے اور ان کا عمیق مطالعہ کر لینے سے پہلے اعتراضات کی بوچھار شروع نہ کریں، تباہ کن تنقید اور فحش و دشنام کا دروازہ نہ کھولیں۔ اس مظلوم و غریب اسلام کے حال پر رحم کیجئے جو سیکڑوں سال تک تانا شاہوں کے ظلم و ستم اور عوام کی جہالت کا شکار رہنے کے بعد ابھی ابھی اپنے پیروں پر کھڑا ہوا ہے اور لیے داخلی و خارجی دشمن چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ بین میخ نکالنے والے ذرا یہ سوچیں کہ کیا سرکوبی کے بجائے یہ بہتر نہیں ہے کہ اصلاح وغیرہ کرنے کی کوشش کریں، منافقوں، ستمگروں، سرمایہ داروں اور خدا سے غافل بے انصاف ذخیرہ اندوزوں کی حمایت کے بجائے مظلوموں، ستم رسیدوں اور محروموں کی حمایت کریں، دہشت گرد فسادی گروہوں کی طرفداری اور ان کی بالواسطہ حمایت کے بجائے ان علماء اور حکومت کے مظلوم و عہدشناس خدمت گزاروں کی طرف توجہ کریں جو، ان گروہوں کی دہشت گردی کا نشانہ بنے ہیں۔

میں نے نہ کبھی یہ کہا ہے اور نہ کہتا ہوں کہ آج اس جمہوری میں، عظیم اسلام پر اس کے تمام پہلوؤں کے ساتھ عمل ہو رہا ہے اور کچھ افراد اپنی جہالت، کینہ یا لاقانونیت کی بنیاد پر اسلامی تعلیمات کے خلاف عمل نہیں کر رہے ہیں!! لیکن اتنا ضرور عرض کرتا ہوں کہ ملک کی عدلیہ، مقننہ اور مجریہ اس ملک کو اسلامی بنانے

کے لئے جاں فرساز حمتوں کے ساتھ کوشش کر رہی ہے اور کروڑوں افراد پر مشتمل قوم بھی ان کی حامی و مددگار ہے۔ اگر یہ روڑے اٹکانے اور مین میخ نکالنے والی اقلیت بھی ان کی مدد کے لئے آجائے تو ان آرزوؤں کی تکمیل میں مزید سرعت و سہولت پیدا ہو جائے گی، اور اگر خدانخواستہ یہ لوگ ہوش میں نہ بھی آئیں پھر بھی چونکہ یہ عوام بیدار ہو چکے ہیں، مسائل کی طرف متوجہ بھی ہیں اور میدان عمل میں موجود ہیں لہٰذا انشاء اللہ یہ اسلامی و انسانی آرزوئیں چشم گیر طریقے سے جامۂ عمل ضرور پہنیں گی۔ اور یہ مین میخ نکالنے والے کج رو افراد اس سیل خروشاں کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکیں گے۔

میں پوری جرأت کے ساتھ یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ عصر حاضر میں ملت ایران اور اس کے لاکھوں عوام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد کی ملت حجاز، امیرالمؤمنین اور حسین بن علی صلوات اللہ وسلامہ علیہما کے زمانہ میں کوفہ اور عراق کی قوم سے بہتر ہیں۔ یہ اہل حجاز ہیں کہ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ میں جیسے بھی آپ کی اطاعت نہیں کرتے تھے، اور مختلف بہانوں سے محاذ پر جانے کتراتے تھے، چنانچہ خداوند متعال نے سورۂ توبہ میں چند آیتوں کے ذریعہ انھیں متنبہ کیا ہے، اور عذاب کی خبر دی ہے، ان لوگوں نے آپ سے اتنی جھوٹی باتیں منسوب کیں کہ روایتوں کے مطابق حضرتؐ نے ان لوگوں پر نفرین فرمائی ہے اور وہ اہل کوفہ و عراق ہیں جنھوں نے امیرالمومنین سے اتنی بدسلوکی کی اور آپؑ کی اطاعت سے اس طرح گریز کرتے رہے کہ ان سے حضرت علیؑ کی شکایتیں کتابوں میں نقل ہوئی ہیں اور تاریخ میں مشہور ہیں۔ اور وہ کوفہ و عراق کے ہی مسلمان ہیں کہ سید الشہدا علیہ السلام کے ساتھ وہ سب کچھ ہو تا رہا جو ہوا ہے، اور جن لوگوں نے آپ کی شہادت میں اپنے ہاتھوں کو آلودہ نہیں کیا وہ یا تو معرکہ سے بھاگ گئے اور یا گھروں میں بیٹھے رہے یہاں تک کہ وہ تاریخی جرم واقع ہو گیا۔ لیکن آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ملت ایران چاہے وہ فوج و سپاہ و بسیج ہو یا رضاکار عوامی اور قبائلی فورس، محاذ پر پہلی صف ہو یا محاذ کے پیچھے، کس شوق و ولولہ کے ساتھ قربانیاں دے رہی ہے اور شجاعت و حماسہ کے کیسے کیسے نمونے پیش کر رہی ہے، اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ پورے ملک کے محترم عوام کتنی گراں بہا مدد کر رہے ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ جنگ سے متاثرین اور شہیدوں کے ورثہ اور اہل خاندان حماسہ آفریں چہروں اور مشتاقانہ و اطمینان بخش کردار و گفتار کے ساتھ ہمارے اور آپ کے سامنے آتے ہیں، یہ سب کچھ، خداوند متعال، اسلام اور حیات جاوید سے ان کے عشق، لگاؤ اور سرشار ایمان کا نتیجہ ہے حالانکہ وہ نہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محضر مبارک میں ہیں اور نہ معصوم امام صلوات اللہ علیہ

کے حضور میں۔ ان کا محرک، غیب پر ایمان و اطمینان ہے، اور یہی مختلف میدانوں میں کامیابی کا راز ہے، اسلام کو فخر کرنا چاہئے کہ اس نے ایسے فرزندوں کی تربیت کی ہے، اور ہم سب کو فخر ہے کہ ایک ایسے دور میں اور ایک ایسی قوم کی خدمت میں ہیں۔

میں یہاں پر ایک وصیت ان لوگوں سے بھی کرتا ہوں جو مختلف مقاصد اور وجوہات کے تحت جمہوری اسلامی کی مخالفت کرتے ہیں اور ان جوان لڑکوں اور لڑکیوں سے جنہیں ابن الوقت اور مفاد پرست منحرفین و منافقین استعمال کر رہے ہیں، کہ تم آزادی فکر کے ساتھ غیر جانبدار ہو کر سوچو اور فیصلہ کرو، اور وہ لوگ جو جمہوری اسلامی کو نابود کرنا چاہتے ہیں ان کے پروپیگنڈوں، ان کے طریقۂ کار اور محروم عوام کے ساتھ ان کے برتاؤ کا جائزہ لو اور ان گروہوں اور حکومتوں کے بارے میں چھان بین کرو، جو ان کی پشتیبانی کر رہی ہیں اور اسی طرح ملک کے اندر جو افراد اور جماعتیں ان سے ملحق ہوئی ہیں اور ان کی مدد کر رہی ہیں ان کا جائزہ لو ان کے اخلاق اور اپنے ہوا خواہوں کے ساتھ ان کے سلوک و رفتار اور مختلف مسائل و حوادث میں ان کے موقف کی تبدیلیوں کے بارے میں ہوائے نفس سے آزاد ہو کر پوری توجہ کے ساتھ تحقیق کرو۔ اور ان لوگوں کے حالات زندگی کا بھی مطالعہ کرو، جو اس جمہوری اسلامی میں منافقوں اور منحرفوں کے ہاتھوں شہید ہوئے ہیں۔ اور پھر موازنہ کرو ان کے اور ان کے دشمنوں کے درمیان، ان شہیدوں کی کچھ کیسٹ موجود ہیں اور مخالفوں کی کیسٹ بھی شاید تم لوگوں کے پاس موجود ہوں، دیکھو ان میں سے کون سا گروہ معاشرہ کے محروموں اور مظلوموں کا حامی و مددگار رہے!

بھائیو! تم ان کاغذات (وصیت نامہ) کو میری موت سے پہلے نہ پڑھ سکو گے، ممکن ہے میرے بعد تم لے پڑھو، اس وقت میں تمہارے پاس موجود نہ ہوں گا کہ اپنے مفاد میں اور کسی مقام و منصب کو حاصل کرنے کے لئے تمہیں اپنی جانب متوجہ کروں اور تمہارے جوان دلوں سے کھیلنا چاہوں۔ چونکہ تم لوگ شائستہ جوان ہو، لہٰذا میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنی جوانی کو خدا، اسلام عزیز اور جمہوری اسلامی کی راہ میں صرف کرو، تاکہ دونوں جہاں کی سعادتوں سے فیضیاب ہو سکو۔ میں خداوند غفور سے دعا کرتا ہوں کہ انسانیت کے صراط مستقیم کی طرف تمہاری ہدایت کرے اور اپنی رحمت واسعہ سے ہمارے اور تمہارے گزشتہ اعمال سے درگزر کرے، تم بھی خلوتوں میں خداوند عالم سے یہی دعا کرو کیونکہ وہ ہادی و رحمان ہے۔

ایک وصیت ان میں ملت ایران اور بڑی طاقتوں کے چنگل میں اسیر اور فاسد حکومتوں کے ہاتھوں میں مبتلا تمام قوموں سے کرتا ہوں۔

ملت عزیز ایران سے میری وصیت یہ ہے کہ جو نعمت آپ لوگوں نے اپنے عظیم جہاد اور اپنے فائز و کامران جوانوں کے خون کے ذریعہ حاصل کی ہے اس کی اپنی عزیز ترین چیز کی طرح قدر کیجئے اور اس کی حفاظت و نگہبانی کیجئے اور اس کی راہ میں جو عظیم الٰہی نعمت اور خدائی امانت ہے کوشش کیجئے، اور اس صراط مستقیم میں پیش آنے والی مشکلوں سے ہراساں نہ ہو جیئے کیونکہ "ان تنصرالله ینصرکم ویثبت اقدامکم" حکومت جمہوری اسلامی کو پیش آنے والے مشکلات میں جان و دل سے شریک رہنے اور انھیں دور کرنے کی کوشش کیجئے، حکومت اور پارلیمنٹ کو اپنا سمجھئے اور ایک محترم و عزیز محبوب کی طرح ان کی حفاظت کیجئے۔

ارکان حکومت، پارلیمنٹ اور دوسرے ذمہ داروں سے وصیت کرتا ہوں کہ اس ملت کی قدر کیجئے اور ان کی خدمت گزاری خاص طور سے محروموں، مستضعفوں اور ستم رسیدوں کی خدمت میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کیجئے، یہ ہماری آنکھوں کے نور اور ہم سب کے ولی نعمت ہیں۔ جمہوری اسلامی ان ہی لوگوں کی کوششوں اور قربانیوں کا ثمرہ ہے اور اس کی بقا بھی ان ہی کی خدمتوں کی رہین منت ہے۔ خود کو عوام سے اور عوام کو اپنا سمجھئے گا۔ طاغوتی حکومتوں کی ـــ جو لوٹ مار کرنے والی، ثقافت سے عاری، مطلق العنان اور تہی مغز حکومتیں تھیں اور ہیں ـــ ہمیشہ مذمت کیجئے۔ البتہ ایک اسلامی حکومت کے شایان شان انسانی اعمال کے ذریعہ۔

اسلامی قوموں سے وصیت کرتا ہوں کہ جمہوری اسلامی حکومت اور ایران کی مجاہد قوم کو اپنے لئے نمونہ عمل بنا یئے اور اگر آپ کی ظالم حکومتیں، قوموں کے مطالبات کو ـــ کہ وہی ملت ایران کا مطالبہ ہے ـــ تسلیم نہ کریں تو پوری طاقت کے ساتھ انھیں ان کی منزل تک پہنچا دیجئے کیونکہ مسلمانوں کی بدبختی کا سبب یہی مشرق و مغرب سے وابستہ حکومتیں ہیں۔ اور میں تاکید کے ساتھ وصیت کرتا ہوں کہ اسلام اور جمہوری اسلامی کے مخالف پروپیگنڈہ بھونپوؤں پر کان نہ دھریئے کیونکہ ان سب کی یہی کوشش ہے کہ اسلام کو میدان سے باہر کر دیں تاکہ بڑی طاقتوں کے مفادات محفوظ رہیں۔

د۔ سامراجی اور استحصالی بڑی طاقتوں کا ایک شیطانی منصوبہ جس پر برسوں سے عمل ہو رہا ہے اور جو ایران میں رضا خان کے دور میں اپنے پورے اوج پر پہنچ گیا تھا اور محمد رضا کے زمانہ میں مختلف طریقوں سے

اس پر عمل ہو تا رہا ہے، وہ علماء دین کو گوشہ نشینی اختیار کرنے پر مجبور کر دینا ہے۔ چنانچہ رضاخان کے دور میں روحانی لباس سے محرومی، قید، جلاوطنی، ہتک حرمت اور تختہ دار کے ذریعہ اس منصوبہ پر عمل کیا گیا، اور محمد رضا کے زمانہ میں دوسرے منصوبے اور کچھ نئی روشیں اختیار کی گئیں، ان ہی میں سے ایک، علماء دین اور یونیورسٹی والوں کے درمیان دشمنی ایجاد کرنا تھا۔ اس سلسلہ میں وسیع پیمانہ پر پروپیگنڈہ کیا گیا۔ افسوس ہے کہ بڑی طاقتوں کی اس شیطانی سازش اور دونوں طبقہ کی بے خبری کی وجہ سے، اس کا خاطر خواہ نتیجہ بھی برآمد ہوا۔ ایک طرف سے یہ کوشش کی گئی کہ اسکولوں سے یونیورسٹیوں تک تمام استاد و معلمین اور پرنسپل و وائس چانسلر مشرق پرستوں یا مغرب نوازوں اور اسلام و ادیان سے منحرف لوگوں کے درمیان سے منتخب ہوں اور مومن و عہد شناس افراد اقلیت میں رہیں تاکہ وہ موثر طبقہ جو مستقبل میں حکومت کی باگ ڈور سنبھالے گا۔ اس کی بچپنے سے نوجوانی اور نوجوانی سے جوانی تک اس طرح تربیت کی جائے کہ وہ ادیان سے بطور مطلق اور اسلام سے خصوصا اسی طرح ادیان سے وابستہ افراد خصوصاً علماء اور مبلغین دین سے متنفر رہیں۔ دین دار افراد اور علماء دین کو اس زمانہ میں انگریزوں کا ایجنٹ بتایا جاتا تھا بعد کے مرحلوں میں انہیں سرمایہ داروں، زمین خواروں اور رجعت پسندی کے حامی و طرفدار اور تمدن و ترقی کے مخالف کی حیثیت سے پہچنوایا جاتا تھا۔ دوسری طرف سے غلط پروپیگنڈوں کے ذریعہ، علماء، مبلغین اور دین دار افراد کو یونیورسٹی اور یونیورسٹی والوں سے خوفزدہ کر دیا گیا تھا۔ ان سب پر لادینی، فسق و فجور اور اسلامی و دینی آثار کی مخالفت کی تہمت لگائی جاتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ حکومت کے کارکن، ادیان، اسلام، علماء اور دین دار افراد کے مخالف ہوں اور عوام ــــ جو دین اور علماء دین سے الفت رکھتے ہیں ــ حکومت اور اس سے متعلق تمام چیزوں کے مخالف ہو جائیں اور حکومت و ملت نیز علماء اور یونیورسٹی سے متعلق افراد کے درمیان یہ گہرا اختلاف، لٹیروں کے لئے میدان کو اس طرح ہموار کر دے کہ ملک کے تمام امور ان کے قبضۂ قدرت میں اور ملت کے سارے خزانے ان کی جیب میں چلے جائیں۔ چنانچہ آپ نے دیکھ لیا کہ اس مظلوم قوم کے ساتھ کیا ہوا اور آئندہ کیا ہونے والا تھا۔

اب جبکہ، علماء دین، یونیورسٹی سے وابستہ افراد، تاجروں، کسانوں، مزدوروں اور دیگر طبقات پر مشتمل قوم کے مسلسل جہاد اور خداوند متعال کی مشیت سے غلامی کی زنجیریں ٹوٹ چکی ہیں، بڑی طاقتوں کی قدرت کے بند منہدم ہو چکے ہیں اور ملک ان کے اور ان کے گماشتوں کے ہاتھوں سے نجات پا چکا ہے۔

میری وصیت یہ ہے کہ موجودہ اور آئندہ نسلیں غفلت سے کام نہ لیں، عزیز و غیرت مند جوان اور یونیورسٹی والے علماء دین اور اسلامی علوم کے طلباء سے اپنے تعلقات، دوستی اور تفاہم میں مزید استحکام پیدا کریں اور غدار دشمن کی سازشوں اور منصوبوں سے غافل نہ ہوں جیسے ہی کسی شخص یا اشخاص کو دیکھیں کہ اپنے قول و فعل سے ان لوگوں کے درمیان کینہ و نفاق کا بیج بونا چاہتا ہے اسے نصیحت و رہنمائی کریں اور اگر نصیحت موثر واقع نہ ہو تو اس سے کنارہ کشی کر لیں اور اس کا بائیکاٹ کر دیں اور سازش کو جڑ نہ پکڑنے دیں کیونکہ چشمہ کے دہانے کو آسانی سے روکا جا سکتا ہے۔ خاص طور سے اگر اساتذہ میں کوئی ایسا شخص ہو جو انحراف ایجاد کرنا چاہتا ہو تو اسے نصیحت و رہنمائی کریں اور اگر کامیابی نہ ہو تو پھر اسے خود سے اور اپنی کلاس سے دور کر دیں۔ اس وصیت کا زیادہ تعلق علماء اور دینی علوم کے طلباء سے ہے۔ یونیورسٹیوں میں جنم لینے والی سازشیں ایک مخصوص عمق کی حامل ہوا ہیں دونوں محترم طبقے جو معاشرہ کے متفکر ذہن ہیں سازشوں پر کڑی نظر رکھیں۔

ھ۔ ایک اور سازش جس نے، بصد افسوس، ملکوں اور ہمارے عزیز ملک پر بھی بہت زیادہ اثر ڈالا ہے اور اس کے آثار اب بھی کافی حد تک باقی ہیں، وہ استعمار زدہ ملکوں کو خود اپنے آپ سے بے گانہ بنا کر اس حد تک مشرق پرست و مغرب نواز بنا دینا ہے کہ انھوں نے اپنے کو اور اپنی طاقت و ثقافت کو ہیچ سمجھ لیا، اور طاقت کے دو مشرقی و مغربی بلاکوں کی نسلی و ثقافتی برتری تسلیم کر لی اور ان دو طاقتوں کو قبلۂ عالم مان بیٹھے، اور ان دونوں بلاکوں میں سے کسی نہ کسی بلاک سے وابستگی کو ناقابل اجتناب فریضہ بتلانے لگے۔ اس غم انگیز حادثہ کا قصہ طولانی ہے اور اس سے جو نقصان ہمیں پہنچا ہے اور ابھی بھی پہنچ رہا ہے۔ وہ نہایت ہی مہلک اور تباہ کن ہے۔ اس سے بھی زیادہ غم انگیز بات یہ ہے کہ ان طاقتوں نے اپنے تحت اقتدار ستم رسیدہ قوموں کو ہر میدان میں محتاج و پسماندہ رکھ کر صرف کھانے اور صرف کرنے والی قوم بنا دیا ہے ہمیں اپنی ترقیوں اور اپنی شیطانی طاقتوں سے اتنا مرعوب و خوف زدہ کر دیا ہے کہ ہمارے اندر کسی تخلیقی کام میں ہاتھ لگانے کی جرأت نہیں رہ گئی ہے۔ ہم نے بنا سب کچھ ان کے حوالے کر کے اپنی اور اپنے ملکوں کی قسمت ان کے ہاتھوں میں تھما دی اور آنکھ کان بند کر کے ان کے حکم کے غلام اور مطیع و فرمانبردار بنے ہوئے ہیں۔ یہی مصنوعی حقارت و کند ذہنی باعث ہوئی ہے کہ ہم کسی معاملہ میں اپنی فکر و دانش پر بھروسہ نہ کریں، صرف مشرق و مغرب کی اندھی تقلید کرتے رہیں، بلکہ اگر ثقافت، ادب، صنعت اور ایجادات کے میدان میں ہمارے پاس کچھ شاہکار تھے بھی تو ثقافت و تہذیب سے عاری مشرق و مغرب کے پرستار فنکاروں اور مقرروں نے اسے تنقید اور

مذاق کا نشانہ بنا کر ہماری مقامی فکر و توانائی کا سر کچل کر ہمیں مایوس کر دیا اور آج بھی یہ عمل جاری ہے۔ اغیار کے عادات و رسوم، چاہے وہ کتنے ہی مبتذل اور واہیات کیوں نہ ہوں، اپنی گفتگو اور تحریر و عمل سے اس کی نشر و اشاعت اور تعریفوں کے پل باندھ کر قوموں کو اسے اپنانے پر مجبور کیا اور کر رہے ہیں۔ مثلاً اگر کسی کتاب، مقالہ یا تقریر میں یورپی زبان کے چند الفاظ آجائیں تو اس کے مفہوم و معنی پر توجہ کئے بغیر، حیرت و تعجب کے ساتھ اسے تسلیم کر لیتے ہیں اور اس مقرر و مصنف کو دانشور و روشن خیال تصور کرنے لگتے ہیں۔ گود سے گور تک جس چیز کو دیکھیں اگر مشرقی یا مغربی طرز پر اس کا نام رکھا گیا ہے تو مورد پسند اور لائق توجہ ہے اور اسے ترقی و تمدن کا مظہر سمجھا جائے گا۔ اور اگر خود ان کی مقامی زبان استعمال ہوئی تو اسے قدامت پرستی اور رجعت پسندی کا نام دے کر ٹھکرا دیا جائے گا۔ ہمارے بچوں کے نام اگر مغربی طرز کے ہوں تو سربلند و قابل فخر ہیں، لیکن اگر مقامی طرز کے نام ہوں تو شرمندہ و پسماندہ ہیں۔ سڑکیں، گلیاں، دکانیں، کمپنیاں، دواخانے، کتب خانے، کپڑے اور دوسری چیزیں چاہے وہ ملک کے اندر ہی کیوں نہ بنی ہوں۔ ان کے نام حتماً غیر ملکی ہونے چاہئیں تاکہ عوام خوش رہیں اور ان کے درمیان اس کی پذیرائی ہو۔ نشست و برخاست، معاشرت اور زندگی کے تمام شعبوں میں سر سے پاؤں تک یورپ کی تقلید فخر و سربلندی اور ترقی و تمدن کی نشانی ہے اور اس کے مقابلہ میں خود اپنے آداب و رسوم قدامت پرستی و پسماندگی کی علامت ہیں۔ ہر طرح کی بیماری کے علاج کے لئے چاہے وہ کتنی ہی معمولی اور ملک کے اندر قابل علاج کیوں نہ ہو باہر جانا اور اپنے ڈاکٹروں، طبیبوں اور دانشوروں کو مایوس کرنا ضروری ہے۔ برطانیہ، فرانس، امریکہ اور ماسکو کا سفر باعث فخر اور قابل قدر لیکن حج اور دیگر مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے سفر قدامت پرستی اور پسماندگی ہے۔ مذہب اور معنویات سے متعلق چیزوں کی بے احترامی روشن خیالی اور تمدن کی نشانی ہے اور اس کے مقابلہ میں ان چیزوں کا احترام اور ان سے وفاداری پسماندگی و قدامت پرستی کی علامت ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارے پاس سب کچھ موجود ہے، ظاہری بات ہے ہمیں ماضی قریب کی طویل تاریخ خاص طور سے ان آخری صدیوں میں ہر قسم کی ترقی سے محروم رکھا گیا ہے، پہلوی خاندان کے خائن حکمرانوں اور خاص طور سے تشہیراتی اداروں نے ملکی پیداوار کے خلاف پروپیگنڈے اور اپنے کو حقیر و ناچیز باور کرا کے ہمیں ہر قسم کی ترقی و کوشش سے محروم کر دیا۔ ملک کی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکانے کی غرض سے ہر قسم کی چیزوں کو در آمد کرنے کا دروازہ کھول دیا گیا۔ عورتوں، مردوں خصوصاً

جوان طبقہ کو باہر سے آئے ہوئے بناؤ سنگھار اور زینت و آرائش کے سامانوں نیز بچگانہ کھیلوں میں الجھا دیا گیا۔ زیادہ سے زیادہ مصرف کرنے کے سلسلہ میں خاندانوں کا مقابلہ اور انھیں صرف کھانے اور مصرف کرنے کا عادی بنانے کی غم انگیز داستان خود اپنی جگہ پر ایک المیہ ہے۔ جوان، جو معاشرہ کے فعال اور سرگرم رکن ہوتے ہیں انھیں فساد و فحشا اور عیاشی کے اڈے قائم کرکے تباہ کیا گیا، اسی طرح کی دسیوں منصوبہ بند مصیبتیں جن کا مقصد ملکوں کو ترقی سے روکنا ہے۔

میں ملت عزیز سے خادمانہ اور دلسوزانہ وصیت کرتا ہوں کہ اب جبکہ کافی حد تک ایسے بہت سے جالوں سے نجات مل چکی ہے اور موجودہ محروم نسل، محنت و کوشش اور ایجادات و اختراعات کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ بہت سے وہ کارخانے حتیٰ جدید ترین ہوائی جہاز کے پیچیدہ پرزے اور کچھ دوسری ایسی چیزیں جن کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاتا تھا کہ ایرانی ماہرین ان کی تعمیر کر سکتے ہیں اور انھیں چلا سکتے ہیں، ہم نے اپنے ہاتھ مشرق و مغرب کی طرف پھیلا رکھے تھے کہ ان کے ماہرین ہی ان چیزوں کو سنبھال سکتے ہیں اقتصادی ناکہ بندی اور ناخواستہ جنگ کے زیر اثر خود ہمارے ملک کے عزیز جوانوں نے احتیاج کو دیکھتے ہوئے ضروری پرزے بنائے اور دوسرے ملکوں سے کم قیمت پر انھیں پیش کرکے ملک کی ضروریات کو پورا کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ اگر ہم چاہیں تو یہ کام بھی کر سکتے ہیں۔ ہوشیار و بیدار اور چوکنے رہئے کہ مشرق و مغرب سے وابستہ سیاست باز، آپ کو اپنے شیطانی وسوسوں کے ذریعہ ان بین الاقوامی لٹیروں کی جانب موڑ نہ سکیں۔ اپنے مصمم ارادے اور پیہم کوشش و فعالیت کے ذریعہ غیروں پر انحصار اور وابستگی کی زنجیروں کو کاٹنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئیے اور یہ جان لیجئے کہ آریائی اور عرب نسل روسی، امریکی اور یورپی نسل سے کمتر نہیں ہے، اگر وہ اپنی "خودی" کو پالے اور مایوسی سے دامن چھڑا لے اور غیروں سے آس لگانا چھوڑ دے تو وہ دراز میں ہر چیز بنانے اور ہر کام کرنے کی توانائی اس میں موجود ہے۔ اور آپ ہی جیسے انسان جس درجہ تک پہونچے ہیں وہاں تک آپ بھی پہنچ سکتے ہیں، بس شرط یہ ہے کہ اللہ پر بھروسہ اور اپنے اوپر اعتماد کیجئے، دوسروں سے وابستگی کے رشتوں کو توڑ لیجئے، اغیار کی غلامی سے نجات پانے اور شریفانہ زندگی حاصل کرنے کے لئے تمام مشکلات کو تحمل و برداشت کیجئے۔

موجودہ اور آئندہ نسل کی حکومتوں اور اس کے ذمہ داروں پر فرض ہے کہ وہ اپنے ماہرین کی قدر کریں اور ان کی مادی و معنوی مدد کرکے ان کی حوصلہ افزائی اور انھیں سعی و کوشش پر آمادہ کریں اور خانہ برانداز و

مصرف ساز چیزوں کی درآمد پر پابندی لگا دیں اور جو کچھ ملک میں موجود ہے، اسی پر قناعت کریں یہاں تک خود ہر چیز بنانے لگیں۔

میں جوان لڑکوں اور لڑکیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ استقلال، آزادی اور انسانی اقدار کو عیاشی فسق و فجور، ترک بھڑک اور فساد و فحشا کے ان اڈوں میں حاضری پر قربان نہ کریں جن کی طرف مغربی ممالک اور ان کے وطن دشمن ایجنٹ تمہیں بلاتے ہیں، چاہے اس راہ میں تمہیں زحمت و مشقت ہی کیوں نہ برداشت کرنی پڑے کیونکہ جیسا کہ تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے ان کا واحد مقصد تمہیں تباہ و برباد کرنا، اپنے ملک کی سرنوشت سے غافل بنانا، تمہارے خزانوں کو لوٹنا، تمہیں استعمار اور وابستگی کی ذلت آمیز زنجیروں میں جکڑنا اور تمہارے ملک و ملت کو مصرفی بنانا ہے۔ یہ لوگ ان وسائل اور اسی طرح کی دوسری چیزوں کے ذریعہ تمہیں پسماندہ اور ان کی اپنی اصطلاح میں نیم وحشی باقی رکھنا چاہتے ہیں۔

۹۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے اور بارہا عرض کر چکا ہوں ان کی ایک بڑی سازش، تعلیم و تربیت کے مراکز خاص طور سے یونیورسٹیوں پر قبضہ جمانا ہے کیونکہ ملکوں کی تقدیریں ان ہی مراکز سے فارغ ہونے والوں کے ہاتھوں میں ہیں، علماء دین اور اسلامی علوم کے مدرسوں کے سلسلہ میں ان کی روش، اسکولوں اور یونیورسٹیوں سے متعلق ان کے طریقہ کار سے فرق رکھتی ہے۔ ان کا منصوبہ علماء دین کو راہ سے ہٹا کر انھیں گوشہ نشین بنانا ہے۔

(اس شیطانی منصوبہ کو جامہ عمل پہنانے کے لئے) کبھی سرکوبی، تشدد اور ہتک حرمت کو ذریعہ بنایا جاتا ہے جیسا کہ رضاخان کے دور میں ہوا لیکن اس کا نتیجہ الٹا برآمد ہوا۔ اور کبھی تعلیم یافتہ، روشن خیال طبقہ کو علماء سے دور کرنے کے لئے پروپیگنڈے سے، افترا پردازی اور شیطانی منصوبے کا سہارا لیا جاتا ہے۔ رضاخان کے زمانہ میں سرکوبی و تشدد کے ساتھ ساتھ اس نسخہ پر بھی عمل کیا گیا اور محمد رضا کے دور میں بھی اس روش کو جاری رکھا گیا جو تشدد سے عاری لیکن مکر و حیلہ سے لبریز تھی۔ یونیورسٹیوں کے سلسلہ میں ان کا منصوبہ یہ ہے کہ جوانوں کو اپنے اقدار اور ثقافت و ادب سے منحرف کر کے مشرق یا مغرب کی طرف موڑ دیں اور حکومتی کارکنوں کو ان ہی کے درمیان سے انتخاب کر کے ملکوں کی سرنوشت پر ان لوگوں کو مسلط کر دیں تاکہ ان کے ذریعہ سے (ملک میں) اپنی من مانی کرتے رہیں، یہ عناصر ملک کو تباہی اور مغرب پرستی کی طرف کھینچ لے جائیں اور علماء دین اپنی گوشہ نشینی، منفوریت اور شکست کے باعث انھیں لگام لگانے کے لائق نہ رہ جائیں۔ تحت اقتدار

ملکوں کو ترقی سے روکنے اور انھیں تباہ و برباد کرنے کا یہ بہترین طریقہ ہے کیونکہ کسی قسم کی زحمت و مشقت اخراجات اور قومی معاشروں میں اعتراض و احتجاج کے بغیر سارا سرمایہ بڑی طاقتوں کی جیب میں پہنچ جائے گا۔

لہٰذا آج جبکہ کالج اور یونیورسٹیوں کی اصلاح اور ان کی تطہیر ہو رہی ہے، ہم سب پر فرض ہے کہ ذمہ داروں کی مدد کریں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یونیورسٹیوں کو انحراف سے محفوظ کرلیں اور جہاں کہیں بھی انحراف نظر آئے فوری اور سریع اقدام کے ذریعہ اسے برطرف کرنے کی کوشش کریں اور یہ زندگی بخش عمل پہلے مرحلہ میں خود یونیورسٹیوں اور کالج کے جوان اپنے توانا بازوؤں سے انجام دیں کیونکہ انحراف سے یونیورسٹی کی نجات، ملک و ملت کی نجات ہے۔

میں پہلے مرحلہ میں تمام نوجوانوں اور جوانوں سے اور دوسرے مرحلہ میں ان کے والدین اور دوستوں سے اور تیسرے مرحلہ میں حکومت کے ذمہ داروں اور ملک کے خیر خواہ روشن خیالوں سے وصیت کرتا ہوں کہ اس اہم معاملہ میں جو آپ کے ملک کو خطرات سے محفوظ کرنے کا ذریعہ ہے۔ جان و دل سے کوشش کیجئے اور یونیورسٹیوں کو بعد کی نسلوں کے سپرد کیجئے اور یکے بعد دیگرے آنے والی تمام نسلوں سے وصیت کرتا ہوں کہ خود اپنی اور اپنے عزیز ملک اور انسان ساز اسلام کی نجات کے لئے یونیورسٹیوں کو مشرق و مغرب نوازی اور انحراف سے محفوظ و مصئون رکھئے اور اپنے اس اسلامی و انسانی عمل کے ذریعہ، اپنے ملک سے بڑی طاقتوں کے ہاتھوں کو قلم کر کے انھیں مایوس کر دیجئے۔ خدا آپ کی حفاظت و حمایت فرمائے۔

ذ۔ مجلس شوریٰ اسلامی (پارلیمنٹ) کے اراکین کا اپنے عہد و پیمان پر باقی رہنا بہت ہی اہم امور میں سے ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اسلام اور ملک ایران، مشروطیت کے بعد سے جرائم پیشہ پہلوی حکومت کے دور تک اور ہر زمانہ سے زیادہ خطرناک و بدتر اس فاسد اور اجباری حکومت کے دور میں، منحرف و غیر صالح مجلس شوریٰ کے ہاتھوں کتنی زیادہ غم انگیز مصیبتیں نازل ہوئی ہیں اور ان بے قدر و قیمت، اغیار کے ایجنٹ مجرموں کے ہاتھوں ملک و ملت کو کتنی جاں فرسا مصیبتیں اور نقصانات اٹھانے پڑے ہیں۔ ان پچاس برسوں میں، (پارلیمنٹ کی) ایک مظلوم اقلیت کے مقابلہ میں منحرف اور جھوٹی اکثریت کے باعث برطانیہ، روس اور بعد میں امریکہ نے جو کچھ بھی چاہا ان ہی خدا سے غافل منحرفوں کے ہاتھوں انجام دیا اور ملک کو تباہی و نابودی کے دہانے تک پہنچا دیا۔ مشروطہ کے بعد کبھی بھی دستور اساسی کے اہم دفعات پر عمل نہیں ہوا۔ چنانچہ رضاخان سے پہلے مٹھی بھر مغرب پرستوں، بڑے بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں کے ہاتھوں اور پہلوی

حکومت کے دور میں اس سفاک حکومت اور اس کے نمک خواروں اور چاپلوسوں کے ہاتھوں ملک کیسی کیسی خیانتوں سے دوچار ہوا۔

آج جبکہ پروردگار کی عنایت اور عظیم الشان ملت کی ہمت سے ملک کی تقدیر خود عوام کے ہاتھوں میں آگئی ہے اور پارلیمنٹ کے ممبران، حکومت اور جاگیرداروں کی دخالت کے بغیر خود عوام کے درمیان سے ان ہی کے ہاتھوں منتخب ہو کر اسلامی پارلیمنٹ میں پہنچے ہیں، امید ہے کہ اسلام اور ملک کے مفادات سے ان کی وفاداری کے پیش نظر ہر قسم کے انحراف کی روک تھام ہو سکے گی۔

آج اور مستقبل کے لئے، قوم سے میری وصیت یہ ہے کہ اپنے مصمم ارادہ، اسلامی احکام اور ملکی مفادات سے وفاداری کے ذریعہ، الیکشن کے ہر دور میں ان افراد کو پارلیمنٹ میں بھیجیں جو اسلام اور جمہوری اسلامی کے وفادار ہوں ـــ اور اس قسم کے افراد عام طور سے معاشرہ کے متوسط اور محروم طبقہ ہی میں ملتے ہیں۔ صراط مستقیم سے منحرف ہو کر مشرق و مغرب کی جانب مائل نہ ہوں، منحرف دبستانوں سے وابستگی نہ رکھتے ہوں، تعلیم یافتہ نیز اسلامی سیاستوں اور حالات حاضرہ سے باخبر ہوں۔

محترم علماء کی جماعت خاص طور سے عظیم الشان مراجع سے وصیت کرتا ہوں کہ معاشرہ کے مسائل خاص طور سے صدر جمہوریہ اور پارلیمنٹ کے اراکین کے انتخاب جیسے امور سے کنارہ کش اور لاتعلق نہ رہیں، آپ سب نے دیکھا اور آئندہ نسل بھی سنے گی کہ مشرق و مغرب کے پیرو سیاست بازوں نے ان علماء کو میدان سے باہر کر دیا جنھوں نے بڑی زحمت و مشقت سے "مشروطیت" کی بنیاد رکھی تھی اور علماء دین بھی ان سیاست بازوں کے دھوکے میں آکر ملک اور مسلمانوں کے مسائل میں حصہ لینے کو اپنی شان کے خلاف تصور کرنے لگے، اور میدان مغرب پرستوں کے حوالے کر کے مشروطیت، دستور اساسی، ملک اور اسلام کو اتنا بڑا نقصان پہنچایا جس کے جبران کے لئے ایک طویل مدت درکار ہے۔ آج جبکہ بحمد اللہ رکاوٹیں برطرف ہو چکی ہیں اور تمام طبقات کی مداخلت کے لئے آزاد فضا قائم ہو چکی ہے، کوئی عذر باقی نہیں رہا ہے۔ امور مسلمین کی طرف سے بے اعتنائی ناقابل معافی عظیم گناہوں سے ہے۔ ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ اپنی توانائی اور اثر و رسوخ کے مطابق اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرے۔ اور پوری سنجیدگی کے ساتھ دونوں سامراجی بلاکوں سے وابستہ افراد اور مشرق و مغرب پرست عنصر نیز اسلام کے عظیم دبستان سے منحرف اشخاص کے اثر و رسوخ کو روکنے کی کوشش کرے۔ یاد

رکھیں کہ اسلام اور اسلامی ممالک کی مخالف یہی بین الاقوامی لیٹری بڑی طاقتیں، رفتہ رفتہ ہمارے اور دیگر اسلامی ممالک میں بڑی باریک بینی کے ساتھ رخنہ اندازی کی کوشش کریں گی اور خود ان ہی ملکوں کے افراد کے ذریعہ قوموں کو اپنے استحصالی جال میں پھنسانے کی سعی کریں گی۔ لہٰذا پوری ہوشیاری کے ساتھ دیکھ بھال کرنی چاہئے اور رخنہ اندازی کے پہلے قدم کا احساس ہوتے ہی اس کے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہو جائیے اور انھیں مہلت نہ دیجئے۔ خدا آپ کی حفاظت اور مدد کرے۔

موجودہ اور آئندہ ادوار کی "مجلس شوریٰ اسلامی" (پارلیمنٹ) کے اراکین سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ کبھی منحرف عناصر، سازش وفریب کاری اور سیاسی کھیل کے ذریعہ عوام پر اپنی نمائندگی مسلط کردیں تو پارلیمنٹ کو چاہئے کہ وہ ان کے اعتبار نامہ (انتخاب) کو رد کر دیں اور اغیار سے وابستہ کسی بھی تخریب کار کو پارلیمنٹ میں گھسنے نہ دیں۔

ملک کی قانونی مذہبی اقلیتوں سے وصیت کرتا ہوں کہ پہلوی حکومت کے دور سے عبرت حاصل کریں اور پارلیمنٹ کے لئے ایسے نمائندے کا انتخاب کریں جو اپنے مذہب اور جمہوری اسلامی کا وفادار ہو، دنیا کو ہڑپنے والی طاقتوں سے وابستگی یا الحادی، انحرافی اور التقاطی مکاتب فکر سے وابستگی نہ رکھتا ہو۔ میں پارلیمنٹ کے تمام نمائندوں سے درخواست کرتا ہوں کہ پارلیمنٹ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ پوری حسن نیت اور اخوت کے ساتھ پیش آئیں اور سب مل جل کر کوشش کریں کہ خدانخواستہ قوانین، اسلام سے منحرف نہ ہونے پائیں۔ آپ سب، اسلام اور اس کے آسمانی احکام کے وفادار رہیں تاکہ دنیا و آخرت کی سعادت آپ کو نصیب ہو سکے۔

محترم "شورائے نگہبان" (دستور اساسی کی نگراں کمیٹی) سے درخواست اور وصیت کرتا ہوں کہ خواہ اس کا تعلق موجودہ نسل سے ہو یا آئندہ نسل سے پوری توجہ اور طاقت کے ساتھ اپنے ملی و اسلامی فریضہ پر عمل کریں اور کسی بھی طاقت سے متاثر نہ ہوں اور کسی قسم کی مروت کئے بغیر شریعت مطہرہ اور قانون اساسی کے خلاف قوانین کی روک تھام کریں اور ملک کی ضرورتوں کو، جو کبھی ثانوی احکام اور کبھی ولایت فقیہ کے ذریعہ حل کی جاتی ہیں، مدنظر رکھیں۔ اور اپنی شریف قوم سے میری وصیت یہ ہے کہ تمام انتخابات میں، چاہے وہ صدارت کا انتخاب ہو یا پارلیمنٹ کی نمائندگی کا درجات "شورائے رہبری" (یعنی قیادتی کونسل) یا رہبری (قائد) کی تعیین کے لئے خبرگان (مجتہدین

کی کونسل، کا الیکشن ہو، ہر موقع پر میدان میں موجود رہیں اور افراد کو انتخاب کرتے وقت ان قواعد و ضوابط کی رعایت کریں جنھیں (ممبر کے لئے) شرط مانا گیا ہے۔ مثلاً قائد یا قیادتی کونسل کی تعیین کے لئے انتخاب ہونے والے خبرگان (مجتہدین کی کونسل کے ممبران) کے سلسلہ میں متوجہ رہیں کہ اگر تسامح سے کام لیتے ہوئے خبرگان کو شرعی و قانونی معیار کے مطابق انتخاب نہ کیا تو ممکن ہے کہ اسلام اور ملک کو ایسے نقصانات سے دوچار ہونا پڑے جن کی تلافی ممکن نہ ہو۔ ایسی صورت میں خداوند عالم کے سامنے سب کے سب جواب دہ ہوں گے۔ اور یہی حال قوم کی عدم مداخلت اور کنارہ کشی کا ہے جس میں مراجع کرام اور بزرگ علماء سے لیکر تاجر، کسان، مزدور اور سرکاری ملازمین سبھی شامل ہیں، سب کے سب اسلام اور ملک کی تقدیر و سرنوشت کے جواب دہ ہیں، چاہے موجودہ کونسل کی بات ہو یا آئندہ نسلوں کی، اور شاید بعض حالات میں بے توجہی اور عدم مداخلت ایک ایسا گناہ ہو جو تمام گناہوں سے بڑا ہو۔ پس مرض کا علاج اس کے رونما ہونے سے پہلے ہی کرلینا چاہئے ورنہ معاملہ سب کے ہاتھوں سے نکل جائے گا اور یہ وہ حقیقت ہے جسے مشروطیت کے بعد آپنے اور ہم سب نے محسوس کرلیا ہے۔ اس سے بہتر اور برتر کوئی علاج نہیں ہے کہ پورے ملک کے عوام ان ذمہ داریوں کو جو ان کے سپرد کی گئی ہیں، دستور اساسی اور اسلامی قواعد و ضوابط کے مطابق انجام دیں۔ صدر جمہوریہ اور پارلیمنٹ کے اراکین کا انتخاب کرتے وقت ایسے ذمہ دار، روشن خیال اور تعلیم یافتہ افراد سے مشورہ کریں جو موجودہ حالات سے باخبر ہوں، استحصالی طاقتوں اور ملکوں سے وابستہ نہ ہوں، اسلام اور جمہوری اسلامی کے وفادار اور تقویٰ میں شہرت رکھتے ہوں۔ اسی طرح متقی اور جمہوری اسلامی کے وفادار علماء سے بھی مشورہ کریں۔ اور یاد رکھیں کہ صدر جمہوریہ اور پارلیمنٹ کے اراکین اس طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں جنھوں نے معاشرہ کے محروموں اور مستضعفوں کی محرومیت و مظلومیت کو لمس کیا ہو اور انھیں ان کی فلاح و بہبود کا خیال ہو۔ وہ سرمایہ دار و جاگیر دار یا عیش و عشرت اور لذت و شہوت میں غرق طبقہ سے تعلق نہ رکھتے ہوں کیونکہ ایسے لوگ بھوکوں اور غریبوں کی محرومیت اور ان کے رنج والم کی تلخی محسوس ہی نہیں کرسکتے۔ ہمیں یہ جان لینا چاہئے کہ اگر صدر جمہوریہ اور پارلیمنٹ کے اراکین، اسلام کے وفادار، ملک و ملت کے خیر خواہ اور صالح افراد ہوں تو بہت سی مشکلیں پیش ہی نہیں آئیں گی اور اگر کوئی مشکل ہو بھی تو وہ برطرف ہو جائے گی اور رہبر یا شورائے رہبری کے خصوصیات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کی تعیین کے لئے خبرگان کے انتخاب میں بھی ان ہی چیزوں کی رعایت کی جائے۔ اگر خبرگان ـــــ جنھیں عوام انتخاب کرتے

ہیں — پوری توجہ اور ہر دور کے مراجع عظام و علماء کرام نیز احساس ذمہ داری رکھنے والے دین دار دانشوروں کے مشورے سے مجلس خبرگان کے لئے چنے جائیں تو شورائے رہبری یا رہبری کے عہدہ کے لئے صالح ترین اور مومن ترین افراد تعیین کئے جانے کی وجہ سے بہت سے مشکلات پیش ہی نہیں آئیں گے یا نہایت خوبصورتی کے ساتھ برطرف ہو جائیں گے۔ دستور اساسی کی دفعہ ۱۰۹ اور دفعہ ۱۱۰ کے مطالعہ سے خبرگان کے انتخاب میں عوام اور رہبر یا شورائے رہبری کی تعیین میں نمائندوں کی سنگین ذمہ داری کا پتہ چلتا ہے کہ انتخاب میں ذراسی چوک اور لاپرواہی، اسلام، ملک اور جمہوری اسلامی کو کس قدر نقصان پہنچائے گی۔ چنانچہ اس کا احتمال بھی — جس کی اہمیت بہت زیادہ ہے — ان کے لئے الٰہی فریضہ ایجاد کر دیتا ہے۔

یہ زمانہ جو اسلام اور جمہوری اسلامی کی آڑ میں درحقیقت خود اسلام پر بڑی طاقتوں اور ان کے ملکی و غیر ملکی گماشتوں کے حملہ کا دور ہے لہٰذا اس عصر اور آئندہ ادوار میں رہبر یا شورائے رہبری سے میری وصیت یہ ہے کہ اپنے کو اسلام، جمہوری اسلامی اور محرومین و مستضعفین کی خدمت کے لئے وقف کر دیں، اور یہ خیال نہ کریں کہ بذات خود رہبری ان کے لئے کوئی تحفہ اور اعلیٰ منصب ہے، بلکہ وہ اتنا سنگین اور خطرناک فریضہ ہے کہ اگر خدانخواستہ اس فریضہ کی بجا آوری میں ہوا و ہوس کی بنیاد پر کوئی لغزش ہو جائے تو اس دنیا میں ابدی ننگ و عار کے علاوہ اس دنیا میں بھی خداوند قہار کی آتش غضب کا سامنا ہوگا۔ ہادی و منان خدا کی بارگاہ میں تضرع و زاری کے ساتھ دست بدعا ہوں کہ ہمیں اور آپ کو اس خطرناک امتحان میں سرخروئی کے ساتھ اپنے حضور میں قبول فرمائے اور نجات دلائے۔ یہی خطرہ کچھ تخفیف کے ساتھ موجودہ اور مستقبل کے صدر، کابینہ کے اراکین اور حکومت کے دیگر عہدیداروں کے لئے بھی ان کی ذمہ داریوں اور عہدوں کے لحاظ سے موجود ہے۔ لہٰذا انہیں چاہئے کہ خداوند عالم کو حاضر و ناظر جانیں اور اپنے کو اس کے مبارک حضور میں محسوس کریں۔ خداوند عالم ان سب کی مشکلات کو دور فرمائے۔

ح۔ ایک اور اہم مسئلہ، قضاوت کا مسئلہ ہے، جس کا سروکار عوام کی جان، مال اور ناموس سے ہے۔ رہبر اور شورائے رہبری سے میری وصیت یہ ہے کہ عدلیہ کے اعلیٰ ترین عہدہ داروں کو معین کرتے وقت — جس کے وہ ذمہ دار ہیں — ایسے افراد کو منصوب کرنے کی کوشش کریں جو اسلامی و ملی مسائل اور سیاست میں صاحب نظر ہوں، ذمہ داری کا احساس رکھتے ہوں اور پاک و صاف

حامی کے مالک ہوں۔ اعلیٰ عدالتی کونسل (شورائے عالی قضائی) سے بھی میرا تقاضا یہ ہے کہ قضاوت و عدالت کے مسئلہ ــ جس نے گزشتہ حکومت کے دور میں بڑی افسوسناک اور غم انگیز صورت حال اختیار کر لی تھی ــ پوری سنجیدگی کے ساتھ حل کریں اور اس اہم کرسی سے ان لوگوں کے ہاتھ کوتاہ کریں جو عوام کی جان و مال سے کھیلتے ہیں اور جس چیز کی ان کی نگاہوں میں کوئی اہمیت نہیں ہے وہ اسلامی عدل و انصاف ہے۔ پیہم کوششوں اور پوری توجہ کے ساتھ رفتہ رفتہ عدلیہ میں بنیادی تبدیلی لائیں اور جامع الشرائط قاضیوں کو ــ جو انشاء اللہ دینی تعلیم کے مراکز خاص کر "حوزۂ مبارکہ علمیہ قم" میں تربیت پاتے ہیں اور وہاں سے ان کی تصدیق کی جاتی ہے ــ ان قاضیوں کی جگہ منصوب کریں جو اسلام کے معین کردہ اصول و ضوابط پر پورے نہیں اترتے، تاکہ انشاء اللہ جلد ہی پورے ملک میں اسلامی عدالت و قضاوت کا دور دورہ ہو۔

عصر حاضر اور مستقبل کے محترم قاضیوں سے وصیت کرتا ہوں کہ قضاوت کی اہمیت کے بارے میں معصومین صلوات اللہ علیہم کی احادیث اور قضاوت میں موجود خطرات نیز بغیر حق قضاوت سے متعلق روایات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس اہم اور خطرناک عہدے کو قبول کریں اور اسے نا اہل ہاتھوں میں نہ جانے دیں، جو لوگ اس کے اہل ہیں اسے قبول کرنے سے گریز نہ کریں اور نا اہلوں کو میدان میں نہ آنے دیں۔ یاد رکھئے جس طرح سے اس عہدہ کا خطرہ عظیم ہے اسی طرح اس کا اجر و فضل و ثواب بھی عظیم ہے اور آپ سب جانتے ہیں کہ اس عہدہ کو قبول کرنا ان لوگوں پر واجب کفائی ہے جو اس کے اہل ہیں۔

ط۔ دینی علوم کے مقدس مراکز سے میری وصیت رہی ہے جسے میں بارہا عرض کر چکا ہوں کہ اس دور میں جبکہ اسلام اور جمہوری اسلامی کے مخالف، اسلام کو مٹانے پر کمربستہ ہیں اور ہر ممکن طریقہ سے اپنے اس شیطانی مقصد کو جامہ عمل پہنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کے منحوس مقاصد میں سے ایک بہت اہم، جو اسلام اور اسلامی تعلیمی مراکز کے لئے خطرناک ہے، وہ منحرف اور تباہ کار عناصر کو دینی تعلیمی مراکز میں داخل کرنا ہے جس کا فوری طور پر عظیم خطرہ ان کے برے اعمال و اخلاق اور منحرف روش کے ذریعہ ان تعلیمی مراکز کی بدنامی ہے۔ اور اس سے بڑا خطرہ، طویل مدت میں یہ ہے کہ یہی دھوکے باز عناصر اعلیٰ مدارج پر پہنچ جائیں اور اسلامی علوم سے واقفیت حاصل کر کے پاک دل عوام میں جگہ بنالیں اور انھیں اپنا گرویدہ بنا کر مناسب موقع پر ملک، اسلامی تعلیمی مراکز اور اسلام پر مہلک اور کاری ضرب

لگائیں۔ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ بڑی اور لیٹری طاقتیں مختلف معاشروں میں قوم پرستوں، جعلی روشن خیالوں اور عالم نماؤں کی شکل میں ــــ کہ اگر اس آخری طبقہ کو موقع مل جائے تو یہ سب سے زیادہ خطرناک ہو گا۔ مختلف بھیس کے ایجنٹ ذخیرہ کے طور پر رکھے رہتی ہیں اور یہ لوگ بعض اوقات تیس چالیس سال تک بڑے صبر و تحمل سے اسلامی روش اور تقدس مآبی یا قوم پرستی و پان ایرانیزم کے نعروں یا دوسرے حیلوں کے ساتھ عوام کے درمیان زندگی بسر کرتے ہیں اور مناسب موقعوں پر اپنا کام کر بیٹھے ہیں۔ ہماری قوم نے انقلاب کے بعد اس مختصر سی مدت میں "مجاہد خلق" "فدائی خلق" "تودہ" اور دوسرے بہت سے عنادین کے تحت اس قسم کے نمونے دیکھے ہیں۔ ضروری ہے کہ ہم سب پوری ہوشیاری کے ساتھ اس قسم کی سازشوں کو ناکام بنائیں۔ اور سب سے زیادہ ضروری دینی تعلیم کے مراکز ہیں جن کی تطہیر اور ان میں نظم و ضبط کا قیام، مراجع وقت کی تائید سے، محترم مدرسین اور درخشاں ماضی کے حامل افاضل کی ذمہ داری ہے۔ اور شاید یہ نظریہ کہ "ہمارا نظم بے نظمی میں ہے" ان ہی سازشیوں اور چال بازوں کی منحوس تلقینوں کا نتیجہ ہو۔

بہر صورت میری وصیت یہ ہے کہ ہر زمانہ میں خاص طور سے اس زمانہ میں جبکہ دشمن کی چالوں اور سازشوں میں تیزی و قوت آگئی ہے، دینی تعلیم کے مراکز (حوزہ) کو منظم بنانا لازم و ضروری ہے، عظیم الشان افاضل، مدرسین اور علما اپنا وقت صرف کر کے صحیح اور جامع و کامل منصوبہ بنا کر دینی تعلیمی مراکز خاص طور سے حوزہ علمیہ قم اور دیگر بڑے اور اہم مراکز کی اس نازک دور میں خطرات سے حفاظت کریں۔

ضروری ہے کہ محترم علما و مدرسین، فقاہت سے مربوط دروس اور فقہی و اصولی مدرسوں میں اپنے محترم بزرگوں کی روش سے انحراف نہ آنے دیں کیونکہ اسلامی فقہ کو محفوظ رکھنے کا یہی واحد راستہ ہے۔ اور کوشش کریں کہ نظریات، تخلیقات، تحقیقات، بحث و گفتگو اور دقت نظر میں دن بہ دن اضافہ ہوتا رہے۔ اور "فقہ سنتی" جو سلف صالح کا ورثہ ہے اور جس سے انحراف، تحقیق و تدقیق کے ستونوں کو کمزور کر دے گا۔ اس کی حفاظت کی جائے اور تحقیقات پر تحقیقات کا اضافہ ہوتا رہے البتہ اسلام اور ملک کے ضروریات کے پیش نظر علم کے دوسرے شعبوں کے لئے بھی منصوبہ تیار کیا جائے اور ان موضوعات کے ماہرین بھی تربیت کئے جائیں اور اعلیٰ ترین و والا ترین علم جس کا سیکھنا سب کے لئے ضروری ہے وہ اسلام کے معنوی علوم ہیں جیسے علم اخلاق، تہذیب نفس اور سیر و سلوک الی اللہ ــــ رزقنا اللہ وایاکم ــــ جو جہاد اکبر ہے۔

ی۔ جن چیزوں کی اصلاح، تطہیر اور دیکھ بھال ضروری ہے ان میں سے ایک مجریہ و انتظامیہ ہے۔ بعض اوقات ممکن ہے کہ پارلیمنٹ معاشرہ کے لئے مفید و ترقی یافتہ قانون پاس کرے، شورائے نگہبان اس کی توثیق کر دے اور ذمہ دار وزیر نفاذ کے لئے اس کا اعلان بھی کر دے لیکن جب نالائق افسروں کے ہاتھ میں آئے تو وہ اسے مسخ کر دیں اور قانون کے خلاف یا دفتری پیچ و خم کے ذریعہ جس کے وہ عادی بن چکے ہیں اور یا جان بوجھ کر عوام کو پریشان کرنے کی غرض سے غلط اقدام کر کے رفتہ رفتہ اپنی کوتاہیوں سے ہنگامہ بپا کروا دیں۔

عصر حاضر اور آئندہ زمانوں میں، ذمہ دار وزیروں سے میری وصیت یہ ہے کہ "اس سے قطع نظر کہ آپ لوگ اور وزارت خانوں کے دوسرے کارکن جس بجٹ سے اپنی زندگی کے مصارف پورے کرتے ہیں وہ ملت کا مال ہے اور آپ سب کو ملت، خاص طور سے مستضعفین کا خدمت گزار ہونا چاہئے اور عوام کیلئے زحمت کے اسباب فراہم کرنا اور فریضہ کے خلاف عمل کرنا حرام ہے اور بعض اوقات — خدا نخواستہ — غضب الٰہی کا باعث ہوتا ہے۔" آپ سب عوام کی حمایت کے محتاج ہیں، عوام اور خاص طور سے محروم طبقوں کی حمایت ہی سے ہمیں کامیابی حاصل ہوئی اور ملک اور اس کے قدرتی ذخائر سے ستم شاہی کے ہاتھ قلم ہوئے ہیں۔ اگر کسی دن ان کی حمایت سے محروم ہو گئے تو آپ لوگوں کو ان منصبوں سے ہٹا دیا جائے گا اور آپ کے بجائے ظالم شہنشاہی حکومت کی طرح کے ظالم و ستمگر افراد ان عہدوں پر قابض ہو جائیں گے۔

لہٰذا اس واضح اور قابل لمس حقیقت کے پیش نظر عوام کو خوش رکھنے کی کوشش کیجئے اور غیر اسلامی و غیر انسانی اعمال سے اجتناب کیجئے۔ اسی مقصد کے پیش نظر آئندہ آنے والے تمام وزراء داخلہ سے وصیت کرتا ہوں کہ وہ گورنروں کے انتخاب میں پوری توجہ اور دقت نظر سے کام لیں۔ احساس ذمہ داری رکھنے والے دین دار، لائق، عاقل اور عوام سے مفاہمت رکھنے والے افراد کا انتخاب کریں تاکہ ملک میں زیادہ سے زیادہ امن و امان اور سکون و اطمینان کی فضا قائم ہو سکے۔ اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اگرچہ تمام وزارت خانوں کے وزراء ملک کو اسلامی بنانے اور اپنی ذمہ داری سے متعلق مقامات کو منظم کرنے کے ذمہ دار ہیں لیکن بعض وزارتیں کچھ مخصوص اہمیت کی حامل ہیں جیسے وزارت خارجہ، جو ملک سے باہر سفارت خانوں کی ذمہ دار ہے۔ میں نے انقلاب کی کامیابی کے آغاز ہی سے تمام وزراء خارجہ سے، سفارت خانوں کی طاغوتیت اور انھیں جمہوری اسلامی کے شایان شان سفارت خانوں میں

تبدیل کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ لیکن بعض وزراء نے یا کوئی مثبت عمل انجام دینا ہی نہیں چاہا اور یا وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ آج جبکہ انقلاب کی کامیابی کو تین سال گزر چکے ہیں (ابھی تک کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی ہے) اگرچہ موجودہ وزیر خارجہ نے اس سلسلہ میں اقدامات کئے ہیں اور امید ہے کہ ثبات قدم اور صرف دقت سے یہ اہم کام انجام پا جائے گا۔

اس زمانہ اور آئندہ دور میں وزراء خارجہ سے میری وصیت یہ ہے کہ آپ کی ذمہ داری بہت زیادہ ہے، خواہ وزارت خارجہ اور سفارت خانوں کی اصلاح و تبدیلی کے سلسلہ میں اور خواہ خارجی سیاست، ملک کے مفاد اور آزادی کے تحفظ اور ان ممالک سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے سلسلہ میں جو ہمارے ملک کے اندر مداخلت کا ارادہ نہیں رکھتے ہیں۔ ہر اس عمل سے قطعی طور پر پرہیز کیجئے جس میں وابستگی کا ــ اس کے تمام جہات کو مد نظر رکھتے ہوئے ــ ذرہ برابر بھی شبہ ہو۔ اور یقین جانئے کہ وابستگی ــ اگرچہ بعض امور میں ممکن ہے کہ اس کا ظاہر پر فریب ہو یا فی الوقت اس سے فائدہ حاصل ہوتا ہو لیکن آخر کار ــ ملک کی بنیادوں کو منہدم کر دے گی، اسلامی ملکوں سے تعلقات قائم کرنے اور حکمرانوں کو بیدار کرنے کی کوشش کیجئے نیز انھیں وحدت و اتحاد کی دعوت دیجئے، خدا آپ کے ہمراہ ہے۔

اسلامی ممالک کے عوام سے میری وصیت ہے کہ آپ اس انتظار میں نہ رہیں کہ کوئی باہر سے آکر اسلام اور اسلامی احکام کے نفاذ کے سلسلہ میں آپ کے مقاصد میں آپ کی مدد کرے۔ آپ خود اس حیات بخش عمل کے لئے جو آزادی و استقلال کو اپنے ہمراہ لاتا ہے، اقدام کیجئے۔ اسلامی ممالک کے علمائے اعلام اور خطبائے کرام کا فریضہ ہے کہ وہ حکومتوں کو بڑی طاقتوں کی غلامی سے آزاد ہونے اور اپنی قوم سے مفاہمت کرنے کی دعوت دیں۔ اس صورت میں کامیابی ان کے قدم چومے گی۔ قوموں کو اتحاد کی دعوت دیں اور نسلی امتیاز سے ــ جو اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی ہے ــ پرہیز کریں۔ وہ جس ملک کے باشندے اور جس نسل سے تعلق رکھتے ہوں، اپنے ایرانی بھائیوں کی طرف اخوت و برادری کا ہاتھ بڑھائیں کیونکہ عظیم اسلام نے انھیں ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے۔ اگر خداوند متعال کی تائید، نیز حکومتوں اور قوموں کی ہمت سے یہ ایمانی اخوت قائم ہو گئی تو آپ دیکھیں گے کہ مسلمین دنیا کی سب سے بڑی طاقت تشکیل دیں گے۔ اس دن کی امید میں جب پروردگار عالم کی مشیت سے یہ اخوت و مساوات برقرار ہو جائے

وزارت ارشاد سے تمام زمانوں میں خاص طور سے اس دور میں جو ایک خاص اہمیت کا حامل ہے، میری

وصیت یہ ہے کہ باطل کے مقابلہ میں حق کی تبلیغ اور جمہوری اسلامی کے حقیقی چہرہ کو نمایاں کرنے کی کوشش کریں ۔ آج اس دور میں جب ہم اپنے ملک سے بڑی طاقتوں کے ہاتھ کو تاہ کر چکے ہیں بڑی طاقتوں سے وابستہ تمام ذرائع ابلاغ کے حملوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں ۔ بڑی طاقتوں سے وابستہ مقرروں اور مصنفوں نے اس نومولود جمہوری اسلامی پر کیسے کیسے جھوٹے الزام لگائے ہیں اور لگا رہے ہیں ! افسوس تو یہ ہے کہ اسلامی علاقہ کی اکثر حکومتیں جنھیں اسلامی حکم کے مطابق ہم سے اخوت و برادری کا رشتہ قائم کرنا چاہئے تھا ہم سے اور اسلام سے عداوت و دشمنی پر تلی ہوئی ہیں اور عالمی لٹیروں کی خوشنودی کے لئے ہر طرف سے ہم پر حملہ کر رہی ہیں ۔ ہماری تبلیغی طاقت بہت کمزور و ناتواں ہے ۔ آپ کو معلوم ہے کہ آج دنیا پروپگنڈہ کے زور پر چل رہی ہے اور انتہائی افسوس کی بات ہے کہ نام نہاد روشن خیال افراد جو دونوں بلاکوں میں سے کسی ایک سے لگاؤ رکھتے ہیں بجائے اس کے کہ اپنے ملک و ملت کی آزادی و استقلال کی فکر میں رہیں ، خود غرضی اجارہ داری اور ابن الوقتی نھیں اجازت ہی نہیں دیتی کہ ایک لحظہ کے لئے سوچیں اور اپنے ملک و ملت کے مفادات کی طرف توجہ دیں اور اس جمہوری (اسلامی) میں پائی جانے والی آزادی و استقلال کا گزشتہ ظالم وستمگر حکومت سے موازنہ کریں اور عیش و عشرت سے محرومیت کے ساتھ موجودہ شریفانہ زندگی کو گزشتہ حکومت سے ملنے والی سہولتوں کے ہمراہ ظلم و فحشا کی کانوں اور فسق و فجور کے جراثیموں کی مداحی و ثناخوانی اور وابستگی و غلامی سے ملا کر دیکھیں اور پرکھیں اور پھر اس نومولود جمہوری پر ناروا تہمتیں لگانے سے باز آجائیں اور حکومت و ملت کے ہمراہ ایک صف میں کھڑے ہو کر اپنے قلم اور زبان طاغوتیوں اور ظالموں کے خلاف استعمال کریں ۔ تبلیغ ، صرف وزارت ارشاد کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ تمام دانشوروں مقرروں ، مصنفوں اور فنکاروں کا فریضہ ہے ۔ وزارت خارجہ کو کوشش کرنی چاہئے کہ اس کی سفارتیں تبلیغی لٹریچر منتشر کریں اور دنیا کے سامنے اسلام کا نورانی چہرہ پیش کریں ۔ اگر یہ چہرہ اس جمالِ جمیل کے ہمراہ — جس کی طرف قرآن و سنت نے تمام جہات میں دعوت دی ہے — کج فہم دوستوں اور اسلام مخالفوں کی نقاب کے پیچھے سے سامنے آجائے تو اسلام عالمگیر ہو جائے گا ۔ اور اس کا پر افتخار پرچم پوری دنیا میں لہرانے لگے گا ۔ کتنی غم انگیز اور مصیبت بار ہے یہ بات کہ مسلمانوں کے پاس ایک ایسی متاع ہو جس کی آغاز کائنات سے قیامت تک کوئی نظیر نہیں ہے لیکن وہ اس گراں بہا گوہر کو جس کا ہر انسان اپنی آزاد فطرت کی بنیاد پر طالب ہے ، پیش نہ کر سکیں بلکہ وہ خود بھی اس سے غافل و

ناواقف ہیں اور بعض اوقات اس سے گریزاں ہیں۔

ک۔ انتہائی اہم اور سرنوشت ساز مسائل میں سے ایک، ابتدائی درجے سے یونیورسٹی تک کے تعلیمی و تربیتی مراکز کا مسئلہ ہے۔ چنانچہ اس کی غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر دوبارہ اس کی طرف توجہ دلا رہا ہوں اور بطور اشارہ کچھ بیان کر کے گزر جاؤں گا۔ ایران کی غارت شدہ قوم کو یہ جان لینا چاہئے کہ اس آخری نصف صدی میں ایران اور اسلام پر جس چیز نے مہلک ضرب لگائی ہے۔ اس کا اصل حصہ یونیورسٹیوں سے متعلق رہا ہے۔ اگر یونیورسٹیاں اور دوسرے تعلیمی مراکز میں اسلامی اور قومی منصوبوں کے مطابق ملکی مفادات کو مد نظر رکھ کر بچوں، نوجوانوں اور جوانوں کو تعلیم و تہذیب کے زیور سے آراستہ کیا جاتا تو ہمارا ملک، برطانیہ اور اس کے بعد امریکہ و روس کی حلق میں ہرگز نہ پہنچتا اور خانہ برانداز معاہدے محروم و غارت شدہ قوم پر ہرگز نہ لادے جاتے، ایران تک غیر ملکی مشیروں کے قدم ہرگز نہ پہنچتے، اس ستم رسیدہ قوم کے قدرتی ذخائر اور کالا سونا (تیل) شیطانی طاقتوں کی جیب میں ہرگز نہ انڈیلا جاتا، پہلوی خاندان اور اس سے وابستہ افراد کو ہرگز یہ فرصت نہ ملتی کہ وہ ملت کے خزانہ کو لوٹ کر ملک کے اندر اور باہر مظلوموں کی لاشوں کے اوپر بلڈنگیں اور پارک بنائیں، اور ان مظلوموں کی پونجی سے غیر ملکی بینکوں کو بھر کر اپنی اور اپنے حلقہ بگوشوں کی عیاشی و بیہودگی پر صرف کریں۔ اگر حکومت، پارلیمنٹ، عدلیہ اور دوسرے ادارات کا سرچشمہ اسلامی و قومی یونیورسٹیاں ہوتیں تو آج ہماری قوم خانہ برانداز مشکلات میں گرفتار نہ ہوتی۔ اگر پاک دامن شخصیتیں صحیح معنوں میں ــــ نہ کہ ان معنوں میں جنھیں آج اسلام کے مقابلہ میں پیش کیا جاتا ہے ــــ قومی و اسلامی جذبات کے ہمراہ یونیورسٹیوں سے فارغ التحصیل ہو کر تینوں طاقتوں (مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ) کے مراکز تک پہنچتیں تو آج ہمارا حال کچھ اور ہی ہوتا۔ ہمارے ملک کی صورت حال بدلی ہوئی ہوتی ہمارے محروم عوام محرومیت کی زنجیروں سے آزاد ہوتے، ستم شاہی اور ظلم کی بساط الٹ ہو چکی ہوتی، عیاشی، فسق و فجور اور منشیات کے اڈے ــــ جو قیمتی اور فعال جوان نسل کو تباہ کرنے کے لئے کافی ہیں ــــ منتہکے ہوتے اور ملک و ملت کو تباہ کرنے والا یہ ورثہ قوم کے حصہ میں نہ آتا۔ اگر یونیورسٹیاں اسلامی، انسانی اور قومی ہوتیں، تو سیکڑوں اور ہزاروں مدرس و معلم معاشرہ کے حوالے کر سکتی تھیں لیکن کتنی غم انگیز اور افسوسناک ہے یہ بات کہ اسکول اور یونیورسٹیاں ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں تھیں اور ہمارے عزیز جوان ان لوگوں کے ہاتھوں تربیت پا رہے تھے جن میں ایک مظلوم و محروم اقلیت کے سوا سب مشرق نواز

مغرب پرست تھے اور (سامراج کے بنائے ہوئے) منصوبہ کے تحت انھیں، یونیورسٹیوں میں (استادی کی) کرسی دی گئی تھی، اور مجبوراً ہمارے مظلوم و عزیز نوجوان، بڑی طاقتوں سے وابستہ ان ہی بھیڑیوں (کے) دامن میں پرورش پاکر قانون سازی، حکومت اور قضاوت کے عہدوں پر فائز ہوتے تھے اور ان کے یعنی ظالم پہلوی حکومت کے احکام و فرامین کے مطابق کام کرتے تھے۔

اب — بحمد اللہ تعالیٰ — جبکہ یونیورسٹی، مجرموں کے چنگل سے آزاد ہو چکی ہے۔ حکومت جمہوری اسلامی اور ملت کا فریضہ ہے کہ وہ کسی بھی زمانہ میں انحرافی دبستانوں سے وابستہ یا مغرب و مشرق کے دلدادہ افراد کو یونیورسٹیوں اور تعلیم و تربیت کے دوسرے مراکز میں نہ گھسنے دیں اور پہلے ہی قدم پر انھیں روک دیں تاکہ بعد میں کوئی مشکل پیش نہ آنے پائے اور کنٹرول ان کے ہاتھ سے نہ نکل سکے۔ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے عزیز جوانوں سے میری وصیت یہ ہے کہ وہ ان انحرافات کو مٹانے کے لئے خود ہی شجاعانہ اقدام کریں تاکہ ان کی اور ان کے ملک و ملت کی آزادی و استقلال محفوظ رہے۔

ل۔ فوج، سپاہ، سرحدی فورس، پولیس، انقلابی گارڈس، بسیج اور قبائل پر مشتمل مسلح فورس خاص اہمیت کی حامل ہے ان لوگوں پر — جو جمہوری اسلامی کے قوی و توانا بازو اور سرحدوں، راستوں، شہروں اور دیہاتوں کے محافظ، قوم کو سکون و اطمینان بخشنے والے اور ان کی امنیت و سلامتی کے محافظ ہیں — ملت، حکومت اور پارلیمنٹ کو خصوصی توجہ دینی چاہئے۔ کیونکہ آج دنیا میں بڑی طاقتیں اور تخریب کار سیاستیں، سب سے زیادہ جس چیز اور جس گروہ سے فائدہ اٹھاتی ہیں وہ یہی مسلح طاقتیں ہیں۔ یہ مسلح طاقتیں ہی ہیں جن کے ہاتھوں سے سیاسی چالوں کے ذریعہ کودتا اور حکومتوں کا تختہ پلٹنے کا کام لیا جاتا ہے۔ عیار و مکار مفاد پرست ان کے بعض کمانڈروں کو خرید لیتے ہیں اور ان کے ہاتھوں نیز فریب خوردہ کمانڈروں کی سازشوں کے ذریعہ ملکوں پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ اور مظلوم قوموں پر اپنا اقتدار جما کر ملکوں کی آزادی و استقلال کو چھین لیتے ہیں۔ اگر پاک دامن کمانڈر مسلح طاقتوں کے سربراہ ہوں تو ملک دشمنوں کے لئے کودتا یا کسی ملک پر قبضہ کر لینے کا امکان نہیں رہ جاتا۔ اور اگر کبھی کوئی ایسا موقع آ بھی جائے تو احساس ذمہ داری رکھنے والے باوفا کمانڈر اسے ناکام بنا دیں گے۔

ایران میں بھی قوم کے ہاتھوں اس دور کا جو معجزہ رونما ہوا اس میں مومن مسلح افواج اور وطن دوست، پاک نفس کمانڈروں نے اہم رول ادا کیا ہے۔ آج جبکہ امریکہ اور تمام بڑی طاقتوں

کے حکم اور مدد سے صدام تکریتی کی جانب سے مسلط کی گئی منحوس جنگ، تقریباً دو سال گزر جانے کے بعد بعث پارٹی کی جارح فوج نیز اس کے طاقتور مددگاروں اور حلقہ بگوشوں کی سیاسی و عسکری شکست و ناکامی سے روبرو ہے یہاں بھی نظامی و انتظامی، سپاہی و عوامی طاقتوں پر مشتمل مسلح فورسز نے محاذ جنگ پر اور اس کے پیچھے عوام کی بے دریغ امداد کے سہارے یہ عظیم اور لائق فخر کارنامہ دکھا کر ایران کو سربلند کر دیا ہے اور مغرب و مشرق سے وابستہ کٹھ پتلیوں کے ہاتھوں جمہوری اسلامی کا تختہ پلٹنے والی داخلی سازشوں اور شرارتوں کو غیرت مند قوم کی مدد سے پولیس، بسیج، پاسدار اور انقلابی گارڈ کے جوانوں کے توانا بازوؤں نے ناکام بنا دیا ہے۔ یہی عزیز و جاں نثار جوان ہیں جو راتوں کو جاگ کر خاندانوں کے سکون و اطمینان کے ساتھ سونے کے اسباب فراہم کرتے ہیں۔ خدا ان کی نصرت و مدد فرمائے۔

پس زندگی کے آخری لمحات میں مسلح افواج سے بطور عموم میری برادرانہ وصیت یہ ہے کہ اے عزیزو! تم جو اسلام سے عشق رکھتے ہو اور لقاء اللہ کے عشق میں محاذوں پر اور ملک کے اندر ایثار و فداکاری کے ساتھ یہ اپنے گراں قدر کام انجام دے رہے ہو۔ ہوشیار و بیدار رہو کہ سیاسی بازیگروں، مغرب و مشرق سے وابستہ پیشہ ور سیاست کاروں اور پس پردہ مجرموں کے مرموز ہاتھوں کے مجرمانہ و خائنانہ اسلحوں کی تیز دھار ہر طرف سے اور ہر گروہ سے زیادہ تم عزیزوں کی طرف ہے۔ تم ہی عزیزوں نے اپنی جانیں قربان کر کے انقلاب کو کامیاب اور اسلام کو زندہ کیا ہے اور وہ تمہارے ہی ذریعے جمہوری اسلامی کا تختہ پلٹنا چاہتے ہیں۔ وہ تمہیں اسلام اور ملک و ملت کی خدمت کے نام پر اسلام اور ملت سے جدا کر کے، دنیا کے دو لٹیرے بلاکوں میں سے کسی ایک کے دامن میں ڈال کر سیاسی چالوں نیز بظاہر اسلامی و قومی نعروں کے ذریعہ تمہاری زحمتوں اور قربانیوں پر پانی پھیرنا چاہتے ہیں۔

مسلح طاقتوں سے میری تاکیدی وصیت یہ ہے کہ جس طرح عسکری قوانین نے فوجیوں کو سیاسی پارٹیوں اور جماعتوں میں شامل ہونے سے روکا ہے اسی طرح وہ اس پر عمل کریں، مسلح طاقتیں قطعی طور پر ــــ چاہے ان کا تعلق فوج سے ہو یا انتظامی تنظیموں سے، پاسدار ہوں یا بسیجی وغیرہ ــــ کسی بھی پارٹی یا جماعت میں شامل نہ ہوں اور خود کو سیاسی کھیلوں سے دور رکھیں۔ اس صورت میں وہ اپنی عسکری طاقت کو برقرار رکھ سکتے ہیں اور اندرونی اختلافات سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ کمانڈروں پر واجب ہے کہ وہ اپنے تابع فرمان افراد کو پارٹیوں میں شامل ہونے سے روکیں۔

اور چونکہ انقلاب پوری قوم سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی حفاظت سب پر واجب ہے۔ لہٰذا حکومت، ملت، دفاعی کونسل اور مجلس شوریٰ اسلامی سب کا شرعی و ملی فریضہ ہے کہ اگر مسلح افواج ــ چاہے وہ کمانڈر ہوں یا عام سپاہی یا اعلیٰ عہدیدار ــ اسلام اور ملک کے مفادات کے خلاف کوئی اقدام کرنا چاہیں یا سیاسی پارٹیوں میں شامل ہونا چاہیں ــ کہ اس صورت میں یقیناً وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ یا سیاسی کھیل میں حصہ لینا چاہیں تو پہلے ہی قدم پر ان کی مخالفت کریں اور رہبر و شورائے رہبری پر واجب ہے کہ پوری قاطعیت کے ساتھ اس کی روک تھام کریں تاکہ ملک خطرات سے محفوظ رہے۔

میں اس خاکی زندگی کے اختتام میں تمام مسلح افواج سے مشفقانہ وصیت کرتا ہوں کہ اسلام حریت و استقلال کا واحد مکتب ہے اور خداوند عالم اسی کے نور ہدایت کے ذریعہ سب کو اعلیٰ انسانی مدارج کی طرف دعوت دیتا ہے، چنانچہ جس طرح آج تم اسلام کے وفادار ہو اسی طرح اپنی وفاداری پر ثابت قدم رہو کیونکہ اسلام تمھیں اور تمہارے ملک و ملت کو ان طاقتوں کی غلامی و وابستگی سے نجات دلاتا ہے جن کا واحد مقصد تمھیں غلام اور تمھارے عزیز ملک و ملت کو پسماندہ اور مصرفی منڈی بنانا نیز ظلم و ستم کے ذلت آمیز بوجھ تلے دبائے رکھنا ہے۔ انسانی اور شریفانہ زندگی کو ــ حتی مشکلات کے باوجود ــ اغیار کی غلامی کی ذلت آمیز زندگی پر ــ حیوانی رفاہ و سہولیات کے ہوتے ہوئے بھی ــ ترجیح دو۔ اور جان لو کہ جب تک ترقی یافتہ صنعتوں کی ضرورت کے سلسلہ میں اپنے ہاتھ دوسروں کے سامنے پھیلاتے رہو گے اور گدائی و دریوزگی میں بسر کرتے رہو گے، ایجادات و اختراعات کی صلاحیت تمھارے اندر بیدار نہ ہو سکے گی۔ تم نے خود اپنی آنکھوں سے اچھی طرح دیکھ لیا ہے کہ اقتصادی ناکہ بندی کے بعد وہی لوگ جو خود کو چھوٹی سے چھوٹی چیز بنانے سے ناتواں سمجھتے تھے اور کارخانے چلانے کے سلسلہ میں ان کو مایوس کیا جا رہا تھا جب انھوں نے اپنی فکر و ذہن سے کام لیا تو فوج اور کارخانوں کی بہت سی ضروریات کو انھوں نے خود ہی برطرف کر دیا۔ یہ جنگ، اقتصادی ناکہ بندی اور غیر ملکی ماہرین کا اخراج ایک الٰہی تحفہ تھا جس سے ہم غافل تھے۔ آج اگر خود فوج اور حکومت عالمی لٹیروں کے مصنوعات کا بائیکاٹ کر کے ایجادات و اختراعات کے سلسلہ میں اپنی سعی و کوشش میں اضافہ کرے تو امید ہے کہ ملک خود کفیل ہو جائے گا اور دشمن کے آگے ہاتھ پھیلانے سے نجات مل جائے گی۔

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے اور یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اتنی ساری مصنوعی پسماندگی کے بعد

ہم دوسرے ممالک کی بڑی صنعتوں کے محتاج ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم ترقی یافتہ علوم میں کسی ایک بلاک سے وابستہ ہو جائیں۔ فوج اور حکومت کو کوشش کرنی چاہئے کہ مومن اور احساس ذمہ داری رکھنے والے طلبا کو ان ممالک میں بھیجیں جو ترقی یافتہ بڑی صنعتوں کے مالک ہیں اور استعماری و استحصالی بھی نہیں ہیں۔ طلباء کو امریکہ روس اور ان دو بلاکوں کے راستہ پر چلنے والے ملکوں میں بھیجنے سے گریز کریں مگر یہ کہ وہ دن آجائے جب یہ دونوں طاقتیں اپنی غلطیوں سے واقف ہو کر دوسروں کے حقوق کے احترام انسان دوستی اور انسانیت کے راستہ پر گامزن ہو جائیں یا یہ کہ انشاء اللہ مستضعفین عالم بیدار قومیں اور باوفا و ذمہ دار مسلمان انھیں ان کے خانے میں لا بٹھائیں، اس دن کی امید کے ساتھ۔

م۔ ریڈیو ٹیلی ویژن، اخبارات، سینما اور تھیٹر، ملتوں اور خاص کر جوان نسل کو تباہ و بے حس کرنے کا موثر حربہ رہے ہیں۔ اس آخری صدی خاص طور سے اس کے نصف دوم میں ان ذرائع سے کیسے کیسے عظیم شیطانی منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا گیا ہے، خواہ اس کا تعلق اسلام اور خدمت گزار علماء دین کے خلاف پروپیگنڈہ سے رہا ہو یا مغربی و مشرقی سامراجوں کی پبلسٹی سے۔ ان ذرائع کو اپنے مصنوعات خاص طور سے بناؤ سنگھار اور فیشن کی چیزوں کی منڈی بنانے، (اپنے طرز کی) عمارتوں اور ان کے ڈیکوریشن کی نقل اتروانے اور کھانے پینے کی چیزوں نیز ان کے لینے انداز کی تقلید کروانے کے لئے ستعمال کیا جاتا تھا یہاں تک کہ بات چیت، نشست برخاست غرض زندگی کے ہر شعبہ میں یورپی طرز کو اپنانا اور فرنگی مآب بننا بڑے فخر کی بات سمجھی جانے لگی تھی خاص طور سے مالدار یا نیم مالدار عورتیں (اس بیماری میں زیادہ مبتلا تھیں)۔ بات چیت کا انداز اور تحریر و تقریر میں یورپی الفاظ کا استعمال کچھ اس طرح تھا جس کا سمجھنا عام آدمیوں کے لئے ناممکن اور خود ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں کے لئے بھی مشکل تھا۔ ٹیلی ویژن پر دکھائی جانے والی فلمیں مشرق یا مغرب کی بنائی ہوئی ہوتی تھیں جو جوان مردوں اور عورتوں کو عام زندگی کی ڈگر اور علم و دانش، محنت و صنعت اور پیداوار سے منحرف کر کے خود اپنے اور اپنی شخصیت سے بے خبر بنا دیتی تھیں نیز اپنے ملک، اپنی ہر چیز حتی اپنی ثقافت و ادب اور ان گراں قدر آثار و تخلیقات سے بھی بدگمان کر دیتی تھیں جن کا ایک بڑا حصہ مفاد پرست خائنوں کے ذریعہ ملک سے نکل کر مشرق و مغرب کی میوزیم اور کتب خانوں میں پہنچ چکا ہے۔ گندے رسالے افسوسناک مقالے شرمناک تصویریں اور اخبارات اپنے اسلام دشمن اور ثقافت مخالف مقالے چھاپ کر بڑے فخر کے ساتھ عوام اور خاص طور سے

باثر جوان طبقہ کو مشرق و مغرب کی طرف ہنکا رہے تھے۔ اس میں مزید اضافہ کر لیجیے فساد و فحشا کے اڈوں، جوئے خانوں، لاٹریوں، تجملاتی سامان، بناؤ سنگھار کی اشیاء اور کھلونے فروخت کرنے والی دکانوں شراب خانوں اور خاص طور سے مغرب سے درآمد کی جانے والی چیزوں کو بڑھاوا دینے کے لئے وسیع پیمانہ پر اشتہارات (ایڈورٹائز)۔ تیل، گیس اور دیگر قدرتی ذخائر کو برآمد کر کے اس کے بدلہ میں گویا ئیں، کھیل کود اور فیشن کے سامان اور اسی طرح کی سیکڑوں چیزیں جن کی ہم جیسے لوگوں کو خبر نہیں ہے درآمد کی جاتی تھیں۔ اگر خدا نخواستہ یہ خانہ برانداز، اغیار کی ایجنٹ پہلوی حکومت باقی رہ جاتی تو کچھ ہی عرصہ میں یہ اسلام اور وطن کے سپوت جن سے قوم کی امیدیں وابستہ ہیں، فاسد حکومت اور مشرق و مغرب پرست روشن خیالوں کے ہاتھوں شیطانی سازشوں کے جال میں پھنس کر اسلام اور ملت کے دامن سے جدا ہو جاتے یا فساد و فحشاء کے اڈوں میں اپنی جوانی تباہ کر بیٹھے اور یا عالمی لٹیری طاقتوں کے خدمت گزار بن کر ملک کو برباد کر ڈالتے۔

خداوند عالم نے ہم پر اور ان پر احسان کیا اور ہم سب کو مفسدوں اور لٹیروں سے نجات دلادی۔ اب موجودہ و آئندہ پارلیمنٹ، صدر جمہوریہ اور بعد میں آنے والے صدور نیز ہر زمانہ کی "شورائے نگہبان" اعلیٰ عدالتی کونسل اور حکومت سے میری وصیت یہ ہے کہ ان اخبارات، رسالوں اور خبر رساں ذرائع کو اسلام اور ملکی مفادات سے منحرف نہ ہونے دیں اور ہم سب کو یہ جان لینا چاہئے کہ مغربی طرز کی آزادی جوان لڑکوں اور لڑکیوں کی تباہی کا سبب بنتی ہے اور عقل و اسلام کی نگاہ میں مذموم ہے۔ اسلام، عفت عمومی اور ملکی مفادات کے خلاف پروپیگنڈے، مقالے، تقریریں، کتابیں اور رسالے حرام ہیں۔ ہم سب پر اور تمام مسلمانوں پر اس کی روک تھام واجب ہے، تخریبی آزادیوں پر پابندی ضروری ہے۔ جو چیزیں شریعت کی نظر میں حرام، اسلامی ملک و ملت کے دھارے کے خلاف اور جمہوری اسلامی کی شان کے منافی ہے۔ اگر قاطعیت کے ساتھ اس کی روک تھام نہ کی جائے تو ہم سب جواب دہ ہیں۔ اگر عوام اور حزب اللٰہی جوانوں کو اس طرح کی چیزیں نظر آئیں تو وہ متعلقہ ادارہ سے رجوع کریں اور اگر وہ ادارہ کوتاہی کرے تو ان پر فرض ہے کہ وہ خود ہی اس کی روک تھام کریں۔ خداوند عالم سب کی مدد فرمائے۔

ن۔ میری وصیت ان افراد، جماعتوں اور ٹولیوں سے جو ملت، جمہوری اسلامی اور اسلام کے

خلاف سرگرم ہیں پہلے مرحلہ میں ملک کے اندر اور ملک سے باہر ان کے سرغناؤں سے یہ ہے کہ تم لوگوں نے جو اقدامات کئے ہیں جو سازشیں رچی ہیں اور جس ملک و حکام سے مدد لی ہے اس کا طویل تجربہ تمھیں جو خود کو عالم و عاقل سمجھتے ہو یہ سکھا چکا ہوگا کہ کسی قوم کے دھارے کو دہشت گردی، بموں کے دھماکوں، بے سر و پا الزامات اور جھوٹے پروپیگنڈوں سے نہیں موڑا جاسکتا اور کبھی بھی کسی حکومت کو ان غیر انسانی اور غیر منطقی طریقوں سے ختم نہیں کیا جاسکتا۔ خاص طور سے ایران جیسی قوم کو جس کے بچے بوڑھے، عورتیں اور مرد سبھی اپنے مقصد، جمہوری اسلامی، قرآن اور مذہب کی راہ میں جاں فشانی و فداکاری کر رہے ہیں، تمہیں تو معلوم ہے اور اگر نہیں جانتے تو بہت سادہ لوحی سے سوچتے ہو کہ عوام تمہارے ساتھ نہیں ہیں، فوج تمہاری دشمن ہے اور اگر فرض کرو کہ عوام تمہارے ساتھ اور تمہارے دوست تھے بھی تو تمہاری احمقانہ حرکتوں اور ان جرائم نے جو تمہارے اشاروں پر کئے گئے ان کو تم سے جدا کر دیا، تم لوگ دشمن بنانے کے سوا اور کچھ نہ کر سکے۔

میں عمر کے اس آخری حصہ میں تم سے خیرخواہانہ وصیت کرتا ہوں کہ اولاً تم نے اس طاغوت زدہ اور ستم رسیدہ قوم کے خلاف جنگ چھیڑی ہے جس نے ڈھائی ہزار سال "ستم شاہی" کے بعد اپنے بہترین فرزندوں اور جوانوں کی قربانی دے کر خود کو مشرق و مغرب کے لٹیروں اور پہلوی حکومت جیسے مجرموں کے ظلم و ستم سے نجات دی ہے۔ ایک انسان چاہے وہ کتنا ہی پلید ہو اس کا ضمیر کیسے اس بات پر راضی ہو سکتا ہے کہ ایک منصب ملنے کے احتمال پر اپنے وطن اور اپنی قوم کے ساتھ ایسا سلوک کرے اور ان کے چھوٹے بڑے پر رحم نہ کرے۔ میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں کہ اس قسم کی احمقانہ اور بے فائدہ حرکتوں سے دست بردار ہو جاؤ؛ عالمی لٹیروں کے دھوکے میں نہ آؤ۔ جہاں کہیں بھی ہو۔ اگر کسی جرم (قتل وغیرہ) کے مرتکب نہیں ہوئے ہو تو اپنے وطن اور اسلام کے دامن میں واپس آجاؤ اور توبہ کرو، خدا ارحم الراحمین ہے، جمہوری اسلامی اور قوم بھی انشاء اللہ تمھیں معاف کر دے گی۔ اور اگر کسی ایسے جرم کے مرتکب ہوئے ہو جس کی سزا خداوند عالم نے معین کر دی ہے تب بھی آدھے راستہ سے لوٹ لو اور توبہ کرو اور اگر ہمت ہے تو (اس دنیا میں) اپنی سزا بھگت کر خود کو خدا کے عذاب الیم سے نجات دو اور اگر (سزا بھگتنے کی) جرأت نہیں ہے تو جہاں کہیں بھی ہو، اپنی عمر کو اس سے زیادہ برباد نہ کرو اور کسی دوسرے کام میں مشغول ہو جاؤ کہ مصلحت اسی میں ہے۔

اس کے بعد میں ان کے داخلی وخارجی ہواخواہوں سے وصیت کرتا ہوں کہ آخر تم کس جذبہ کے تحت اپنی جوانی ان لوگوں کے لئے برباد کر رہے ہو جن کے بارے میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ عالمی لٹیروں کے خدمت گزار ہیں، ان ہی کے منصوبوں کی پیروی کرتے ہیں اور نادانستہ طور پر ان کے جال میں اسیر ہیں. تم کس کی راہ میں اپنی قوم کے ساتھ جفا کر رہے ہو؟ تم ان کے ہاتھوں دھوکا کھائے ہوئے ہو۔ اگر تم ایران میں ہو تو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ عوام جمہوری اسلامی کے وفادار اور اس کے جاں نثار ہیں تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ موجودہ حکومت اور نظام، جان و دل سے محروموں اور عوام کی خدمت کر رہا ہے اور جو لوگ عوام کے طرفدار اور ان کے فدائی ومجاہد ہونے کا جھوٹا دعوی کرتے ہیں وہ خلق خدا سے دشمنی پر تلے ہوئے ہیں اور تم سادہ لوح لڑکوں لڑکیوں کو اپنے اور دو عالمی لٹیرے بلاکوں میں سے کسی ایک کے مقاصد کے لئے کھلونا اور آلہ کار بنائے ہوئے ہیں اور خود یا تو ملک سے باہر ان دو مجرم بلاکوں میں سے کسی ایک کی آغوش میں عیاشی میں مشغول ہیں اور یا ملک کے اندر بدبخت مجرموں کے بڑے بڑے محلوں کی طرح کی عالیشان بلڈنگوں میں عیش وآرام کی زندگی گزارتے ہوئے اپنی مجرمانہ حرکتوں کو جاری رکھے ہوئے ہیں اور تم جوانوں کو موت کے منہ میں جھونک رہے ہیں۔ ملک کے اندر اور ملک سے باہر موجود جوانوں کو میری مشفقانہ نصیحت یہ ہے کہ غلط راستہ کو چھوڑ کر پلٹ آؤ اور معاشرہ کے ان محروم ومظلوم افراد سے متحد ہو جاؤ جو دل وجان سے جمہوری اسلامی کی خدمت کر رہے ہیں اور آزاد اور مستقل ایران کے لئے کام کرو تاکہ ملک وملت مخالفوں کے شر سے نجات پا جائے اور سب مل جل کر شریفانہ زندگی بسر کرو، کب تک اور کس مقصد کی خاطر ان لوگوں کی اطاعت کرتے رہو گے جنہیں اپنے مفاد کے سوا کسی چیز کی فکر نہیں اور جو بڑی طاقتوں کی آغوش اور ان کی پناہ میں بیٹھے ہوئے اپنی قوم سے جنگ کر رہے ہیں اور تمہیں اپنے منحوس مقاصد اور اقتدار پرستی کی بھینٹ چڑھا رہے ہیں۔ تم لوگوں نے انقلاب کی کامیابی کے ان برسوں میں دیکھ لیا ہے کہ ان کے دعوے، ان کے اعمال وکردار کے خلاف ہیں۔ ان دعووں کا واحد مقصد صاف دل جوانوں کو دھوکا دینا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ عوام کے پرخروش سیلاب کے مقابلہ میں تمھاری کوئی حیثیت نہیں ہے، تمھاری حرکتوں کا نتیجہ خود اپنی جوانی کو برباد کرنے اور خود کو نقصان پہنچانے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے. میرا فریضہ ہدایت کرنا تھا جسے میں نے انجام دیدیا اور امید ہے کہ تم اس نصیحت پر — جو میری موت کے بعد تم لوگوں تک پہنچے گی اور جس میں اقتدار طلبی کا شائبہ تک نہیں ہے —

عمل کرو گے اور اپنے کو عذاب الیم سے نجات دو گے۔ خدائے منان تمہاری ہدایت اور صراط مستقیم کی طرف تمہاری رہنمائی فرمائے۔

کمیونسٹوں، "فدائی خلق چھاپہ ماروں" اور بائیں بازو کی طرف رجحان رکھنے والے دوسرے گروہوں سے میری وصیت یہ ہے کہ تم لوگوں نے اسلامی دبستان اور دیگر مکاتب فکر کے بارے میں ان افراد کی نگرانی میں جو تمام مکاتب فکر اور خاص طور سے اسلام کے بارے میں صحیح معلومات رکھتے ہیں باقاعدہ چھان بین اور صحیح طریقہ سے تحقیق کئے بغیر، کس مقصد کے پیش نظر اپنے کو اس مکتب فکر کے اپنانے پر راضی کر لیا جو آج دنیا میں ناکام ہو چکا ہے۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ان چند "ازموں" کے دلدادہ ہو گئے جو محققوں کی نگاہ میں کھوکھلے ہیں۔ وہ کون سا محرک ہے جس نے تمہیں اپنے ملک کو روس یا چین کی جھولی میں ڈالدینے پر مجبور کر دیا ہے اور عوام دوستی کے نام پر اپنی قوم سے جنگ کرنے پر تل گئے ہو یا اپنے ستم رسیدہ عوام اور ملک کے خلاف اغیار کے مفاد میں سازشیں کر رہے ہو؟ تم دیکھ ہی رہے ہو کہ کمیونزم کی ابتدا سے آج تک اس کے دعویداروں نے مطلق العنانی، اقتدار پرستی اور اجارہ داری کی ایسی مثال قائم کی ہے جس کی نظیر دنیا کی کسی حکومت میں نظر نہیں آتی۔ عوام کی حمایت کے دعویدار روس کے قدموں تلے کتنی ہی قومیں کچلی جا چکی ہیں اور اپنی حیثیت سے محروم ہو چکی ہیں۔ ابھی تک روس کی مسلمان و غیر مسلمان قومیں کمیونسٹ پارٹی کے استبداد تلے ہاتھ پھڑپھڑا رہی ہیں اور ہر قسم کی آزادی سے محروم ہیں اور جس انتہائی گھٹن کے ماحول میں زندگی گزار رہی ہیں اس کی مثال دنیا کی مستبدترین حکومتوں میں بھی نہیں ملتی۔ اسٹالن جسے (کمیونسٹ) پارٹی کا درخشاں ترین چہرہ مانا جاتا ہے اس کی آمد و رفت، کر و فر، آؤ بھگت اور عیش و آرام ہم سب دیکھ چکے ہیں۔ آج جبکہ تم اس نظام کے عشق میں جان دے رہو روس اور اس سے وابستہ ممالک، جیسے افغانستان کے مظلوم عوام ان کے ظلم و ستم کے شکنجے میں دم توڑ رہے ہیں۔ اور تم جو کہ عوام کی حمایت کے دعویدار ہو، جہاں جہاں بھی تمہارا ہاتھ پہنچا تم نے عوام پر ظلم کیا۔ "آمل" کے شریف عوام کے ساتھ تم نے کون سی مجرمانہ حرکت نہیں کی جنھیں تم غلط طور پر اپنا پکا حامی بتاتے تھے، بہت سے لوگوں کو فریب دے کر تم نے حکومت اور عوام سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کیا اور انھیں موت کے گھاٹ اتروا دیا۔ تم محروم عوام کے طرفدار (ہونے کا دعویٰ کرنے والے) محروم و مظلوم عوام کو روسی آمریت کے حوالے کرنا چاہتے ہو اور اس خیانت کو "فدائی خلق" اور محرومین کی حمایت کا غلاف چڑھا کر جامہ عمل پہنانا چاہتے ہو۔ بس فرق

اتنا ہے کہ "تودہ" پارٹی اور اس کے کامریڈ، جمہوری اسلامی کی طرفداری کا خول چڑھا کر سازشوں کے ذریعہ اور دوسری جماعتیں اسلحے، دہشت گردی اور بموں کے ذریعہ (اس خیانت کی مرتکب ہو رہی ہیں)۔

میں تمام پارٹیوں اور جماعتوں سے — چاہے وہ بائیں بازو کی طرف رجحان کی شہرت رکھتی ہوں اگرچہ بعض شواہد و قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ امریکی کمیونسٹ ہیں۔ اور چاہے وہ مغرب سے روزی حاصل کرتی ہوں۔ اور یا وہ "کوملہ" او ڈیموکریٹ جیسی پارٹیاں ہوں جنھوں نے کرد و بلوچ عوام کی طرفداری و خودمختاری کے نام پر اسلحہ اٹھا کر، کردستان اور دوسری جگہوں کے محروم عوام کو تباہ کیا، اور ان صوبوں میں جمہوری اسلامی کے ثقافتی، طبی، اقتصادی اور تعمیر نو سے متعلق خدمات کی راہ میں روڑے اٹکائے ہیں۔ وصیت کرتا ہوں کہ عوام سے مل جائیں۔ اس عرصہ میں انھوں نے تجربہ کر لیا ہے کہ ان علاقوں کے باشندوں کو تباہ کرنے کے سوا کوئی کام کیا ہے اور نہ کر سکتے ہیں۔ پس خود ان کی اپنی، اپنے علاقہ اور اپنی قوم کی مصلحت اسی میں ہے کہ وہ حکومت کا ہاتھ بٹائیں، بغاوت و اغیار کی خدمت گزاری اور اپنے وطن سے خیانت سے باز آجائیں، ملک کو آباد کرنے کی کوشش کریں اور مطمئن رہیں کہ اسلام، ان کے لئے جرائم پیشہ مغربی بلاک اور مطلق العنان مشرقی بلاک سے بہتر ہے اور عوام کی انسانی آرزوؤں کو بہتر طور پر بر لاتا ہے۔

ان مسلمان جماعتوں سے جو اشتباہ میں پڑ کر مغرب یا مشرق کی طرف جھکاؤ ظاہر کرتی ہیں اور بعض اوقات ان منافقوں کی حمایت کرتی تھیں جن کی خیانت اب آشکار ہو چکی ہے۔ اور اسلام کے ان مخالفوں اور بدخواہوں سے — جو خطا و اشتباہ میں پڑ کر بعض اوقات (جمہوری اسلامی پر) لعن طعن کرتے تھے — میری وصیت یہ ہے کہ اپنی خطاؤں اور اشتباہات پر اصرار نہ کرو اور اسلامی جرأت سے کام لیتے ہوئے اپنی غلطی کا اعتراف کرو اور خدا کی رضا کے لئے، حکومت، پارلیمنٹ اور مظلوم عوام کے ہم آواز و ہم راہ ہو جاؤ اور تاریخ کے مظلوموں کو مستکبروں کے شر سے نجات دلاؤ اور پاک دل، پاک فکر اور احساس ذمہ داری رکھنے والے عالم دین "مدرس" مرحوم کے اس قول کو مدنظر رکھو جسے انھوں نے اس دور کی افسردہ و غمگین پارلیمنٹ میں بیان کیا تھا کہ "جب ہمیں نابود ہی ہونا ہے تو پھر ہم خود اپنے ہی ہاتھوں اپنے کو کیوں نابود کریں"۔ آج میں بھی اس شہید راہ خدا کی یاد میں آپ تمام مومن بھائیوں سے عرض کرتا ہوں کہ اگر ہم امریکہ و روس کے مجرمانہ ہاتھوں دنیا سے مٹا دئے جائیں تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ مشرق کی سرخ اور مغرب کی سیاہ فوج کے پرچم تلے عیش و آرام کی زندگی بسر کریں اور یہی انبیا

عظام، ائمہ مسلین اور بزرگان دین کا شیوہ رہا ہے، ہمیں چاہیئے کہ ان ہی کا اتباع کریں اور خود کو یہ یقین دلائیں کہ اگر کوئی قوم وابستگیوں کے بغیر جینا چاہے تو وہ کامیاب بھی ہو سکتی ہے۔ اور دنیا کی بڑی طاقتیں کسی قوم پر اس کی مرضی کے خلاف کوئی نظریہ مسلط نہیں کر سکتی ہیں۔ افغانستان سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے باوجودیکہ غاصب حکومت اور بائیں بازو کی پارٹیاں روس کے ساتھ تھیں اور ہیں مگر ابھی تک وہ عوام کو سرکوب کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی ہیں۔

علاوہ بریں اب دنیا کی محروم قومیں بیدار ہو چکی ہیں اور اب وہ دن دور نہیں جب اسی بیداری کے نتیجہ میں تحریک، قیام اور انقلاب بپا ہو جائے گا اور قومیں اپنے کو مستکبر ستمگروں کی غلامی سے آزاد کرالیں گی۔ اور آپ اسلامی اقدار کے پابند مسلمان دیکھ رہے ہیں کہ مشرق و مغرب سے جدائی اپنی برکتوں کو ظاہر کر رہی ہے۔ مقامی ذہن و دماغ حرکت میں آگئے ہیں اور خود کفائی کی طرف آگے بڑھ رہے ہیں۔ جس چیز کو مشرق و مغرب کے خائن ماہرین، ہماری قوم کے لئے محال بتاتے تھے آج وسیع پیمانہ پر ملت کے ذہن اور اس کے دست و بازو کے ذریعہ انجام پا رہی ہے۔ اور (بقیہ چیزیں) انشاءاللہ طویل مدت میں انجام پاتی رہیں گی اور افسوس صد افسوس کہ یہ انقلاب، دیر سے وجود میں آیا اور کم از کم محمد رضا کی کثیف اور ظالمانہ سلطنت کے آغاز ہی میں رونما نہیں ہوا، اگر یہ انقلاب اسی وقت آگیا ہوتا تو آج کا یہ غارت زدہ ایران، دوسرا ہی ایران ہوتا۔

مصنفوں، مقرروں، روشن خیالوں، مین میخ نکالنے والوں اور احساسات کا شکار ہونے والوں سے میری وصیت یہ ہے کہ اپنا وقت جمہوری اسلامی کی مخالفت میں صرف کرنے اور اپنی ساری توانائی پارلیمنٹ، حکومت اور دیگر خدمت گزاروں سے بدظنی اور ان کی بدگوئی و بدخواہی میں لگانے اور اپنے اس عمل سے ملک کو بڑی طاقتوں کی طرف ڈھکیلنے کے بجائے ایک شب اپنے خدا سے خلوت کیجئے اور اگر خدا پر ایمان نہیں رکھتے ہیں تو خود اپنے ضمیر سے پوچھئے اور اپنے ان باطنی محرکات کا جائزہ لیجئے جن سے اکثر اوقات بہت سے انسان خود ناواقف ہوتے ہیں۔ غور و فکر کیجئے کہ آخر کس معیار سے اور کس انصاف کی بنیاد پر آپ جنگی محاذوں اور شہروں میں ٹکڑے ٹکڑے ہونے والے جوانوں کے خون کو نظر انداز کر رہے ہیں اور وہ قوم جو اندرونی و بیرونی ظالموں اور لٹیروں کے بوجھ سے نجات پانا چاہتی ہے اور اپنی اور اپنے عزیز فرزندوں کی جان قربان کر کے استقلال و آزادی سے ہمکنار ہوئی ہے اور جاں نثاری و

فداکاری کے ذریعہ اس کی حفاظت کرنا چاہتی ہے اس نفسیاتی جنگ لڑ رہے ہیں اختلافات اور خائنانہ سازشوں کو ہوا دے رہے ہیں، ستمگروں اور مستکبروں کے لئے راستہ ہموار کر رہے ہیں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ اپنی فکر، قلم اور بیان کے ذریعہ اپنے وطن کی حفاظت کی خاطر حکومت، پارلیمنٹ اور عوام کی رہنمائی کیجئے؟ کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ اس مظلوم و محروم قوم کی مدد کیجئے اور اپنی مدد سے اسلامی حکومت کو مستحکم بنائیے؟ آیا آپ اس پارلیمنٹ، صدر جمہوریہ، حکومت اور عدلیہ کو گزشتہ نظام سے بدتر سمجھتے ہیں؟ کیا آپ نے اس مظلوم و بے پناہ قوم پر ہونے والے اس ملعون (پہلوی) نظام کے ظلم و ستم کو بھلا دیا ہے؟ کیا آپ نہیں جانتے کہ یہ اسلامی ملک اس زمانہ میں امریکہ کا فوجی اڈہ بنا ہوا تھا اور وہ اس ملک کے ساتھ ایک نوآبادیاتی ملک جیسا برتاؤ کرتے تھے؟ پارلیمنٹ، حکومت اور فوج سبھی کچھ ان کے قبضہ میں تھا، ان کے مشیر، ماہرین اور صنعت کار اس ملت اور اس کے قدرتی ذخائر کے ساتھ کیا سلوک کرتے تھے؟ آیا ملک بھر میں فساد و فحشا کی ترویج، عیاشیوں کے اڈوں، جوئے خانوں، میخانوں، شراب کی دکانوں، سینماؤں اور دوسرے مراکز کا قیام جن میں سے ہر ایک جوان نسل کو تباہ کرنے کا ایک بڑا عامل تھا آپ کے ذہنوں سے مٹ گیا ہے؟ آیا اس حکومت کے اخبارات، فحشیات سے لبریز رسالے اور ذرائع ابلاغ کو آپنے بھلا دیا ہے؟ اور آج جب کہ فسق و فجور کے ان بازاروں کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا ہے، چند عدالتوں یا چند جوانوں (کے غلط اقدامات) نے جن کے بارے میں یہ امکان ہے کہ وہ منحرف گروہوں کے گھس بیٹھیے ہوں اور جمہوری اسلامی کو بدنام کرنے کے لئے منحرف کام انجام دے رہے ہوں نیز ان چند مفسد فی الارض افراد کے قتل نے — جو اسلام اور جمہوری اسلامی کے خلاف شورش و بغاوت کر رہے ہیں — آپ کی فریادوں کو بلند کر دیا ہے، آپ ان لوگوں سے تعلقات قائم کر رہے ہیں اور اخوت و برادری کا رشتہ جوڑ رہے ہیں، جو اعلانیہ طور پر اسلام کی مذمت کرتے ہیں اور اس کے خلاف مسلحانہ بغاوت یا اس سے بھی افسوسناک تر قلم و زبان سے شورش میں مشغول ہیں۔ خدا نے جن لوگوں کا خون مباح قرار دیا ہے انھیں آپ نورچشم قرار دے رہے ہیں۔ "۱۴، اسفند" کا المیہ وجود میں لانے والے بازیگر جنھوں نے بے گناہوں کو زدوکوب کیا ان ہی کے بازو میں بیٹھ کر آپ بھی اس منظر کا تماشا دیکھتے رہے، یہ اسلامی و اخلاقی عمل ہے! لیکن حکومت اور عدلیہ جب معاندین، منحرف اور ملحد افراد کو ان کے کیفر کردار تک پہنچاتی ہے تو آپ کی فریاد بلند ہوتی ہے اور مظلومیت

کی دہائی دینے لگتے ہیں؟! میں آپ بھائیوں کے لئے — جن کے ماضی سے کسی حد تک باخبر ہوں اور بعضوں سے لگاؤ بھی رکھتا ہوں — متأسف ہوں، البتہ میں ان لوگوں کے لئے متأسف نہیں ہوں جو خیر خواہی کے لباس میں شر پسند، گلہ بان کے بھیس میں بھیڑیے اور ایسے بازی گر تھے جنھوں نے سب کو کھلونا بنا رکھا تھا اور ملک و ملت کو تباہ کر کے دونوں غارت گر بلاکوں میں سے کسی ایک کی خدمت گزاری کرنا چاہتے تھے۔ جن لوگوں نے اپنے نجس ہاتھوں سے قابل قدر جوانوں اور معاشرہ کی تربیت کرنے والے علماء کو شہید کیا یہاں تک کہ مظلوم مسلمان بچوں پر بھی رحم نہ کیا انھوں نے اپنے آپ کو معاشرہ میں رسوا اور خدا کی بارگاہ میں ذلیل کر لیا ہے اور اب ان کی واپسی کے سارے راستے مسدود ہو چکے ہیں کیونکہ ان پر نفس امارہ کا شیطان حکومت کر رہا ہے۔ لیکن آپ برادران ایمانی، حکومت اور پارلیمنٹ کی مدد کیوں نہیں کرتے اور اس سے کیوں شاکی ہیں جو محروموں مظلوموں اور ان بھائیوں کی خدمت کرنے کی کوشش کر رہی ہے جو زندگی کی تمام نعمتوں سے محروم ہیں۔ کیا آپ لوگوں نے حکومت اور جمہوری اداروں کے ان خدمات کا جو انھوں نے ان تمام مشکلوں اور مصیبتوں — جو ہر انقلاب کا لازمہ ہے — نیز ناخواستہ جنگ کے اتنے سارے نقصانات، ملکی و غیر ملکی لاکھوں پناہ گزیں اور حد سے زیادہ رخنہ اندازیوں کے باوجود اس مختصر سی مدت میں انجام دیئے ہیں، گزشتہ نظام کے تعمیری کاموں سے موازنہ کیا ہے؟ کیا آپ یہ نہیں جانتے کہ اس زمانہ کے تقریباً تمام تعمیری کام شہروں سے مخصوص تھے اور وہ بھی خوش حال محلوں سے! فقراء اور محروم عوام کو اس کا بڑا معمولی حصہ نصیب ہوتا تھا یا سرے سے انھیں نظر انداز ہی کر دیا جاتا تھا۔ جبکہ موجودہ حکومت اور اسلامی ادارے جان و دل سے اسی محروم طبقہ کی خدمت کر رہے ہیں۔ آپ مومنین بھی حکومت کی مدد کریں تاکہ کام جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچ سکے اور خدا کی بارگاہ میں — جہاں بہر حال حاضر ہونا ہے — اس کے بندوں کی خدمت گزاری کی علامت کے ساتھ جائیں۔

س۔ ایک اور مسئلہ جس کے متعلق یاد دہانی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اسلام نہ صرف مظلوم و ستم رسیدہ عوام کو محروم کر دینے والی بے حساب و کتاب ظالمانہ سرمایہ داری کا مخالف ہے بلکہ کتاب و سنت میں پوری تاکید کے ساتھ اس کی مذمت بھی کرتا ہے اور اسے سماجی انصاف کے خلاف تصور کرتا ہے اگرچہ اسلام میں رائج سیاسی مسائل اور اس کے حکومتی نظام سے ناآشنا بعض کج فہم افراد نے

اپنی تقریر و تحریر میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اب بھی اس سے دست بردار نہیں ہوئے ہیں کہ اسلام بے حد و مرز سرمایہ داری و مالکیت کا حامی ہے اور اپنی اس طرح کی کج فہمی کے ذریعہ اسلام سے استنباط کر کے اس کے نورانی چہرہ کو چھپا دیا ہے، اسلام دشمنوں اور غرض پرستوں کے لئے دروازہ کھول دیا ہے کہ وہ اسلام پر حملے کریں اور اسے امریکہ و برطانیہ جیسے مغرب کے دوسرے لیٹرے ممالک کی طرح کی مغربی سرمایہ داری قرار دیں۔ وہ لوگ اسلام کے بارے میں صحیح اطلاع رکھنے والے ماہرین سے رجوع کئے بغیر ان ہی افراد کے قول و فعل پر بھروسہ کرتے ہوئے یعنی حماقت یا اپنے ذاتی اغراض کی بنیاد پر اسلام کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اسلام کمیونزم و مارکسزم، لیننزم کے مانند بھی نہیں ہے جو فردی مالکیت کا مخالف اور ہر چیز میں اشتراک کا قائل ہے البتہ ان سخت اختلافات کے ہمراہ جو قدیمی ادوار سے آج تک رونما ہوتا رہا ہے۔ یہ لوگ حتی عورت اور ہم جنس بازی میں بھی اشتراک کے قائل ہیں اور ایک مہلک و تباہ کن آمریت و مطلق العنانی قائم کئے ہوئے ہیں۔ بلکہ اسلام ایک معتدل نظام ہے جو مالکیت کے حق کو تسلیم اور اس کا احترام کرتا ہے لیکن مالکیت کے وجود میں آنے کے اسباب اور اس کے استعمال میں محدودیت کا قائل ہے کہ اگر اس پر صحیح طریقہ سے عمل کیا جائے تو صحت مند معیشت کے پہیے حرکت میں آجائیں گے اور سماجی انصاف جو ایک سالم نظام کا لازمہ ہے متحقق ہو جائے گا۔ اس میدان میں بھی ایک گروہ اپنی کج فہمیوں اور اسلام اور اس کے صحت مند اقتصادی نظام سے ناواقفیت کی بنا پر پہلے گروہ کے مقابلہ میں آگیا ہے اور اس نے بعض اوقات کچھ قرآنی آیات اور نہج البلاغہ کے جملوں کا سہارا لے کر اسلام کو مارکس وغیرہ کے انحرافی دبستان کا موافق بنا کر پیش کیا ہے اور قرآن مجید کے تمام آیات نیز نہج البلاغہ کے دوسرے فقروں کو نظر انداز کر دیا ہے اور من مانی کرتے ہوئے اپنی ناقص و قاصر فہم پر بھروسہ کر کے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور اشتراکی دبستانوں کی پیروی میں اور اس مہلک کفر و آمریت کی حمایت کر رہے ہیں جس نے تمام انسانی اقدار کو پس پشت ڈال دیا ہے اور اقلیت پر مشتمل ایک پارٹی تمام انسانوں کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کر رہی ہے۔

پارلیمنٹ، شورائے نگہبان، ارکان کابینہ، صدر جمہوریہ اور اعلی عدالتی کونسل سے میری وصیت یہ ہے کہ خداوند متعال کے احکام کے آگے سر تسلیم خم رکھئے اور ظالم و لیٹرے سرمایہ داری کے

یا ملحد و کمیونسٹ اشتراکی بلاک دونوں کے کھوکھلے پروپیگنڈوں سے متاثر نہ ہوئیے۔ اسلامی حدود کے اندر جائز سرمایوں اور مالکیت کا احترام کیجیے اور ملت کو اطمینان دلائیے تاکہ تعمیری سرگرمیاں اور سرمائے حرکت میں آجائیں اور ملک و حکومت کو خود کفائی اور چھوٹی بڑی صنعتوں سے مالامال کر دیں۔

میں جائز پیسہ رکھنے والے دولتمندوں سے وصیت کرتا ہوں کہ اپنی منصفانہ ثروت کا استعمال کیجیے اور کھیتوں، دیہاتوں اور کارخانوں میں تعمیری کاموں کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ کیونکہ یہ خود گراں قدر عبادت ہے۔ میں محروم طبقات کی خوش حالی کے لئے سب سے وصیت کرتا ہوں کیونکہ تمہاری دنیا و آخرت کی بھلائی دائرہ کے ان محروموں کی فلاح و بہبود کے لئے سعی و کوشش میں ہے جو جاگیردارانہ نظام اور ستم شاہی" کی طویل تاریخ میں زحمت و مشقت کی زندگی گزارتے رہے ہیں اور کتنی اچھی بات ہے کہ دولتمند طبقے رضاکارانہ طور پر جھپڑوں اور جھونپڑوں میں رہنے والوں کے لئے مکان اور آرام کی سہولتیں فراہم کریں اور مطمئن رہیں کہ دنیا و آخرت کی بھلائی اسی میں ہے اور یہ انصاف سے دور کی بات ہے کہ ایک بے گھر اور ایک بڑی بڑی بلڈنگوں کا مالک ہو۔

ع۔ ان عالموں اور عالم نماؤں سے جو مختلف مقاصد کے تحت جمہوری اسلامی اور اس کے نو بنیاد موسسوں کی مخالفت کرتے ہیں اور اپنا وقت اس کی نابودی کے لئے وقف کئے ہوئے ہیں، سیاسی بازی گروں اور سازشیں رچنے والے مخالفوں کی مدد کر رہے ہیں اور بعض اوقات جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ اسی مقصد کے لئے خدا سے غافل سرمایہ داروں سے بھاری رقمیں وصول کر کے ان مخالفوں کی بڑی بڑی مدد کرتے ہیں۔ میری وصیت یہ ہے کہ تمہیں ان غلط حرکتوں سے ابھی تک کوئی فائدہ نہیں پہنچا ہے اور میرے خیال میں اس کے بعد بھی کچھ حاصل نہ کر سکو گے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اگر تم نے یہ اقدامات دنیا کی خاطر کئے ہیں تو یاد رکھو خدا تمہیں اپنے منحوس مقصد میں کامیاب نہ ہونے دے گا، جب تک توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے خدا کی بارگاہ میں معافی مانگ کر مظلوم و ستم رسیدہ قوم کے ہم آواز بن جاؤ اور جمہوری اسلامی کی جو ملت کی قربانیوں سے وجود میں آئی ہے، حمایت کرو کیونکہ دنیا و آخرت کی بھلائی اسی میں ہے۔ اگرچہ میں گمان نہیں کرتا کہ تمہیں

توبہ کی توفیق حاصل ہو سکے گی۔

لیکن وہ افراد جو مختلف اشخاص یا گروہوں سے جان بوجھ کر یا انجانے میں ایسی غلطیاں اور خطائیں سرزد ہونے کی وجہ سے جو اسلامی احکام کے خلاف ہیں، سرے سے جمہوری اسلامی اور اس کی حکومت کے بھی شدید مخالف ہوگئے ہیں اور خدا کی خوشنودی کے لئے اس حکومت کو نابود کرنے کے درپے ہیں اور جن کے خیال میں یہ جمہوری، گزشتہ سلطنتی نظام سے بھی بدتر ہے یا اسی کے مانند ہے، ان سے میری وصیت یہ ہے کہ وہ خلوص نیت کے ساتھ تنہائیوں میں غور و فکر کریں اور انصاف کے ساتھ گزشتہ حکومت و نظام سے موازنہ کریں اور اس نکتہ کو بھی مدنظر رکھیں کہ دنیا کے انقلابات میں ہرج و مرج، غلطیوں اور موقع پرستی سے مفر ممکن نہیں ہے! آپ اگر اس پر توجہ کریں گے اور جمہوری اسلامی کے مشکلات کو نظر رکھیں گے، بطور مثال اس کے خلاف کی جانے والی سازشیں، جھوٹے پروپیگنڈے، ملک کے اندر اور سرحد پار سے مسلح حملے، عوام کو اسلام اور اسلامی حکومت سے ناراض کرنے کے قصد سے حکومت کے تمام اداروں میں اسلام مخالف اور مفسد گروہوں کا ناقابل اجتناب عمل دخل، اکثر یا بہت سے عہدیداروں کی ناتجربہ کاری، ان لوگوں کی جانب سے جھوٹی افواہوں کی تشہیر جو اپنے ناجائز بھاری فائدوں سے محروم ہوگئے ہیں اور یا جن کی منفعت میں کمی ہوگئی ہے، قضات شرع کی غیر معمولی کمی، کمر شکن اقتصادی مشکلات، دسیوں لاکھ سرکاری ملازمین کی تطہیر و تصفیہ سے متعلق عظیم مسائل، صالح، ماہر اور تجربہ کار افراد کی کمی اور اسی طرح کے دوسرے دسیوں مشکلات کہ جب تک انسان خود میدان میں نہ اترے انھیں نہیں سمجھ سکتا۔ دوسری طرف وہ سلطنت طلب بڑے بڑے سرمایہ دار ہیں جو سود خوری، منفعت پرستی زرمبادلہ کے (غیر ملکوں میں) اخراج، سرسام آور گراں فروشی، اسمگلنگ اور ذخیرہ اندوزی کے ذریعہ معاشرہ کے محروم غریب طبقے پر (اقتصادی) دباؤ ڈال کر ان کی ہلاکت کے درپے ہیں اور معاشرہ کو تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ یہی لوگ آپ حضرات (علماء) کے پاس (حکومت کی) شکایت کرنے اور آپ کو فریب دینے کے لئے آتے ہیں اور بعض اوقات آپ لوگوں کو شیشہ میں اتارنے اور اپنے کو پکا

مسلمان ظاہر کرنے کے لئے خمس کے عنوان سے کچھ رقم بھی آپ کے حوالے کر دیتے ہیں اور مگرمچھ کے آنسو بہا کر آپ کو غصہ دلاتے ہیں اور (جمہوری اسلامی کی) مخالفت پر اکساتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جو ناجائز طریقوں سے فائدہ اٹھا کر عوام کا خون چوس رہے ہیں اور ملک کی معیشت

کو شکست و ناکامی سے دوچار کر رہے ہیں ۔ میں برادرانہ و متواضعانہ نصیحت کرتا ہوں کہ حضرات محترم ! اس قسم کی افواہ سازیوں سے متاثر نہ ہوں اور خدا کے لئے اسلام کے تحفظ کی خاطر اس جمہوری کو تقویت پہنچائیں اور یہ جان لیں کہ اگر یہ جمہوری اسلامی ناکام ہو گئی تو اس کی جگہ بقیۃ اللہ (امام زمانہ) روحی فداہ کی پسندیدہ یا آپ حضرات کی مطیع و فرماں بردار اسلامی حکومت قائم نہیں ہو جائے گا بلکہ بڑی طاقتوں کی دونوں بلاکوں میں سے کسی ایک بلاک کا من پسند نظام ، اقتدار پر قابض ہو جائے گا اور دنیا کے محرومین جو اسلام اور اسلامی حکومت سے لو لگائے ہوئے ہیں مایوس ہو جائیں گے اور اسلام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گوشہ نشین ہو جائے گا اور آپ حضرات ایک دن اپنے کئے پر پشیمان ہوں گے مگر اس وقت دیر ہو چکی ہوگی ، معاملہ ہاتھ سے نکل چکا ہوگا اور آپ کی پشیمانی سے کچھ حاصل نہ ہوگا ۔ اور اگر آپ حضرات یہ توقع رکھتے ہیں کہ تمام امور ایک ہی شب میں اسلام اور خداوند تعالیٰ کے احکام کے مطابق تبدیل ہو جائیں تو یہ ایک بڑی بھول ہے ، پوری تاریخ بشریت میں نہ اس قسم کا معجزہ رونما ہوا ہے ، اور نہ ہوگا ، اور جس وقت انشاءاللہ تعالیٰ مصلح کل (امام زمانہ عج) ظہور فرمائیں گے اس وقت بھی یہ گمان نہ کیجئے کہ کوئی معجزہ رونما ہوگا اور ایک دن میں پورے عالم کی اصلاح ہو جائے گی بلکہ بے پناہ کوششوں اور فداکاریوں کے ذریعہ ظالم و ستمگر افراد کچلے جائیں گے اور کنارے لگیں گے ۔ اور اگر بعض منحرف جاہلوں کی طرح سے آپ کی بھی یہی رائے ہے کہ حضرت بقیۃ اللہ عج کے ظہور کے لئے کفر و ظلم پھیلانے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ دنیا کے چپہ چپہ تک ظلم پھیل جانے اور ظہور کے مقدمات فراہم ہو جائیں تو پھر "انا للہ و انا الیہ راجعون"

ف۔ تمام مسلمانوں اور مستضعفین عالم سے میری وصیت یہ ہے کہ آپ اس انتظار میں بیٹھے نہ رہیں کہ آپ کے ملک کے حکام و ذمہ دار افراد یا غیر ملکی طاقتیں آئیں اور آپ کی خدمت میں استقلال و آزادی کا تحفہ پیش کریں ہم نے اور آپ نے کم از کم اس آخری صدی میں کہ رفتہ رفتہ تمام اسلامی ملکوں بلکہ تمام ہی چھوٹے چھوٹے ملکوں میں عالمی لٹیری اور بڑی طاقتوں کے قدم پہنچتے رہے ہیں خود مشاہدہ کر لیا ہے یا صحیح تاریخوں نے ہمیں بتایا ہے کہ ان ملکوں پر مسلط حکومتوں نے کبھی بھی اپنی قوموں کی آزادی و استقلال اور ان کی فلاح و بہبود کی فکر کی ہے نہ کر رہی ہیں بلکہ تقریباً سبھی حکومتیں یا تو خود ہی اپنی قوموں پر ظلم و ستم کے ذریعہ گھٹن کی زندگی فراہم کرتی رہی ہیں اور اپنے ہر کام میں صرف ذاتی یا جماعتی مفاد کو پیش نظر رکھا ہے یا پھر مالدار و خوشحال طبقات کو مزید عیش و آرام پہنچانے کی فکر رہی ہے ۔ جھونپڑی میں زندگی گزارنے

والے محروم و مظلوم طبقات زندگی کی تمام نعمتوں، حتیٰ روٹی اور پانی جیسی چیزوں اور قوت لایموت سے بھی محروم رہے ہیں اور ان حکومتوں نے ان بے چاروں کو خوشحال و عیاش طبقہ کے مفادات کے لئے استعمال کیا ہے۔ اور یا پھر (یہ حکومتیں) بڑی طاقتوں کی کٹھ پتلی رہی ہیں جنہوں نے پوری طاقت کے ساتھ اپنے ملکوں اور قوموں کو (غیروں سے) وابستہ بنانے کی کوشش کی ہے اور مختلف حیلوں سے اپنے ملکوں کو مشرق و مغرب کی منڈی بنا کر ان کے مفادات کی حفاظت کی ہے اور قوموں کو پسماندہ اور صرف کھانے اور صرف کرنے کا عادی بنا دیا ہے اور آج بھی اسی منصوبہ کے تحت عمل کر رہی ہیں۔

اے دنیا کے مستضعفو! اے اسلامی ملکو! اے دنیا کے مسلمانو! اٹھو اور اپنا حق واپس لینے کے لئے پوری کوشش کرو، بڑی طاقتوں اور ان کے ایجنٹوں کے پروپیگنڈوں اور ان کی ہاہو سے مت ڈرو۔ جرائم پیشہ حکمران جو تمہاری گاڑھی کمائی تمہارے اور اسلام عزیز کے دشمنوں کے حوالے کر رہے ہیں انھیں اپنے ملک سے نکال باہر کرو۔ تم خود ذمہ داری کا احساس رکھنے والے خدمت گزار طبقہ کے ساتھ مل کر ملک کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں سنبھال لو۔ اور سب کے سب اسلام کے پر افتخار جھنڈے تلے اکٹھا ہو کر اسلام اور محرومین عالم کے دشمنوں کے مقابلہ میں دفاع کے لئے اٹھ کھڑے ہو اور آزاد و مستقل جمہوریتوں کی شکل میں ایک اسلامی حکومت قائم کرنے کی جانب آگے بڑھو، کیونکہ ایسی صورت میں تم دنیا کے تمام مستکبروں کو شکست دے دو گے اور تمام مستضعفوں کو زمین کی وراثت و امامت کے رتبہ پر فائز کرو گے۔ اس دن کی امید کے ساتھ جس کا خداوند عالم نے وعدہ فرمایا ہے۔

ص۔ اس وصیت نامہ کے خاتمہ میں ایک مرتبہ پھر ایران کی شریف قوم سے وصیت کرتا ہوں کہ دنیا میں اتنا ہی زیادہ زحمتوں، تکلیفوں، فداکاریوں، جاں نثاریوں اور محرومیوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے جتنا بلند، عظیم اور قیمتی مقصد ہوتا ہے۔ آپ جیسی مجاہد اور شریف قوم نے جس چیز کی خاطر قیام کیا ہے اور جس کی طرف بڑھ رہی ہے اور جس کی راہ میں اپنا جان و مال نثار کیا ہے اور کر رہے ہیں وہ اعلیٰ ترین اور گراں بہا ترین مقصد ہے۔ یہ وہ مقصد ہے جسے ازل میں ابتدائے کائنات سے پیش کیا گیا ہے اور دنیا کے بعد، ابد تک کے لئے پیش کیا جاتا رہے گا اور وہ مقصد، مکتب الوہیت، اپنے وسیع معنوں میں اور نظریہ توحید، اپنے تمام بلند و بالا جہات کے ساتھ ہے جو خلقت کی بنیاد اور عرصہ وجود میں، غیب و شہود کے تمام درجات و مراتب میں تخلیق کا ہدف ہے اور وہ مقصد اپنے تمام جہات،

معانی اور درجات کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکتب میں متجلی ہے، تمام انبیاء عظام علیہم السلام اور تمام اولیائے معظم سلام اللہ علیہم کی کوشش اسی کو متحقق کرنے کے لئے تھی، اس کے بغیر کمال مطلق اور لامتناہی جلال وجمال تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ اسی چیز نے خاکیوں کو ملکوتیوں اور ان سے بھی برتر مخلوقات پر شرف عطا کیا ہے۔ اور اس راہ پر چل کر خاکیوں کو جو کچھ حاصل ہوتا ہے پوری کائنات کی ظاہری و باطنی مخلوق میں کسی موجود کو حاصل نہیں ہوتا۔

اے مجاہدو! تم اس پرچم تلے آگے بڑھ رہے ہو جو پوری مادی و معنوی دنیا پر لہرا رہا ہے۔ تم اس کو درک کر سکو یا نہ درک کر سکو، تم اس راستہ پر چل رہے ہو جو تمام انبیاء علیہم السلام کا ایک راستہ ہے اور سعادتِ مطلق کا واحد ذریعہ ہے یہی وہ جذبہ اور محرک ہے جس کی راہ میں تمام اولیاء شہادت کو گلے لگاتے ہیں اور سرخ موت کو شہد سے زیادہ شیریں سمجھتے ہیں اور آپ کے جوان، محاذِ جنگ پر اسی کا ایک گھونٹ پی کر وجد میں آگئے ہیں اور ان کی ماں بہنوں اور باپ بھائیوں میں (یہی جذبہ) جلوہ گر ہوا ہے۔ اور ہمیں صحیح معنوں میں یہ کہنے کا حق ہے کہ "یالیتنا کنا معکم فنفوز فوزا عظیما" مبارک ہو ان لوگوں کو وہ نسیم دل آرا اور وہ ولولہ انگیز نظارا۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس جلوہ کا ایک گوشہ، تپتے ہوئے کھیتوں، طاقت فرسا کارخانوں، صنعتی مراکز، ایجادات و اختراعات کے اداروں میں اور قوم کی اکثریت کے اندر بازاروں، سڑکوں، دیہاتوں اور ان تمام افراد میں جلوہ گر ہے جو اسلام، جمہوری اسلامی اور ملک کی ترقی و خود کفائی کے لئے خدمت کر رہے ہیں۔ اور جب تک معاشرہ میں تعاون و احساسِ ذمہ داری کا یہ جذبہ باقی رہے گا۔ انشاء اللہ یہ عزیز ملک بھی آسیب دہر سے محفوظ رہے گا۔ بحمہ اللہ تعالیٰ۔ دینی تعلیمی مراکز، یونیورسٹیوں اور علم و تربیت کے مرکزوں کے جوان اس غیبی و الٰہی نغمہ سے فیضیاب ہیں اور یہ مراکز مکمل طور پر ان ہی کے ہاتھوں میں ہیں اور انشاء اللہ تباہ کاروں اور منحرفوں کے ہاتھ ان تک نہ پہنچ سکیں گے۔ ان تمام لوگوں سے میری وصیت یہ ہے کہ خدائے متعال کی یاد کے سہارے معرفت نفس، خود کفائی اور مکمل استقلال و آزادی کی طرف آگے بڑھیں، یقیناً لطف آپ لوگوں کے ساتھ ہے۔ اگر آپ لوگ خدا کے خدمت گزار ہیں اور اسلامی ملک کی ترقی و سربلندی کے لئے تعاون کے جذبہ کو آگے بڑھاتے رہیں اور میں ملتِ عزیز میں جس بیداری، ہوشیاری، احساسِ ذمہ داری، فداکاری اور راہ حق میں استحکام و ثبات قدم کو دیکھ رہا ہوں (اس کے پیش نظر) اس

امید کے ساتھ کہ خداوند متعال کے فضل سے یہ انسانی معانی و مفاہیم ملت کے اخلاف میں منتقل ہوں گے اور نسلاً بعد نسلٍ اس میں اضافہ ہوتا جائے گا، میں پرسکون دل، مطمئن قلب، مسرور و شادماں روح اور فضل خدا کے امیدوار ضمیر کے ساتھ آپ بہن بھائیوں کی خدمت سے رخصت ہو کر مقام ابدی کی جانب سفر کر رہا ہوں اور آپ لوگوں کی دعائے خیر کا سخت محتاج ہوں۔ خدائے رحمٰن و رحیم سے دعا کرتا ہوں کہ خدمت میں کوتاہی اور قصور و تقصیر کے سلسلہ میں میرے عذر کو قبول فرمائے اور میں قوم سے بھی امید رکھتا ہوں کہ وہ کوتاہیوں، قصوروں اور تقصیروں کے سلسلہ میں میرے عذر کو قبول کرے اور اپنے عزم مصمم نیز پوری توانائی کے ساتھ آگے بڑھتی رہے اور یہ جان لے کہ ایک خدمت گزار کے چلے جانے سے قوم کی آہنی فصیل میں شگاف نہیں پڑے گا کیونکہ مجھ سے اعلیٰ اور والاتر خدمت گزار خدمت کے لئے موجود ہیں اور اللہ اس قوم اور دنیا کے مظلوموں کا محافظ ہے۔

والسلام علیکم و علی عباد اللہ الصالحین و رحمۃ اللہ و برکاتہ

روح اللہ الموسوی الخمینی

۲۶ بہمن سنہ ۱۳۶۱ ہجری شمسی ۱ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۳ ہجری قمری

بسمہ تعالیٰ

یہ وصیت نامہ، میری موت کے بعد، احمد خمینی، قوم کے سامنے پڑھیں اور عذر کی صورت میں صدر جمہوریہ یا اسلامی پارلیمنٹ کے اسپیکر یا چیف جسٹس اس زحمت کو قبول کریں اور عذر کی صورت میں شورائے نگہبان کے محترم فقہاء میں سے کوئی ایک اس زحمت کو قبول کرے۔

روح اللہ الموسوی الخمینی

بسمہ تعالیٰ

اس ۲۹ صفحات پر مشتمل وصیت نامہ اور مقدمہ کے ذیل میں چند باتوں کا تذکرہ کر دیتا ہوں:۔

۱۔ ابھی جبکہ میں موجود ہوں میری طرف ایسی نسبتیں دی جاتی ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور ممکن ہے میرے بعد اس کے حجم اور مقدار میں اور اضافہ ہو لہٰذا میں یہ عرض کئے دیتا ہوں کہ میری طرف

جن چیزوں کی نسبت دی گئی ہے یا آئندہ دی جائے گی، مورد تصدیق نہیں ہے مگر یہ کہ میری آواز یا میری تحریر دستخط ہو جس کی ماہرین نے تصدیق دی ہو یا جمہوری اسلامی کے ٹیلی ویژن پر میں نے کچھ کہا ہو۔

۲۔ بعض اشخاص نے میری زندگی میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ میرے بیانات لکھا کرتے تھے۔ اس دعویٰ کی میں شدت کے ساتھ تردید کرتا ہوں ابھی تک میرا کوئی اعلان و بیان خود میرے سوا کسی اور نے تحریر نہیں کیا ہے۔

۳۔ سنا ہے کہ بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ میرا پیرس کا سفر ان کے ذریعہ انجام پایا تھا، یہ جھوٹ ہے۔ جب مجھے کویت سے لوٹا دیا گیا تو میں نے احمد (خمینی) سے مشورہ کرکے پیرس کا انتخاب کیا کیونکہ اسلامی ممالک کے بارے میں یہ احتمال تھا کہ وہ مجھے آنے نہ دیں گے کیونکہ وہ شاہ کے زیر اثر تھے لیکن پیرس میں یہ احتمال نہ تھا۔

۴۔ میں نے تحریک اور انقلاب کے دوران بعض افراد کی فریب کاری اور اسلام نمائی کی وجہ سے ان کا ذکر اور ان کی تعریف کی ہے جبکہ مجھے بعد میں یہ احساس ہوا کہ میں نے ان کے مکر و دغل سے دھوکا کھایا ہے، وہ سب تعریفیں اس وقت تھیں جب وہ اپنے کو جمہوری اسلامی کا معتقد و وفادار بتاتے تھے۔ ان تعریفوں سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہئے اور ہر شخص کے سلسلہ میں کسوٹی اس کی موجودہ حالت ہے۔

روح اللہ الموسوی الخمینی

سلکِ سخن
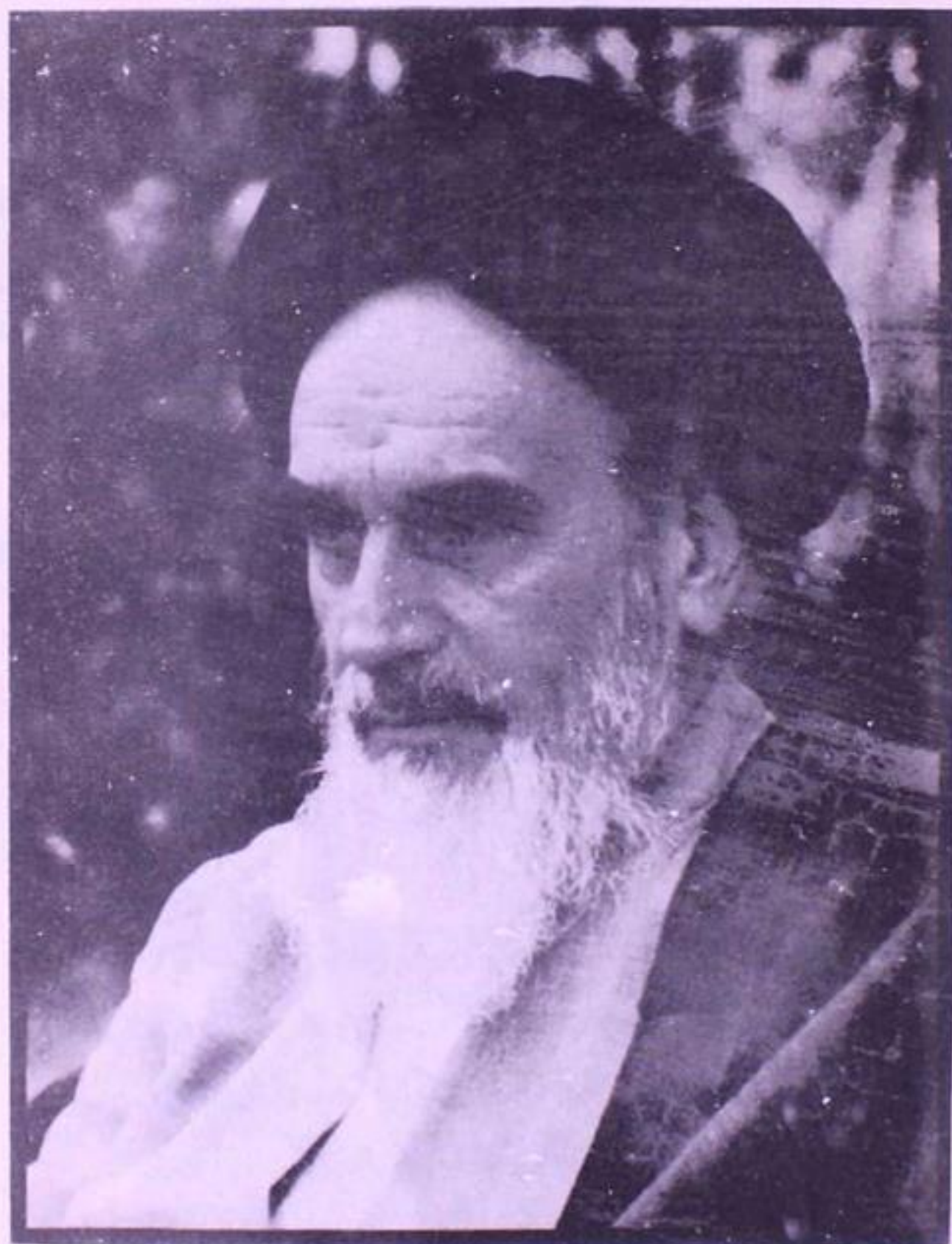
ع لب معجز بیان کا اعجاز!

(شاعری)

"وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ" کے قرآنی ارشاد کے پیش نظر یہی بات کہی جا سکتی ہے کہ "شاعری جمالِ آدمیت ہے! ـــــ البتہ جلالِ رسالت کے منافی ہے"۔ دوسرے لفظوں میں شاعری حقیقت میں "جزویست از پیغمبری" تو نہیں ہے۔ لیکن یہ دانشوری کی پہلی منزل ضرور ہے، اور شاید آخری بھی ـــــ بلکہ شاید شاعری ہی دانشوری ہے!

اصل چیز تو شعور حرف و حکایت ہے۔

بلکہ جسے شعورِ حرف و حکایت حاصل ہو جائے اس انسان کو "کاملیت" کی طرف مائل پرواز سمجھنا چاہیے۔ "کاملیت" جس تک رسائی ہی تمام اخلاقی مکاتبِ فکر اور نظامہائے عمل کا مقصد و ہدف ہے۔ بات "جذبۂ حکایت" سے شروع ہوتی ہے جو وجود کے ادراک و احساس کے سبب سے پیدا ہوتا ہے اور اگر اسی کے ساتھ شعور حرف بھی حاصل ہو جائے تو انسان وجود کے اثبات پر قادر ہو جاتا ہے۔

روح اللہ خمینی کی شاعری یا ان کی مجموعی شخصیت کے تخلیقی اور وجدانی پہلو کے متعلق غالباً صرف ایک بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ وہ محض ایک شاعر و فنکار نہ تھے۔ بلکہ ایک "کاملیت" آشنا انسان تھے جنہوں نے اپنے عملی و فکری اقدامات کے ساتھ ساتھ اپنے دُر ہائے الفاظ و گُہر ہائے معانی سے بھی "وجود کا اثبات" کیا ہے۔

عقیل الغروی

جز سر کوی تو ای دوست ندارم جایی

در سرم نیست بجز خاک درت سودایی

بر در میکده و بتکده و مسجد و دیر — سجده آرم که تو شاید نظری بنمایی

مشکلی حل نشد از مدرسه و صحبت شیخ — غمزه‌ای تا گره از مشکل ما بگشایی

این همه ما و منی صوفی و درویش نمود — جلوه‌ای تا من و ما را ز دلم بزدایی

هستیم نیست که هستی همه در نیستی است — هیچم و هیچ که در هیچ نظر فرمایی

پی هر کس شدم از اهل دل و حال و طرب — نشنیدم طرب از شاهد بزم آرایی

عاکف درگه آن پرده نشینم شب و روز

تا بیک غمزه او قطره شود دریایی

دل که آشفته روی تو نباشد دل نیست

آنکه دیوانه خال تو نشد عاقل نیست

مستی عاشق دلباخته از باده توست	بجز این مستیم از عمر دگر حاصل نیست
عشق روی تو در این بادیه افکند مرا	چه توان کرد که این بادیه را ساحل نیست
بگذر از خویش اگر عاشق دلباخته‌ای	که میان تو و او جز تو کسی حایل نیست
ره رو عشقی اگر خرقه و سجاده فکن	که بجز عشق تو را رهرو این منزل نیست
اگر از اهل دلی صوفی و زاهد بگذار	که جز این طایفه را راه در این محفل نیست
برخم طره او چنگ زنم چنگ زنان	که جز این حاصل دیوانه لایعقل نیست
دست من گیر و از این خرقه سالوس رهان	که در این خرقه بجز جایگه جاهل نیست

علم و عرفان بخرابات ندارد راهی

که بمنزلگه عشاق ره باطل نیست

من خواستار جام می از دست دلبرم

این راز با که گویم و این غم کجا برم

جان باختم بحسرت دیدار روی دوست — پروانه دور شمعم و اسپند آذرم

این خرقهٔ ملوث و سجادهٔ ریا — آیا شود که بر در میخانه بر درم

گر از سبوی عشق دهد یار جرعه‌ای — مستانه جان ز خرقهٔ هستی درآورم

پیرم ولی بگوشهٔ چشمی جوان شوم

لطفی که از سراچهٔ آفاق بگذرم

کاش روزی بسر کوی توام منزل بود

که در آن شادی و اندوه مراد دل بود

کاش از حلقهٔ زلفت گرهی در کف بود
که گره باز کن عقدهٔ هر مشکل بود

دوش کز هجر تو دل حالت ظلمتکده داشت
یاد تو شمع فروزندهٔ آن محفل بود

دوستان می زده و مست ز هوش افتاده
بی نصیب آنکه در این جمع چو من عاقل بود

آنکه بشکست همه قید ظلوم است و جهول
آنکه از خویش و همه کون و مکان غافل بود

در بر دل شده کان علم حجاب است حجاب
از حجاب آنکه برون رفت بحق حاصل بود

عاشق از شوق بدریای فنا غوطه ور است
بی خبر آنکه بظلمتکده ساحل بود

چون بعشق آمدم از حوزهٔ عرفان دیدم

آنچه خواندیم و شنیدیم همه باطل بود

در حلقهٔ درویش ندیدیم صفائی

در صومعه از او نشنیدیم ندائی

در مدرسه از دوست نخواندیم کتابی — در مأذنه از یار ندیدیم صدائی

در جمع کتب هیچ حجابی ندریدیم — در درس صحف راه نبردیم بجائی

در بتکده عمری ببطالت گذراندیم — در جمع حریفان نه دوائی و نه دائی

در جرگهٔ عشاق روم بلکه بیابم — از گلشن دلدار نسیمی زده پائی

این ما و منی جمله ز عقل است و عقال است

در خلوت مستان نه منی هست و نه مائی

آید آن روز که خاک سر کویش باشم

ترک جان کرده و آشفته رویش باشم

ساغر روح فزا از کف لطفش گیرم — غافل از هر دو جهان بسته‌ی مویش باشم

سر نهم بر قدمش بوسه زنان تا دم مرگ — مست تا صبح قیامت ز سبویش باشم

همچو پروانه بسوزم بر شمعش همه عمر — محو چون می زده در روی نکویش باشم

رسد آن روز که در محفل رندان سرمست — راز دار همه اسرار مگویش باشم

یوسفم گر زند بر سر بالینم سر

همچو یعقوب دل آشفته بویش باشم

الا یا ایها الساقی ز می پر ساز جامم را

که از جانم فرو ریزد هوای ننگ و نامم را

از آن می ریز در جامم که جانم را فنا سازد
برون سازد ز هستی هسته نیرنگ و دامم را

از آن می ده که جانم را ز قید خود رها سازد
بخود گیرد زمامم را فرو ریزد مقامم را

از آن می ده که در خلوتگه رندان بی‌حرمت
بهم کوبد سجودم را بهم ریزد قیامم را

نبودی در حریم قدس گلرویان میخانه
که از هر روزنی آیم گلی گیرد لجامم را

روم در جرگه پیران از خود بی‌خبر شاید
برون سازند از جانم بمی افکار خامم را

تو ای پیک سبکباران دریای عدم از من
بدریاداران آن وادی رسان عجز و سلامم را

بساغر ختم کردم این عدم اندر عدم نامه

به پیر صومعه برگو ببین حسن ختامم را

دیماه ۱۳۶۷

من بخال لبت ای دوست گرفتار شدم

چشم بیمار تو را دیدم و بیمار شدم

فارغ از خود شدم و کوس اناالحق بزدم — همچو منصور خریدار سر دار شدم

غم دلدار فکنده است بجانم شرری — که بجان آمدم و شهرهٔ بازار شدم

در میخانه گشایید برویم شب و روز — که من از مسجد و از مدرسه بیزار شدم

جامهٔ زهد و ریا کندم و بر تن کردم — خرقهٔ پیر خراباتی و هشیار شدم

واعظ شهر که از پند خود آزارم داد — از دم رند می آلوده مددکار شدم

بگذارید که از بتکده یادی بکنم

من که با دست بت میکده بیدار شدم
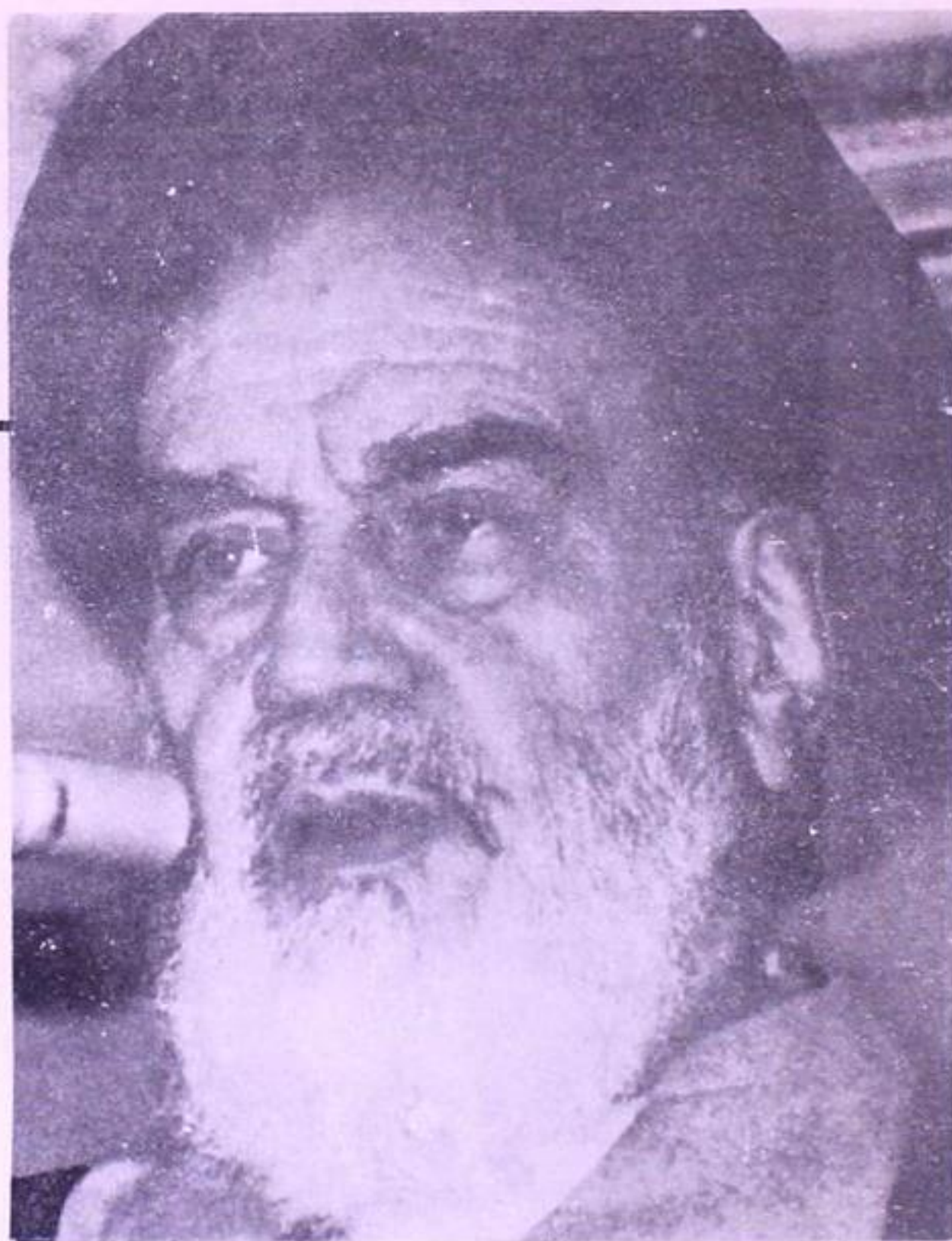
زخمِ صدا

(منظوم خراجِ عقیدت)

پروفیسر سید وحید اختر

ندائے آفتاب

یہ کون سے آفتابِ درخشاں کا ہے جنازہ
کہ جس کو ملیونہا اُجالے بہشت زہرا کی سمت لے جا رہے ہیں
نوحہ بلب، سیاہ پوش وخاک برسر

یہ کیسا یوم عزا ہے جو عشرۂ محرم سے، عیدِ قرباں سے قبل آیا
یہ کیسی بے رُت کی فصل باراں ہے
جس کے اشکوں میں شہر و قریہ نہار رہے ہیں
تمام کوچے، تمام میداں، سب خیاباں سیاہ پوش و فغاں بلب ہیں
یہ عین فصلِ بہار میں کس طرح زمستاں پھر آ گیا ہے
مژہ پہ ہر برگِ گل کی آنسو دہک رہے ہیں
اور آتشِ داغہائے لالہ سے دشت و کوہ و دمن کے دامن بھڑک رہے ہیں
تمام اطفال و نوجواناں، تمام مرد و زناں کی آنکھوں میں غم کے تارے چمک رہے ہیں
ہلالِ ماہِ عزا محرم سے پہلے اب کے نکل پڑا ہے
بیانِ خونِ حسینؑ سے لب دہک رہے ہیں
مساجد و مدرسہ کے تن میں دلِ شہیداں دھڑک رہے ہیں
حُسینیوں میں حُسینیت کے لہو کے قطرے چراغ آسا دمک رہے ہیں
عطش کے شعلے بھڑک رہے ہیں

یہ کون سا آفتاب تاباں تھا
جس کی آمد سے شہر و قریہ
تمام کوچے تمام میداں، سب خیاباں چمک اٹھے تھے
فرودگاہ سے بہشت زہرا تک آدمیوں سے سارے رستے چھلک رہے ہیں۔

امام آمد، امام آمد، کے نعرہ ہائے فلک شکن سے تمام ایران گونجتا تھا
ہزار سالہ نظام شاہنشہی کا سیلاب بے پناہ عوام میں ایک حقیر تنکے کی طرح نابود ہو گیا تھا
ملوکیت کے قصور و ایوان، غلام و مزدور اپنے کاندھوں پہ اپنی میت اُٹھائے کشور بدر ہوئے تھے

جہاں کے مستضعفین ایران کو قبلہ گاہ نجات و آزادگاں سمجھ کر
امامِ ملت کے پرچم سربلند کے سامنے جھکے تھے
زبانوں پر سرورِ شہیداں، امام آزادگاں کی نہضت کے تذکرے تھے
کہ چودہ قرنوں کے بعد اسلام کو ملی تھی حیات تازہ
تمام عالم کی آدمیت کے سامنے تھا نجاتِ ظلم و ستم کا جادہ
یہ تند موجیں یہ اٹھتی لہریں شہنشہی کے تمام قلعے گرا کے
طاغوت اور ابلیس کے کارندوں کے لانہ ہائے سید کی جانب لپک رہی تھیں
غروبِ تہذیب غرب کا تھا فضا میں چرچا
ہوائیں مستکبروں کے دامن کے پرزے پرزے فریاد کر رہے تھے
جو اپنی قدرت کو فوق انسان، جہانِ سوم سمجھ رہے تھے، شکست کھا کر گریز پا تھے
انہیں امامِ کبیر کے حق پرست ہونٹوں سے مل چکا تھا پیامِ فیصل
اس آگ نے گر انہیں چھوا تو طلسم ظلمات جل اٹھے گا
کہ مصطفےٰؐ و علیؑ کے وارث حسینؑ و زین العباؑ کے فرزند و جانشین نے
سکھا دیا ہے عوام کو وہ نہفتہ اسمِ عظیم، قلعہ کشا و جادو شکن
جو قلبِ مستضعفان و آزردگان کا مرہم ہے۔ ٹوٹے رشتوں کو جوڑتا ہے
جو اختراج و گروہ بندی کے صید ہائے زبوں کو حبل متیں کی وحدت سے باندھتا ہے

وہ اسمِ اعظم بزرگ رہبر کے لب پہ ابھرا
ہزاروں لاکھوں کروڑوں سینوں میں جگمگایا
ہزاروں لاکھوں کروڑوں ہونٹوں کا درد بن کر ستمگران جہاں سے الجھا
نہ ہشت سالہ قتالِ خونیں سے دب سکا وہ
نہ مشرق اور مغرب کی سیاست سے بجھ سکا وہ چراغِ تاباں
مزائیلوں اور بموں نے تخریب و قتل و دہشت کے دام پھینکے
وہ اسمِ اعظم ہزاروں لاکھوں شہید روحوں کی غیر فانی زباں سے بولا
تمام قدرت، تمام دولت، تمام شاہی و آمریت، ہر اک سیاست حبابِ سیل زماں ہے
موجِ سراب آسا، گذشتنی ہے
ہر ایک قاہر ہر ایک ظالم، ہر ایک آمر کا تخت و ایوان رفتنی ہے۔
یزید و صدام و شمر و ریگن ہر ایک جلاد مرد فنی ہے
ہیں جاودانی مبارزانِ رہِ عدالت
فقط ہے باقی خدائے قادر، خدائے عادل

بجز خدا کے تمام فانی، تمام فانی، تمام فانی
معلم اسم اعظم امروز روح حق سے ہوا ہے پیوست
کہ وہ بھی روح خدا تھا، روح حسینیت تھا۔
مگر سکھایا تھا جن کو اس نے وہ اسم اعظم جو اسکے اقدس بدن کو تہران کے مصلے سے لے کے جاتیں
سو پہنے کو بہشت زہرا

ظہور صاحب زمان تک اسکی صدائے قلعہ شکن کے حافظ بنے رہیں گے۔
وہ ذوالفقار علی کی وارث زبان خاموش ہو چکی ہے۔ یہ اک گماں ہے۔
نہ ذوالفقار علیؑ رکی ہے کسی سے اور نہ خموش ہوگی کبھی ابد تک
کہ جن کو سونپی تھی اس نے شمشیر امر معروف و نہی منکر
قیام مہدی تک اپنی تیغوں سے دشمنان و منافقین کے خلاف لڑتے رہیں گے پیہم
نہ انکے دامن میں بم گراتے عقابی شہپر
نہ ان کی جھولی میں ظلم، مکر و دغا کے پتھر
نہ پشت پران کی ہیں دیابے، نہ ہیں دیابہ شکن مزائیل
نہ ان کے قبضہ میں دار زنداں
نہ روح و تن کو جلانے والی اذیتوں کے چمکتے ساماں
نہتے بوڑھے، جوان بچے، ضعیف مائیں، کنواریاں، برقعہ پوش بہنیں
ہزار در صد ہزار پیروں سے چل رہی ہیں
ہزار در صد ہزار ہونٹوں سے کہہ رہی ہیں
ہمارے ہتھیار ہیں حسینی عطش کی سوکھی ہوئی زبانیں
ہمارا نعرہ ہے جز خدا کے ہر ایک طاقت، ہر ایک دولت سراب و فانی
محمدؐ و فاطمہ کے پرسہ گسار بدلیں گے اس برس طرز روضہ خوانی
کہا تھا روح خدا نے ان سے۔
کہ اب بھی تازہ ہے تیغ و خنجر، تشدد و جبر کی کہانی
فراز نوک سناں سے امت کو دیکھتے ہیں سر شہیداں
کہ اب بھی ہیں زینب و سکینہ اسیر زنداں
کہ ایک بھی زین العبا کی گردن میں طوق، ہاتھوں میں ہتھکڑی ہے
کہ آنے والی ہے جو بھی منزل، وہ اس صعوبت سے بھی کڑی ہے
ضعیف تشنہ جگر پدر کے لرزتے ہاتھوں پہ لاش اصغر دھری ہوئی ہے
دغا کے نیزے کی نوک اکبر کے دل میں اب تک گڑی ہوئی ہے۔
بریدہ بازوئے ابن حیدر علم اٹھائے ہوئے ہیں اب بھی

حسینؑ خوں کی قبا میں، زخموں کے پیرہن میں بدن چھپائے ہوئے ہیں اب بھی
زبانِ زینب ستم گزیداں سے کہہ رہی ہے
ہوس کے دربار میں ابھی تک بنات عصمت برہنہ سر ہیں
ستم کے دربار میں ابھی تک ہیں پیاس کے لب صداقتوں کے جنازۂ بے کفن پگریاں
گلوئے اظہار حق ابھی تک زبان بندی کے آہنی طوق میں ہیں نالاں
زبان کذب و منافقت کی ہیں پوری آزادیاں کے دنیا میں جھوٹ کو مشتہر کرے وہ
دروغ کے اسلحوں سے پیغمبرِ خدا کی غریب امت کی فوج کو منتشر کرے وہ
ہر ایک سلطان ارضِ خاور غلام مغرب بنا ہوا ہے۔
شہی کے طشتِ طلا میں فرقِ بُریدۂ حُریت دھرا ہے
یزید اب تک مرا نہیں ہے
حسین دشت بلا میں ھُل من مغیث اب بھی پکارتے ہیں
جنازۂ آفتاب تاباں سکوت کا نطق حق ہے
یہ مشعلِ آفتاب خاور اٹھانے والے
ہزار در صد ہزار پیروں سے بڑھ رہے ہیں
ضعیف مائیں، کنواریاں، برقع پوش بہنیں، نہتے بوڑھے، جوان بچے
ہزار در صد ہزار ہاتھوں پہ ہیں اُٹھائے ہوئے جنازہ
کہ یہ جنازہ نہیں علم ہے خدا و پیغمبرؐ و علیؑ کا
ہزار در صد ہزار آوازیں کہہ رہی ہیں
حسین کل دشت کربلا میں ہوئے تھے بے یاور اور تنہا
حسین اب بھی عراق میں ہیں غریب و تنہا
مگر یہاں پر جنازۂ آفتاب خاور اٹھانے والوں کے بے کراں سیل بے پناہ میں
حسین تنہا نہیں ہیں، تنہا نہیں رہیں گے۔
خمینیٔ بت شکن کی قلعہ کشائی کا معجزہ ہے یہ بھی
کہ آج لاکھوں کروڑوں انساں زمیں کے گوشوں سے بڑھ رہے ہیں عجم کی جانب
ہر اک طرف سے پکارتے ہیں
کہ اب نہ چھوڑیں گے ہم حسینؑ ابن فاطمہؑ کو کبھی اکیلا
یہ آفتاب اب کبھی نہ ہوگا غروب اُفق پر
حسینؑ دشت بلا میں تنہا نہیں رہیں گے۔
یہ روشنی تا ابد ہے قائم
یہ روشنی تا ابد ہے دائم

عقیل الغروی

مینارۂ صدا

بہ یادِ رہبرِ انقلابِ اسلامی امام خمینیؒ

وہ ایک مینارۂ صدا ہے
صدا کو کس نے فنا کیا ہے
صدا ہے باقی
صدا بقا ہے
کہ حق عطا ہے نگارِ حرف و نشورِ معنی

صدا ہے ہستی!
محال ہے گونج رہ نہ جائے!

وہ جبرِ حالاتِ مادّی کی فغاں نہیں ہے
وہ کوئی موجِ ہوا نہیں ہے
وہ ایک مینارۂ صدا ہے
شعاع کی طرح راست انداز
قوی و روشن
حیات پرور
وہ ذاتِ حق کوش ذات کب ہے
وہ ایک آواز بن چکی ہے

صدائے وجدان ہے وہ ہستی
زبانِ الہام ہے وہ پیکر
وہ ذاتِ حق گو
اذانِ حق ساز بن چکی ہے
وہ جسم و جان اذاں ہے گویا
مگر اب اس کو خموش کہہ کر
ہم اپنی کوتاہیِ سماعت کو داد دے لیں

مگر یہ آواز دفن ہو کر
زمیں کو گویائی بخش دے گی
صدائے حق مضمحل نہ ہوگی
اذاں کے مینارے کی بلندی

ہماری کوتاہی سماعت سے کم نہ ہوگی!

۱۴ سو سالہ جشن عید غدیر کی مناسبت سے

"مکتبۂ کائنات" بطورِ خراجِ عقیدت

پانچ گرانبہا ادبی اور علمی شہ پارے شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے

○ **"اسمِ اعظم"**

صرف ۱۸۶ صفحات ہیں، امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی مکمل ادبی سوانح عمری۔ ایک بہترین ادبی شاہکار

مصنف: میر کاظم علی زیدی کاظم متوفی ۱۹۵۴ء

تقدیم: ڈاکٹر نیر مسعود / عقیل الغروی

○ **"النبوہ والخلافہ"**

آیۃ اللہ العظمیٰ نجم الملۃ والدین السید نجم الحسن الامروہوی ثم الکھنوی متوفی ۱۹۴۱ء

کا ایک مختصر رسالہ، لیکن ایک علمی شاہکار

تقدیم: محدث خبیر حجۃ الاسلام علامہ السید ذو القدر رضوی

○ **"خطبۂ غدیر"**

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے "خطبۂ غدیر" کا تحقیقی متن

ترجمہ: حجۃ الاسلام علامہ السید ابن حسن نجفی (کراچی)

تقدیم: حجۃ الاسلام علامہ السید ذو لقدر رضوی

○ **میدانِ غدیر میں پیغمبر کی حکمتِ تبلیغ**

از افادات علامہ محقق حجۃ الاسلام والمسلمین السید سبط حسن الرضوی الھدایتی

مؤسس وقفِ حسینیۂ میر فتح اللہ۔ ھدایت گڑھ وعالمی ادارہ سفینۃ الھدایۃ (الھند)

○ **"آذانِ ولایت"**

از افادات علامہ ثبت حجۃ الاسلام السید ذیشان ھدایتی

(مؤسسِ مکتبہ کائنات دہلی)، (نزیل لسٹر۔ انگلستان)

Regd. with the Registrar of News Paper for India Under R.N. No. 47232/87 D.No. D(E) 50/88

ADABI KAINAT Monthly

41-Imambara Lane, Rashid Market, Delhi-110 051

Phone No. 2206727

Printer, Publishers & Prop: SYED ZISHAN NEJAFI HIDYATI

Editor: AQEEL ALGHARAVI

Nov. 89 to Jan. 1990 AYATULLAH KHOMAINI NUMBER Rs. 36

No. 24-26

بکھرے ہیں سرِ خاک جمیل آپ کے آنسو
ہے کوئی جو چُن کر انہیں دامن میں اٹھالے
(جمیل مظہری)